32

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

25 اگست 2004ء - 8 رجب المرجب 1425ھ

www.tanzeem.org

مسئلہ کشمیر نمبر

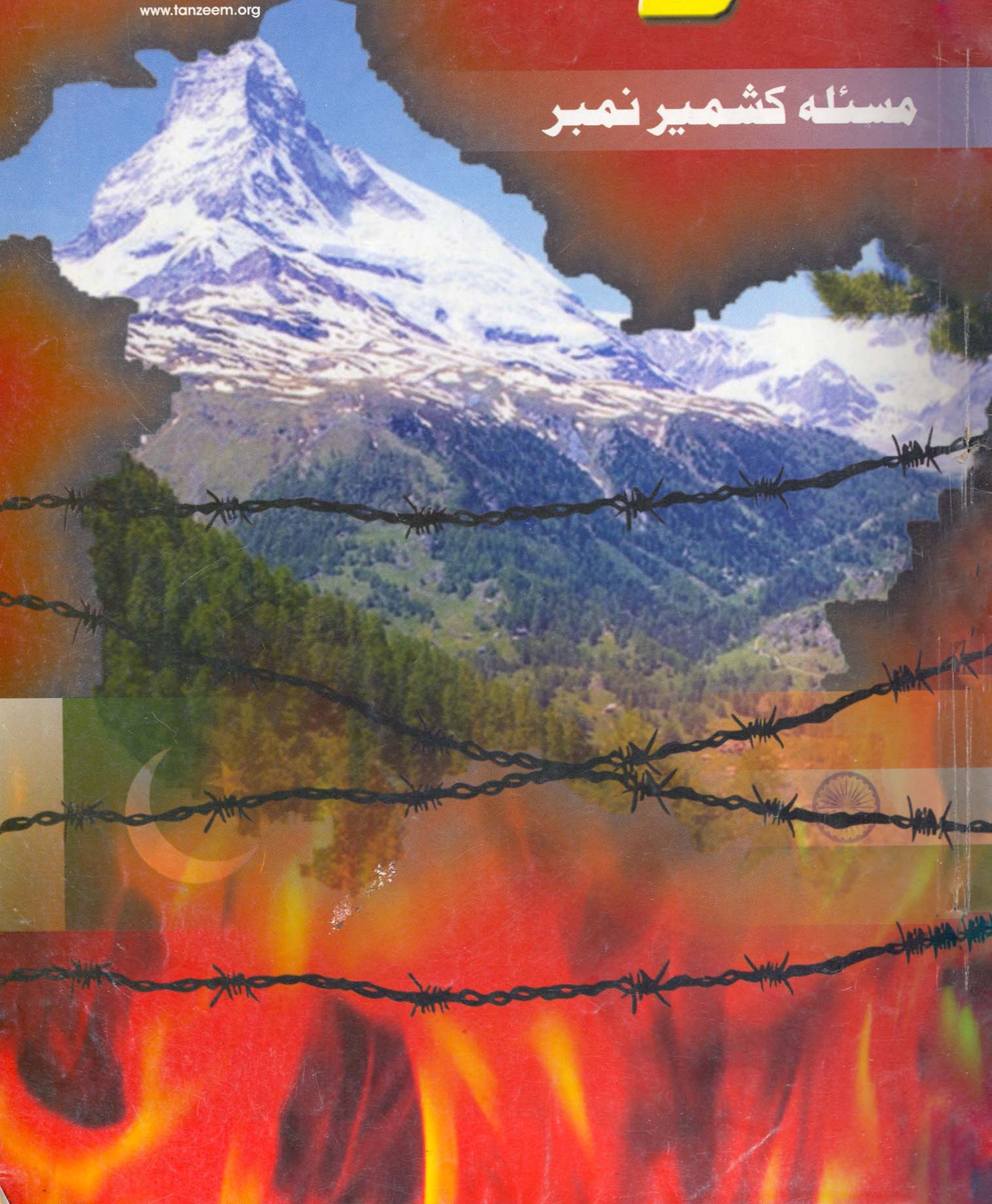

نقشہ مضامین کشمیر

(1) کشمیر جنت نظیر! 5

(2) مختصر تاریخی پس منظر 8

(3) 16 مارچ 1948ء (معاہدۂ امرتسر) 9

(4) 1846ء تا 1947ء (ڈوگرا راج) 10

(5) 1924ء (جدوجہد آزادی کا آغاز) 11

(6) 13 جولائی 1931ء (تاریخ ساز بیداری) 12

(7) 1931ء تا 1931ء (آل انڈیا کشمیر کمیٹی) 13

(8) 1932ء تا 1946ء (واقعات کا تیز بہاؤ) 13

(9) 19 جولائی 1947ء (قراردادِ الحاق پاکستان) 15
(معاہدۂ قائمہ۔15 راگست 1947ء)

(10) 27 اکتوبر 1947ء (متنازعہ الحاقِ بھارت) 17
لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا کردار۔کانگریس کی حکمت عملی۔مہاراجہ کشمیر کی حکمت عملی۔آزاد کشمیر حکومت کا قیام۔شیخ محمد عبداللہ کا کردار۔حکومت پاکستان کا احتجاج۔لاہور کانفرنس (یکم نومبر 1947ء)

(11) یکم جنوری 1948ء (کشمیر اقوام متحدہ میں) 25
ابتدائی قرارداد (21 اپریل 1948ء)۔اقوام متحدہ کا کمیشن (7 رمئی 1948)۔دوسری قرارداد (5 جنوری 1949ء) قرارداد کی مختلف تعبیریں۔ثالثی کی تجاویز۔افواج کے انخلاء کی دوسری تجاویز۔متبادل حل

(12) 1948ء تا 1953ء (استصواب کے بھارتی وعدے)

(13) 1953ء (بوگرا نہرو مذاکرات) 35

(14) 1954ء (کشمیر: بھارتی آئین میں) 36

(15) 1957ء (جیل سے شیخ عبداللہ کا خفیہ خط) 37

(16) 1955ء تا 1962ء (بے ضمیری اور بے عملی کا دور) 40

(17) 1963ء (بھٹو سورن سنگھ مذاکرات) 41

(18) ستمبر 1965ء (پاک بھارت جنگ) 46

(19) جنوری 1966ء (تاشقند کانفرنس) 49

(20) جنوری 1966ء (اعلانِ تاشقند) 52

(21) جولائی 1972ء (''شملہ معاہدہ'') 53

(22) 21 فروری 1999ء (''اعلانِ لاہور'') 55

(23) 5 مئی 1999ء (واقعۂ کارگل) 55

(24) جولائی 2001ء (''آگرہ مذاکرات'') 58

(25) 2001ء تا 2004ء (نائن الیون تا چودہ اگست)

(26) مسئلہ کشمیر: ادیبوں اور شاعروں کی نظر میں 64
علامہ اقبال۔قدرت اللہ شہاب۔جوش ملیح آبادی۔انجم رومانی۔حافظ مظہر الدین۔عزیز حاصل پوری۔اعجاز احمد فاروقی۔احمد صغیر صدیقی۔کرشن چندر۔شبنم رومانی۔حبیب جالب۔امجد علی اشہری

(27) مسئلہ کشمیر: عالمی میڈیا کی نظر میں 69
ڈیلی سکیچ: لندن۔لا اورور: پیرس۔یا میڈرڈ: سپین۔ہٹ پارول: ایسٹرڈم۔سدرن ڈیلی ایکو: ساؤتھ ہیمپٹن 'برطانیہ۔ ڈیلی ایکسپریس: لندن۔ڈاگنس نائی ہیٹر: سٹاک ہوم۔کرسچین سائنس مانیٹر: بوسٹن۔ ایوننگ سٹوک: ٹرنٹ۔ فرینک فرتھر الگیمین: فرینکفرٹ۔اے پی سی: میڈرڈ (سپین)۔میوچل براڈ کاسٹنگ سسٹم: واشنگٹن۔برلنگسکے افیوٹیونس: کوپن ہیگن۔

(28) مسئلہ کشمیر کا حل: ''ندائے خلافت'' کے قارئین کی نظر میں 71
محمد شفیق عالم کشمیری۔ پروفیسر نذیر احمد تشنہ۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد ایوب خان۔ف ع اولکھ۔رعنا خان۔امجد اسلام امجد

(29) مسئلہ کشمیر کا حل: مشاہیر کی نظر میں 75
قائد اعظم۔ لیاقت علی خان۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ شیخ عبداللہ۔ رام جیٹھ ملانی۔ جیوتی بھوش داس گپتا۔ایف ڈی کڑاکا۔سردار ابراہیم خان۔جسٹس راجہ افراسیاب خان۔ایاز میر۔آغا شاہی۔ جنرل مرزا اسلم بیگ۔ چوہدری محمد خان۔سید صلاح الدین۔ذوالفقار علی بھٹو۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ڈاکٹر اسرار احمد

تاخلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد	19 تا 25 اگست 2004ء	شمارہ
13	2 تا 8 رجب المرجب 1425ھ	32

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر انتظامی: سید قاسم محمود

مجلس ادارت

ڈاکٹر عبدالخالق۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 5869501-03
قیمت فی شمارہ: 5 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے
متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

عرضِ مؤلف

ہمالیہ کے دامن میں قدرت نے ایک ایسی وادی بنائی ہے جو اپنی آن بان' اپنی عطر بیز ہوا اور اپنی نغمہ ریز دل فریبیوں کے لئے شہرۂ آفاق بن چکی ہے۔ شاعروں نے اسے ہمیشہ ایک سدابہار سرزمینِ خواب سے تشبیہ دی ہے اور اس کے حسین ودلکش مناظر' اور کیف آور حسنِ فطرت کے لئے شیریں راگ الاپے ہیں۔ وقائع نگاروں' مورخوں اور سیاحوں نے اسے فردوسِ بریں کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور اس کے مہکتے ہوئے زعفران کے کھیتوں اور کھلکھلاتے ہوئے رنگا رنگ پھولوں کے تختوں' اس کے طویل وعریض سبزہ زاروں اور گنگناتے ہوئے آبشاروں' اس کی لبھانے والی ڈھلانوں' اور رجھانے والے خوش ذائقہ پھلوں کے باغوں' اس کی بل کھاتی ہوئی ندیوں' اور پرشکوہ دریاؤں' اس کی دلکش جھیلوں اور اس کے برف پوش چشموں اور اس کے فلک بوس پہاڑوں اور شفاف چوٹیوں کی مدح وتوصیف میں اپنا سارا زورِ بیان صرف کردیا ہے۔ جو شخص بھی کشمیر کی وادی میں اترا' وہ بادشاہ ہو یا مزدور' اس نے زبان سے کہا یا محسوس کیا ''ہمیں است وہمیں است وہمیں است''۔

لیکن یہ کل کا کشمیر تھا۔ آج کا کشمیر تو آگ اور بارود کی خونیں بارش میں نہایا ہوا ہے۔ کشمیر کے چپے چپے پر متعین سات لاکھ سے زیادہ مسلح بھارتی فوج صبح وشام کشمیریوں کو تاک تاک کر نشانہ بنا رہی ہے۔ 1989ء سے اب تک 80 ہزار سے زیادہ مردوں اور عورتوں کو محض اس جرم میں کہ وہ عالمی برادری سے حقِ خود ارادیت مانگتے ہیں' بے دردی سے قتل کیا جاچکا ہے۔ تاکہ نہتے کشمیریوں کو باہر سے کسی قسم کی کمک نہ مل سکے' بھارت نے اسرائیل کے مشورے پر پوری سرحد پر خاردار باڑ لگادی ہے جو بجائے خود بین الاقوامی جرم ہے۔ اس کے باوجود روزانہ کشمیریوں کا خون بہانے کی خبریں آرہی ہیں۔

امریکہ نے اس خطے میں اپنی بالادستی اور اسلامیانِ عالم کو اپنے زیردست رکھنے کی دوررس پالیسی کے تحت بھارت اور پاکستان کو مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر کو اس کے ''روڈ میپ'' کے مطابق حل کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ پاکستان نے اکتوبر 1947ء میں بھی جیتی ہوئی جنگ اقوام متحدہ کے دفتر میں جا کر ہاری تھی۔ ستمبر 1965ء میں بھی جیتی ہوئی جنگ تاشقند میں جا کر ہاری تھی۔ جب افغانستان اور عراق میں امریکہ نے پاکستان کو ''یوٹرن'' پر مجبور کیا تو پاکستان کے فوجی صدر نے تلوار پھینک دی اور لچک لچک کہتے ہوئے بھارت کا یہ مطالبہ مانتے ہوئے مذاکرات کی میز پر آگئے ''پہلے دوستی' امن' بھائی چارہ' تجارت' ثقافتی وفود کے تبادلے' پھر دیکھا جائے گا' کشمیر پر بھی گپ شپ کرلیں گے' ورنہ حقیقت میں تو کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے''۔ اس اصول کو تسلیم کرکے گویا موجودہ حکومت نے کشمیر کے پہاڑوں میں مجاہدین کی جیتی ہوئی جنگ ''لچک'' کے نام پر ایک بار پھر ہار دی۔

کشمیر کے مسئلے کا سادہ' اصولی اور قابلِ اعتماد حل کشمیریوں کے حقِ خود ارادیت کو تسلیم کرنے میں مضمر ہے' لیکن بھارت یہی ایک اصول کسی صورت قبول کرنے کو تیار نہیں۔ مذاکرات کے ذریعے اس مسئلے کا حل خلوصِ نیت سے نکالنا مقصود ہوتا تو بہت پہلے حل ہوگیا ہوتا۔ اب اگر بدلتے ہوئے بین الاقوامی حالات کے تحت مذاکرات کی میز آئندہ ماہ ستمبر میں پھر سجائی جارہی ہے' تو پاکستان کے نمائندوں کو چاہئے کہ اپنے اصولی موقف پر مضبوطی سے جمے رہیں' اپنی قانونی' سیاسی اور اخلاقی بنیاد سے انحراف نہ کریں' دو فریقی نہیں بلکہ سہ فریقی مذاکرات پر زور دیں' کیونکہ تنازعے کا اصل فریق اہلِ کشمیر ہیں۔

موقع کی مناسبت سے محترم حافظ عاکف سعید' امیر تنظیم اسلامی نے مجھے ''ندائے خلافت'' کا ''مسئلہ کشمیر نمبر'' مرتب کرنے اور ''پاک بھارت مذاکرات'' سے پہلے پہلے منظرِ عام پر لانے کا حکم دیا۔ اس سے قبل فلسطین نمبر' عراق نمبر' نظریہ پاکستان' اقبال نمبر بھی اسی طرح ''فوری اور ارجنٹ'' احکام کے ذریعے مرتب ہوکر شائع ہوئے تھے' لیکن اللہ نے عزت رکھ لی اور یہ سب خصوصی شمارے کامیاب ہوئے۔ ''مسئلہ کشمیر نمبر'' میں بھی ہم نے پرجوش تقریروں اور بلند بانگ تحریروں کی بجائے ٹھوس حقائق ومعلومات اور دستاویزات کو ترجیح دی ہے' تاکہ یہ خصوصی شمارہ بھی سابقہ شماروں کی طرح ایک حوالہ جاتی ریکارڈ کی طرح قارئین کرام کے ذاتی کتب خانوں میں بار بار دیکھنے اور پڑھنے کے لئے محفوظ رہے۔

لاہور' چودہ اگست 2004ء

سید قاسم محمود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشمیر — جنت نظیر!

ڈاکٹر سلام الدین نیاز' ایم اے' ایل ایل بی (مرحوم) تحریک آزادئ کشمیر کے سرگرم کارکن تھے۔ آزاد کشمیر حکومت کے وزیر قانون بھی رہے۔ انجمن حمایت اسلام سے بھی وابستہ رہے۔ ذیل کا مضمون ان کی تصنیف ''ان کہی داستانِ کشمیر'' کے پہلے باب کی تلخیص پر مبنی ہے۔

❁ ریاست جموں وکشمیر کے چار حصے ہیں:

1۔صوبہ جموں بشمول جاگیر پونچھ
2۔صوبہ کشمیر
3۔لداخ بشمول تبت خورد
4۔گلگت بشمول اسکردو بلتستان

اس کے مشرق میں چین' شمال میں روس' مغرب میں پاکستان اور جنوب میں بھارت واقع ہے۔ ریاست کا کل رقبہ تقریباً 84,000 مربع میل ہے۔ زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے۔ قدرتی طور پر ساری ریاست تین حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ پیر پنچال کے جنوب' دوسرا حصہ پیر پنچال اور زوجیلا کے درمیان اور تیسرا حصہ کوہستان قراقرم کے جنوب میں ہے۔ پیر پنچال کا پہاڑی سلسلہ ریاست کو پنجاب کے میدانی علاقے سے جدا کرتا ہے۔ یہ جنوب مشرق میں دریائے چناب سے شروع ہو کر شمال میں دریائے جہلم کے قریب جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو ایک دوسرے کے عین متوازی پھیلے ہوئے ہیں۔ شہر جموں اسی سلسلہ کوہ کے بیرونی حصے کے سرے پر واقع ہے۔ شمالی حصے کی اونچائی بہت زیادہ ہے اور اس کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ اس کے دامن میں بانہال کارٹ روڈ جو انجینئرنگ کے فن کا ایک محیر العقول کارنامہ ہے' درہ بانہال 95,00 فٹ کی بلندی پر واقع ہے' اس کی سب سے اونچی چوٹیاں تت کٹی اور ایشر بری (ہون سینگ) ہیں جو علی الترتیب 5,524 اور 17,752 فٹ بلند ہیں۔ درہ بانہال کے بجائے اب دورویہ سرنگ نکالی گئی ہے جس سے جموں اور سری نگر کے درمیان فاصلہ کم ہو جاتا ہے۔ دریائے راوی' چناب اور توی کے طاس کا علاقہ انہی پہاڑی سلسلوں میں واقع ہے۔ جنوب میں یہ پہاڑ بالکل ننگے ہیں لیکن شمال میں سرسبز و شاداب جنگلوں سے اٹے پڑے ہیں۔ یہی دیوہیکل پہاڑ وادی کشمیر کے گرد دیوار بن کر اس کو قلعہ نما بنا دیتے ہیں۔ البتہ جنوب میں مل کر یہ پہاڑ وسیع وادیاں بناتے ہیں جن میں صوبہ جموں کے بہت سے زرخیز علاقے کشتواڑ' بدرواہ' بسولی' رام نگر' ادھم پور' ریاسی' راجوری اور جاگیر پونچھ وغیرہ پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پہاڑوں میں سے چھوٹی چھوٹی ندیاں نکلتی ہیں۔ بعض جگہ نشیب میں کئی جھیلیں بھی ہیں جو ان ندی نالوں کا منبع بن جاتی ہیں۔ ان جھیلوں میں عموماً پگھلی ہوئی برف کا پانی جمع ہوتا رہتا ہے۔

وادی کشمیر اور لداخ' (بشمول چھوٹے تبت) کے درمیان بہت سے پہاڑوں کا سلسلہ ہے' ان میں سب سے بلند اور دنیا میں آٹھویں درجے پر اونچا پہاڑ نانگا پربت واقع ہے جس کی بلندی 26,269 فٹ' امرناتھ کی اونچائی 18,000 اور زوجیلا کی 13,000 فٹ ہے۔ درہ زوجیلا' لداخ کا دروازہ کہلاتا ہے۔ یہ پہاڑ کوہ ہمالیہ کی پھیلی ہوئی شاخیں ہیں اور ان سے چناب اور جہلم کی وادیاں سندھ کی وادی سے جدا ہوتی ہیں۔ ان پہاڑوں میں بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی جھیلیں ہیں جن میں سے کئی چھوٹے بڑے ندی نالے نکلتے ہیں۔ مغرب کی طرف کشن گنگا (دریائے نیلم) دریا نکلتا ہے جو مظفر آباد (دومیل) کے مقام پر دریائے زنسکار' بسورو' دراس' شگو' شیوک اور استر نکلتے ہیں جو دریائے سندھ سے مل جاتے ہیں۔

کوہ قراقرم ریاست کی شمالی سرحد کی حد بندی کرتا ہے۔ یہ سلسلہ کوہ بہت اونچا ہے اور لداخ و تبت خورد کے شمال سے ہوتا ہوا مغرب میں کوہستان ہندوکش سے مل جاتا ہے۔ ان پہاڑوں میں لداخ اور سنکیانگ نیز لداخ اور روسی ترکستان کے درمیان دنیا کے سب سے اونچے درے' جن کی بلندی 18,000 سے 20,000 فٹ تک ہے' واقع ہے۔ اس سلسلہ کوہ کی چوٹیاں 25,000 فٹ سے لے کر 28,000 فٹ تک بلند ہیں۔ کنچن چنگا (K-2) کی بلندی 28,278 فٹ تک بلند ہے جو دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی ہے۔ ہنزہ اور گلگت کے درمیان بھی کئی درے ہیں۔ پامیر جسے دنیا کی چھت کہا جاتا ہے' اس خطے میں واقع ہے یہاں سے بدخشاں کو بھی راستہ جاتا ہے۔ مشہور عالمی تاریخی ''شاہراہ ریشم'' ریاست کے اس حصے سے گزر کر کاشغر' چینی ترکستان جس کا موجودہ نام سنکیانگ ہے' جاتی ہے۔ مشہور دروں کی فہرست درج ذیل ہے:

1۔ درہ بانہال: کوہ پیر پنچال میں بانہال کارٹ روڈ پر جموں اور کشمیر کے درمیان۔
2۔ درہ پیر پنچال: کشمیر اور پنجاب کے درمیان (براستہ گجرات' بھمبر' راجوری)
3۔ درہ توسہ میدان: کشمیر اور پونچھ کے درمیان' براستہ علی آباد سرائے۔
4۔ درہ حاجی پیر: کشمیر اور پونچھ کے درمیان براستہ اوڑی۔
5۔ زوجہ بل یا زوجیلا: کشمیر' لداخ اور اسکردو کے درمیان۔
6۔ مارگن یا ماربل: کشمیر اور کشتواڑے کے درمیان۔
7۔ برزل: کشمیر اور گلگت کے درمیان۔

8۔ بڑالاچہ: لداخ اور پنجاب کے درمیان۔

ریاست جموں و کشمیر سطح سمندر سے خاصی اونچائی پر واقع ہے۔ یہاں کی سرزمین بڑی زرخیز ہے' ہر علاقے کی پیداوار میں سطح سمندر سے اونچائی کے مطابق اختلاف ہے۔ پہاڑی علاقوں میں مکئی' باجرے' گندم اور جو کی کاشت ہوتی ہے جبکہ وادی کشمیر کے میدانی حصے میں چاول' گندم اور ''کاہنڈی'' کے علاقوں میں مکئی پیدا ہوتی ہے۔ ریاست کی زیادہ تر آمدنی کا انحصار جنگلات' دستکاری' صنعت و حرفت اور پھلوں وغیرہ پر ہے۔ جنگلوں میں شکاری جانور اور ہر قسم کے پرندے سیاحوں کی دلچسپی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

ریاست کشمیر کی آب و ہوا منطقہ معتدلہ میں واقع ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں معتدل اور سردیوں میں سخت سرد ہوتی ہیں۔ موسم سرما میں برف پڑتی ہے اور سردی کی شدت سے دریا تک یخ بستہ ہو جاتے ہیں۔ موسم بہار اگرچہ نم آلود ہوتا ہے' لیکن بڑا صحت افزا اور سہانا۔ اس موسم میں پھلوں کی فراوانی ہوتی ہے۔ موسم خزاں قدرے خشک مگر مفید صحت۔ مختصر یہ کہ کشمیر کی آب و ہوا بڑی صحت افزا اور طاقت بخش ہے۔ موسم بہار میں ریاست کا چپہ چپہ' انواع و اقسام کے پھولوں سے بھرا ہوا اور سبزے سے لہلہاتا ہوا نظر آتا ہے' حتیٰ کہ مکانوں کی چھتیں گل و لالہ سے اٹی ہوئی عجیب دل کش سماں پیدا کرتی ہیں۔ کھیتوں میں تلائی اور گوڈائی کا منظر بھی اس قدر روح پرور' صحت بخش اور کیف انگیز ہوتا ہے کہ اگر جون کے اوائل میں اس جنت ارضی کی سیر کریں تو ایک عجیب و غریب تماشا نظر آئے گا۔

ایک انگریز مصنف نے ریاست جموں و کشمیر کو ایک وسیع عمارت سے تشبیہہ دی ہے جس کی کئی منزلیں ہیں۔ پھر ہر منزل میں بسنے والوں کا لباس الگ' بولی مختلف' رسم و رواج جداگانہ ـــــ اور جموں اس عمارت کا دروازہ ہے جس کے سامنے سیالکوٹ' گوجرانوالہ' گجرات اور جہلم کے مسطح ضلعے ہیں۔ آگے بڑھیں تو اونچے اونچے ٹیلے اور پہاڑیاں نظر آجاتے ہیں۔ اس علاقے کو ''کاہنڈی'' اور ''ڈگر'' بھی کہتے ہیں۔ ڈوگرہ راجپوت' برہمن' کھتری' ٹھاکر اور جاٹ یہاں کے باشندے ہیں۔ ڈوگرے سپاہی پیشہ ہیں۔ بیوپار پر کھتریوں کا قبضہ ہے۔ برہمن' ٹھکر اور جاٹ زراعت پیشہ ہیں۔ ٹھکروں اور جاٹوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مناور ندی سے جہلم تک کا علاقہ ''چھبال'' کہلاتا ہے۔ یہاں زیادہ تر چب راجپوت آباد ہیں۔

یہ تو اس عمارت کے صحن کا حال تھا۔ اونچے نیچے پہاڑوں کی لمبی دیوار سے پار اتریں تو اس عظیم الشان قلعے کی پہلی منزل آتی ہے۔ اس منزل میں کئی درجے ہیں۔ نچلے حصے میں بسوہلی' رام نگر اور ادھم پور کے علاقے ہیں یہاں کی آب و ہوا نسبتاً زیادہ خوشگوار ہے۔ اوپر کے حصے میں بھدرواہ' کشتواڑ' رام بن اور رام پور راجوری نظر آتے ہیں۔ قدرت کی دریا دلی نے اس سرزمین میں لالہ زار اگائے اور گل و یاسمین کے چمن کھلائے ہیں۔ جگہ جگہ چشمے اور تال' سیب' آڑو اور ناشپاتی کے درختوں کے جھنڈ' چنار' دیودار اور شمشاد کی قطاریں' پر بہار وادیاں' سرسبز میدان اور کشتواڑ میں زعفران بھی پیدا ہوتا ہے۔

دریائے چندر بھاگا جو عام طور پر چناب کہلاتا ہے اور لاہول کے پہاڑوں سے نکلتا ہے' یہاں سنگلاخ چٹانوں سے سر ٹکراتا بڑے زوروں سے بہتا ہے۔ نچلے حصے میں پہنچ کر اس کی تیزی کم ہو جاتی ہے۔ اس علاقے میں وادی کشمیر کے بہت سے لوگ آ کر بس گئے ہیں۔ یہاں ڈوگروں اور کشمیریوں کے اختلاط نے ایک نئی بولی کو جنم دیا ہے۔ کشمیریوں کے علاوہ یہاں گوجر بھی آباد ہیں جو گائیں بھینسیں پالتے ہیں۔ گوجر جموں اور کشمیر دونوں صوبوں میں آباد ہیں البتہ کشتواڑ کا ایک قبیلہ خانہ بدوش ہے اور بکریاں پالتا ہے۔

پونچھ' جس کی سرحدیں' ایک طرف ضلع راولپنڈی اور دوسری طرف وادی کشمیر سے ملتی ہیں اسی علاقے میں شامل ہیں۔ یہاں سدھن اور ڈھونڈ آباد ہیں۔ جو بڑے تنومند اور جفاکش لوگ ہیں۔ یہ قبیلے جو تحصیل مری میں بھی پھیلے ہوئے ہیں زیادہ تر سپاہی پیشہ ہیں۔ پونچھ کا جنوبی اور مشرقی حصہ خاصا زرخیز ہے۔ اس علاقے میں پہاڑی ڈوگری' گوجری اور کشمیری بولیاں بولی جاتی ہیں۔ لباس' زبان' رہنے سہنے کے طور طریقوں میں کشمیر کا اثر زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ پیداوار میں گیہوں اور گنا خوب ہوتا ہے۔ مکئی' چاول' آڑو' خوبانیاں' ناشپاتیاں اور سیب کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس علاقے کے سامنے پیر پنچال کے سلسلہ کوہ کی لمبی فصلیں کھنچی ہیں جس کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی ہیں۔ ان پہاڑوں کو عبور کر کے آگے بڑھیں تو وہ خطہ مینوسواد سامنے آتا ہے جسے وادی کشمیر کہتے ہیں۔ یہ اس عمارت کی دوسری منزل ہے اور پیر پنچال کا سلسلہ کوہ اس کا زینہ ہے۔

پیر پنچال میں کئی درے ہیں جن میں سے وادی کشمیر کو راستہ جاتا ہے۔ جموں سے سری نگر تک پکی سڑک ہے جسے ''بانہال کارٹ روڈ'' کہا جاتا ہے۔ راستے میں بانہال کا درہ پڑتا ہے (بانہال کے قریب بزمانہ حال دورویہ سرنگ نکالی گئی ہے جو بانہال کو منڈا سے ملاتی ہے) درے سے گزرتے ہی کشمیر قدموں تلے نظر آتا ہے۔ بھمبر سے بھی ایک راستہ جاتا ہے جو بہرام گلہ اور پوشیانہ سے ہوتا ہوا شوپیاں جا پہنچتا ہے۔ مغل بادشاہ اسی راستے سے کشمیر جایا کرتے تھے۔ جہانگیر کو تو کشمیر سے عشق تھا' چنانچہ اس کے عہد کی بہت سی یادگاریں راستے میں کسمپرسی کی حالت میں موجود ہیں۔ جاگیر پونچھ سے کئی راستے کشمیر کو جاتے ہیں۔ ایک تو ساوجیاں کا راستہ ہے جو سیدھا گلمرگ جا پہنچتا ہے دوسرا ہلاں کا جو بارہ مولا سے جا ملتا ہے۔ لیکن یہ راستے بڑے دشوار گزار ہیں' البتہ پونچھ سے ایک پکی سڑک جو حاجی پیر کے درے سے ہوتی ہوئی اوڑی پہنچتی ہے' خاصی بہتر ہے۔ پنجاب سے کشمیر جانے کے لئے سب سے اچھی سے اچھی سڑک جہلم ویلی روڈ ہے جو راولپنڈی سے شروع ہوتی ہے اور مری' کوہالہ' دومیل اور اوڑی سے گزرتی ہوئی سرینگر پہنچتی ہے۔ ایبٹ آباد سے جو سڑک نکلتی ہے وہ بھی مظفر آباد سے ہوتی ہوئی دومیل کے مقام پر اس سڑک سے آ ملتی ہے۔ کاغان سے بھی کشمیر جانے کا ایک راستہ ہے جو وادی لولاب سے ہوتا ہوا ہنگام جا پہنچتا ہے۔

وادی کشمیر جسے اس سرزمین کا دل کہنا زیادہ موزوں ہے' 85 میل لمبی اور 30 سے 35 میل تک چوڑی ہے۔ اسے چٹیل پہاڑوں کی فصیل نے گھیر رکھا ہے جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ کشمیر میں جگہ جگہ پر بہار مرغزار اور گل پوش میدان پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میدانوں میں کہیں چنار کے درخت ہیں اور کہیں شمشاد کے پیڑ۔ برسات میں بید مجنوں کسی آنسو بہاتے عاشق حرماں نصیب کا سماں پیدا کرتا ہے۔ اس سرزمین میں پانی کی فراوانی ہے۔ ہر جگہ اور ہر قریے میں چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ جابجا جھیلیں اور تال جنہیں یہاں کی زبان میں ''سر'' کہتے ہیں۔ دریا اور ندی نالے میدانوں میں سانپوں کی طرح لہراتے بل کھاتے چلے جاتے ہیں۔ چینیوں کی طرح کشمیری ہندو بھی ندی نالوں اور چشموں کو سانپوں کا کرشمہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیری زبان میں ''ناگ'' چشمے کو کہتے ہیں اور بعض ندی نالوں اور چشموں کے نام کا جزو بن گیا ہے۔ مثلاً ویری ناگ' نیلا ناگ' شیش ناگ وغیرہ بڑی تین اور چھوٹی چار جھیلیں ہیں۔ ایک ''ڈل لیک'' ہے جس نے شہر سرینگر کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے دوسری ''ولر'' جس کا پرانا نام ''مہاپدم سر'' ہے۔ ولر کے بیچوں بیچ ایک مصنوعی جزیرہ بڈشا کی یادگار ہے۔ اس نے اس جزیرے میں ایک محل اور ایک مسجد بنوائی تھی' جن کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔

تیسری مانبل جھیل ہے جس کے درمیان اور اردگرد مغل تعمیرات کے کھنڈرات اب بھی سیاحوں کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ کشمیر کے چاروں کونوں میں 13000 سے 15000 فٹ بلندی پر چار جھیلیں قدرت نے اس طرح نائی ہیں کہ ان سے دریائے جہلم کے چار بڑے معاون نکلتے ہیں۔ جنوب مشرقی کونے میں تاریخی باغ ''اچھ بل'' کی پشت پر 12000 فٹ کی بلندی پر جھیل ''ژوہرناگ'' واقع ہے جس سے نالہ برنگی نکلتا ہے اور کھنہ بل اسلام آباد کے قریب دریائے جہلم سے آ ملتا ہے۔ شمال مشرقی کونے میں کشمیر کے پرفضا مقام پہلگام کے عقب میں 15000 فٹ کی بلندی پر ''شیش ناگ'' اپنا پھن پھیلائے 19000

فٹ بلند ''کولاھائی'' کی چوٹی کے دامن تک دراز ہوتا چلا گیا ہے۔ اسی سے نالہ ''لدر'' نکل کر بیج بہارا کے قریب دریائے جہلم میں ضم ہو جاتا ہے۔ شمال مغربی کونے میں جانفزا وادی لولاب کے اوپر 13000 فٹ بلند ''قاضی ناگ'' واقع ہے۔ اس میں نالہ ''پہرو'' نکل کر جھیل مانبل کے قریب سے بہتا ہوا سوپور کے نزدیک جہلم میں شامل ہو جاتا ہے اور جنوب مغربی کونے میں تاریخی قصبہ شوپیاں کے مغرب اور خوبصورت وادی ''گنگہ وٹن'' کے اوپر 16000 فٹ کی بلندی پر ''کونسر ناگ'' ہے۔ یہاں سے شوریدہ سر نالہ ''ویشو'' شروع ہوتا ہے اور کشمیر کی واحد آبشار ''اہربل'' بناتے ہوئے کلگام اور آڈون کے قریب بمقام سنگم دریائے جہلم کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔

کشمیر کا دارالحکومت سرینگر ہے۔ شہر کے دائیں تخت سلیمان اور بائیں ہاری پربت کی پہاڑیاں ہیں۔ ھاری پربت پر اکبر بادشاہ کا قلعہ ہے۔ شہر کے اندر مسلمان دور حکومت کی کئی خوبصورت عمارتیں ہیں جن میں سے جامع مسجد' خانقاہ شاہ ہمدان' پتھر مسجد' خانقاہ مخدوم صاحب' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جھیل ڈل کے کنارے نسیم باغ' نشاط باغ' شالامار باغ اور درگاہ حضرت بل مغلوں کے حسن ذوق اور مذہبی لگاؤ کی لاثانی یادگاریں ہیں۔ سیاحوں کے لئے قابل دید صحت افزا مقامات گلمرگ' پہلگام' سونہ مرگ' مانسبل' کوکرناگ' ویری ناگ' اچھ بل' گاندربل' چشمہ شاہی قدرت کی نشانی کے لافانی شاہکار ہیں۔ پامپور میں زعفران کے کھیت موسم خزاں میں دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں جب زعفران کا پھول پورے جوبن پر ہوتا ہے۔

کشمیر کے لوگ ہندوستان کے لوگوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے ہیں اور اب بھی ان کا یہ حال ہے کہ باہر کے لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان' لباس اور رسم و رواج پر ہندوستان کا بہت کم اثر پڑا ہے۔ کشمیریوں کا عام لباس ایک ڈھیلا ڈھالا کرتا اور ٹوپی یا سفید پگڑی ہے۔ عورتیں بھی کھلا پیرہن یا ''پھرن'' پہنتی ہیں۔ ان کے سر پر ایک گول ٹوپی ہوتی ہے جسے ''قصابہ'' کہتے ہیں۔ اوڑھنی کو ایک ٹوپی سے ٹانک دیا جاتا ہے۔ گذشتہ تیس پینتیس برس کے عرصے میں لباس بہت کچھ بدلا ہے۔ پڑھے لکھے کشمیری کوٹ پتلون پہنتے ہیں یا کرتے پاجامے پر صدری اور سر پر قلی ٹوپی۔ عورتوں کے لباس میں بھی خاصی کتر بیونت ہو رہی ہے۔

یہ تو کشمیر کی وسیع عمارت کی دوسری منزل کا حال تھا۔ اس کے سامنے اور دائیں بائیں اونچے پہاڑوں کی دیوار کھنچی ہے۔ اس کے پار اتریں تو اس عمارت کی تیسری اور آخری منزل آتی ہے۔ سامنے بلتستان ہے' دائیں لداخ جو کشمیر کے مشرق میں نیچے تک پھیلتا چلا گیا ہے' اور بائیں طرف گلگت کا علاقہ۔ لیکن پہاڑوں کی اس دیوار سے پار اترنا آسان نہیں۔ ایک تو چڑھائی ایسی سیدھی ہے کہ بڑے بڑے ہمت والوں کے حوصلے جواب دے جاتے ہیں۔ پھر تیز رفتار ندی نالے جن پر لکڑی کے تختوں اور رسوں کے معلق پل' گہرے کھڈ' خوفناک گھاٹیاں اور وحشت خیز بیابان ہیں۔ ان سے آگے قراقرم اور ہندوکش کے پہاڑوں کا حصار ہے جن کی چوٹیوں پر ابدی سکون چھایا رہتا ہے۔ سرینگر گلگت سے 228 میل دور ہے۔ پہاڑوں سے گزر کر وادی سندھ میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں ایک وحشتناک ویرانی نظر آتا ہے جس میں کہیں ہریالی کا نام و نشان نہیں۔ لیکن اس بیابان میں بھی حسن ازل کے لازوال جلوؤں کی کمی نہیں۔ صبح سویرے جب سورج نانگا پربت کی برفانی چوٹیوں پر نور بکھیرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کی چوٹیوں سے پگھلا ہوا سونا بہہ رہا ہے۔ گلگت کے آس پاس اور اردگرد مکئی' دھان' گیہوں اور جو کے کھیت لہلہاتے نظر آتے ہیں۔ ندی نالوں میں سونا بھی پایا جاتا ہے۔ گلگت کی سرحد پر ہنزہ اور نگر دو چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں۔ وہاں سے آنے والی ندیوں میں خاصی مقدار میں سونا ملتا ہے۔

گلگت کے لوگ قبیلوں میں بٹے ہوئے ہیں جن میں رونو' شین اور یشکن بہت مشہور ہیں۔ یہ لوگ مضبوط اور کھلی رنگ کے توانا ہاتھ پاؤں والے مشہور ہیں۔ ان کا لباس ڈھیلا ڈھالا ہوتا ہے اور انہیں پھولوں سے بڑی محبت ہوتی ہے' ہر وقت ٹوپیوں میں پھول لگائے پھرتے ہیں۔

گلگت کے دائیں ہاتھ بلتستان ہے' یہ علاقہ اونچے اونچے پہاڑوں سے جن کی چوٹیاں 28000 فٹ تک اونچی ہیں' گھرا ہوا ہے۔ جتنے بڑے گلیشیر اس علاقے میں ہیں' قطب شمالی کے سوا کہیں نہیں ملتے۔ اگرچہ یہ علاقہ بڑا برفانی ہی پھر بھی یہاں خاصی کھیتی باڑی ہو جاتی ہے۔ گیہوں' جو' چنا اور مٹر وغیرہ یہاں کی عام پیداوار ہے۔ برف یہاں پانی اور کھاد دونوں کا کام دیتی ہے۔ پھلوں میں خوبانی' شہتوت' انار' تربوز اور سیب بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ ندی نالوں میں سونا بھی ملتا ہے۔ یہاں کے لوگ بلتی کہلاتے ہیں۔ منگول نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ گلگت کے لوگوں کی طرح بلتی بھی مسلمان ہیں۔ اگرچہ کہیں اکا دکا بدھ مذہب کے پیروکار بھی نظر آتے ہیں۔ یہاں سے کشمیر اور لداخ کو کئی راستے نکلتے ہیں۔

بلتستان سے دائیں ہاتھ لداخ کا علاقہ ہے جس کی سرحد تبت سے جا ملتی ہے۔ لداخ کے بعض حصے سطح سمندر سے چودہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہیں۔ پورے علاقے میں کوئی جگہ ایسی نہیں جس کی اونچائی 9000 فٹ سے کم ہو' اس لئے لداخ کو ''بام دنیا'' بھی کہتے ہیں۔ جنوبی حصے میں کئی جھیلیں ہیں۔ ان میں سے ایک جو پندرہ میل لمبی ہے' کوئی پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ لداخ کی زمین ریتلی ہے اس لئے یہاں زراعت زیادہ نہیں ہوتی۔ عمارتی لکڑی اور ایندھن بھی کمیاب ہے۔ پھر بھی گندم' چنا' جو وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔ لداخ کے باشندوں کی صورت شکل بلتستانیوں سے ملتی جلتی ہے۔ لوگ زیادہ تر بدھ مت کے پیرو ہیں' پھر بھی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ لداخ میں بدھ مت کے بڑے مندر ہیں۔ ان میں سونے چاندی اور جواہرات کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ یہاں کے لوگ زیادہ خوشحال ہیں۔ سب سے بڑا شہر ''لیہ'' ہے جو سرینگر سے 234 میل کے فاصلے پر ہے۔

کشمیر کا محل وقوع

ریاست جموں و کشمیر برعظیم پاک و ہند کے انتہائی شمال میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں روس' شمال مشرق میں چین' شمال مغرب میں افغانستان' جنوب مشرق میں بھارت' جنوب مغرب میں پاکستان واقع ہیں۔ گویا بین الاقوامی سیاسی اہمیت کے اعتبار سے کشمیر روس' چین' بھارت اور پاکستان کے حصار میں ہے۔ ریاست کی 700 میل لمبی سرحد پاکستان کے ساتھ اور 350 میل لمبی سرحد بھارت کے ساتھ مشترک ہے۔ بھارت کے ساتھ مشترکہ سرحد کا زیادہ حصہ پہاڑی ہے جو موسم بہار میں برف سے ڈھکا رہتا ہے اور صرف بتیس میل کا علاقہ ایسا بچ رہتا ہے جو موسم سرما میں آمدورفت کے لئے استعمال ہو سکے۔

آیئے! وقت کو قیمتی بنایئے   خود سیکھئے اور سکھایئے

سہ روزہ' ہفت روزہ پروگراموں میں وقت دے کر اپنے فکر کے استحکام' حرکی تربیت حاصل کریں' داعی الی اللہ بنیں اور دیگر تنظیمی وانتظامی اُمور میں حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے لئے قبول فرمائے۔ آمین۔

سہ روزہ دعوتی پروگرام 27 تا 29 اگست 2004ء حلقہ سرحد جنوبی

رفقاء احباب دفتر حلقہ سے رابطہ کریں۔ آپ کے جواب کے منتظر

پتہ: ناصر مینشن نزد ریلوے سٹیشن پشاور کینٹ۔

فون: 0923-262902 -0300-5903211

(2) تاریخی پس منظر

سرزمین کشمیر کے اوّلین مورخ پنڈت کلہن نے اپنی تاریخ ''راج ترنگنی'' میں بارھویں صدی میں لکھا تھا: ''کشمیر وہ ملک ہے جسے روحانی اوصاف سے فتح کیا جا سکتا ہے' مسلح افواج سے نہیں''۔

پنڈت کلہن کے اس پیغام کو نظر انداز کرتے ہوئے کشمیر کی حسین وجمیل وادی پر جب بھی' کسی نے نظر ڈالی' بری نظر ڈالی۔ اس میں ہوس ملک گیری اور حرص زیادہ ترکار فرما رہی ہے۔ اس طرح کشمیر ہمیشہ جارحوں' غاصبوں اور لٹیروں اور ملک گیروں کے ہتھے چڑھتا رہا۔ اس کا قدرتی حسن اور سادہ لوح باشندے شروع دن سے آج تک بیرونی حملہ آوروں اور قابضین کے پیروں تلے کچلتے رہے ہیں۔ تاریخ کے ہر موڑ پر کشمیر بیرونی مسلح افواج کے ہاتھوں زخموں سے چور ہوتا رہا اور اس کے محکوم و مظلوم عوام اپنی آزادی کی جنگ کی خاطر ہمیشہ جانی و مالی قربانیاں دیتے رہے۔ آگ اور خون کے سمندر سے گزرتی ہوئی کشمیر کی تحریک آزادی اتنی ہی قدیم ہے جتنی کشمیر کی تاریخ ہے۔

ریاست جموں وکشمیر' جسے عام طور پر کشمیر ہی کہا جاتا ہے' پانچ ہزار قبل مسیح سے تاریخ کی روشنی میں ہے۔ شروع میں یہاں تقریباً چھ سو سال تک دیا کرن اور اُس کے پچاس ورثاء حکومت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ 250 ق م میں اشوک نے کشمیر فتح کرلیا۔ اور بدھ مت اور بدھ ثقافت کو رواج دیا۔ یہاں بدھ مت کے پیروؤں کی حکومت نو سو سال تک قائم رہی۔

محمد بن قاسم نے سندھ اور جنوبی پنجاب پر 711ء اور 713ء کے عرصے میں قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد وہ ملتان سے روانہ ہوا اور اپنے اسلحہ خانے کو سلطنت کشمیر کی سرحدوں تک لے گیا۔ عربوں کی اس پیش رفت کے عمل سے خوف زدہ ہو کر کشمیر کے راجا چندر پیڈ انے اپنا ایک سفیر چین کے بادشاہ کے پاس بھیج دیا' تاکہ عربوں کے خلاف چین کی امداد حاصل کی جائے۔ اِدھر سے اگرچہ چین کی امداد حاصل نہ ہو سکی' لیکن اس کے ساتھ ہی یہاں محمد بن قاسم کو دمشق کے خلیفہ سلیمان کا بلاوا آ گیا۔ اس طرح سے کشمیر پر عربوں کی یلغار کے منڈلاتے ہوئے بادل وقتی طور پر ٹل گئے۔

خلیفہ ہشام اُموی (724ء۔743ء) کے عہد میں سندھ کے عربوں نے گورنر جنید کی سربراہی میں کشمیر پر چڑھائی کی۔ لیکن کشمیر کے راجہ للتادیتہ (724ء۔760ء) نے جنید کو شکست دی بلکہ پنجاب اور سندھ کے کئی حصہ پر اپنی بالادستی قائم کردی۔

جب خلیفہ منصور (754ء۔775ء) کے عہد حکومت میں ہشام بن امرات تغلبی کو سندھ کا گورنر تعینات کیا گیا تو اُس نے بھی وادیٔ کشمیر پر حملہ کیا اور وہ ہمالیہ کی جنوبی ڈھلوانوں تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہوا' لیکن وادی میں داخل ہونے کے سلسلے میں اُسے بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ عربوں کی طرف سے کشمیر کو تسخیر کرنے کی آخری کوشش تھی۔

محمود غزنوی نے بھی جب 1015ء میں کشمیر کو زیر کرنے کا ارادہ کرلیا تو اُس نے شہر جہلم کی طرف کوچ کیا جو دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر لاہور سے کوئی ایک سو میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ محمود غزنوی کشمیر کی وادی میں داخل ہونے کے لیے پَر تولنے لگا' مگر اُس کی پیش قدمی میں' پونچھ کے قریب لوہار کوٹ کے سنگین قلعے کی وجہ سے رکاوٹ پیش آ گئی۔ محمود غزنوی نے یہ قلعہ ایک ماہ تک اپنے قبضے میں رکھا' لیکن اس سے وہ کوئی عسکری فائدہ حاصل نہ کر سکا۔ اسی دوران میں زبردست برف باری اور موسم کی خرابی کی وجہ سے محاصرہ ختم کرنا پڑا۔ واپس لوٹتے وقت غزنوی اپنا ہی راستہ بھول گیا اور اس ناگہانی مصیبت کے جال میں پھنس کر اس کے متعدد فوجی اپنی جان گنوا بیٹھے۔ خود محمود غزنوی بمشکل اپنی جان بچا سکا۔

محمود غزنوی دوسری مرتبہ ستمبر' اکتوبر 1021ء میں غزنہ سے ہو کر کشمیر پر حملہ آور ہوا اور اپنا پرانا راستہ اختیار کر کے پھر قلعہ لوہار کوٹ پہنچا۔ اُسے اس مرتبہ بھی ویسے ہی ناموافق اور جان لیوا صورتِ حال اور موسم کا سامنا کرنا پڑا۔ محمود ناچار واپس بھاگنے پر مجبور ہوا اور ان ناکام کوششوں کے بعد اس نے پھر کبھی کشمیر کو اپنے تسلط میں لانے کی کوشش نہیں کی۔

کشمیر میں اسلام کی سب سے موثر اور منظم تبلیغ چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں شروع ہوئی۔ سب سے کامیاب مبلغ حضرت بلال شاہ یا بلبل شاہ تھے' جن کا اصلی نام شرف الدین تھا۔ بلبل شاہ 1324ء میں رنجن شاہ حاکم کشمیر کے عہد میں کشمیر آئے۔ وہ بدھ مت کا پیرو تھا۔ اُس نے بلبل شاہ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرلیا۔ رنجن شاہ کے قبول اسلام کے ساتھ ہی اُس کے اہل خانہ اور امراء اور وزراء بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں جن لوگوں نے بلبل شاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا' ان کی تعداد دس ہزار تھی۔ حضرت بلبل شاہ کی وفات 1326ء میں ہوئی (یعنی مغل بادشاہ بابر کے ہندوستان میں آنے سے ٹھیک دو سو سال پہلے) آپ کی وفات کے بعد رنجن شاہ نے صدر الدین کا لقب اختیار کیا اور اسلامی طریقوں کے مطابق حکومت کرنے لگا۔ سلطان صدر الدین کی وفات کے بعد سلطان شمس الدین نے 1343ء میں تاج وتخت سنبھالا۔

اسی چودھویں صدی عیسوی کے اواخر میں ایران سے سید علی ہمدانی سات سو سیدوں کے ہمراہ کشمیر میں تبلیغ اسلام کی غرض سے تشریف لائے۔ سید ہمدانی نے ریاست کے چپے چپے کا دورہ کیا اور ریاست کے مختلف مقامات پر تبلیغ کے ساتھ ساتھ مدرسے' شفا خانے اور کارخانے بھی قائم کیے۔ ان کی کوششوں سے 37 ہزار کشمیری دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

سلطان شمس الدین کا خاندان ڈھائی سو سال تک

کشمیر کا پہلا مسلمان بادشاہ

کشمیر کا سب سے پہلے مسلمان حکمران سلطان صدر الدین (1325ء تا 1327ء) تھا جو پہلے تبت کا شہزادہ تھا۔ وہ بدھ مت کا پیروکار تھا۔ اُس کا اصلی نام رنجن شاہ تھا۔ باپ سے ناراض ہو کر کشمیر چلا آیا۔ یہاں اُس نے ہندو دھرم میں شامل ہونے کے لئے برہموں سے درخواست کی' مگر برہموں نے یہ کہہ کر درخواست رد کردی کہ کسی بدھ مذہب والے کو اپنے دھرم میں شامل کرنا پاپ سمجھتے ہیں۔ آخر کار حضرت بلبل شاہ کے ہاتھ پر دین اسلام قبول کر کے اپنا نام صدر الدین رکھا اور شاہ میر کو اپنا وزیر مقرر کیا۔

کشمیر کا پہلا وزیر اعظم

کشمیر کا پہلا وزیر اعظم ریاست سوات کا باشندہ تھا۔ وہ اپنے دادا کی پیش گوئی کے مطابق کشمیر آیا۔ یہاں اُس نے تین حکمرانوں کا طویل زمانہ دیکھا۔ سلطان صدر الدین کا وزیر اعظم بننے کے بعد کشمیر میں اسلام کی اشاعت وتبلیغ کا سہرا سلطان شاہ میر کے سر ہے۔ وہ شاہ میری خاندان کا بانی تھا۔ اس خاندان نے 1342ء تا 1554ء کشمیر پر حکومت کی۔

کشمیر کا پہلا کمانڈر انچیف

کشمیر میں ڈوگرا خاندان کا آخری مہاراجہ ہری سنگھ 1925ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ مغرب کا تعلیم یافتہ تھا اور عوام کو اس سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں کہ وہ اصلاحات نافذ کرے گا' لیکن اس نے بھی اپنے اسلاف کی طرح ہٹ دھرمی' تعصب اور ظلم وتشدد کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی فوج کے تمام بڑے عہدے ڈوگرہ خاندان کے حوالے کئے اور خود کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھال لیا۔

کشمیر میں برسر اقتدار رہا۔ 1423ء میں سلطان اسکندر الدین کی وفات کے بعد سلطان زین العابدین تخت نشین ہوا جسے "کشمیر کا اکبر" کہا جاتا ہے۔ وہ غیر مسلموں کے معاملے میں بہت روادار اور فراخ دل تھا۔ اس نے ہندوؤں کی دلجوئی کے لئے گئوکشی کی ممانعت کر دی۔ جزیہ وصول کرنا ترک کر دیا اور سلطان اسکندر کے نافذ کردہ اسلامی قوانین میں سے اکثر کو منسوخ کر دیا۔ اس کے باوجود اسلام کی تبلیغ کا کام جاری رہا اور سلطان زین العابدین کے اُن اقدامات کا زیادہ اثر نہ پڑ سکا۔ راجپوتوں کے دو بڑے قبیلے جو بارہ مُولا اور کوہالہ کے درمیان دریائے جہلم کے کنارے پر آباد ہیں' اس کے عہد حکومت میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

سلطان زین العابدین کی وفات کے بعد کشمیر ایک بار پھر طوائف الملوکی' انتشار اور بدنظمی کی آماج گاہ بن گیا۔ 1554ء میں چک حکمران برسر اقتدار آئے اور ان کی حکومت 1588ء تک قائم رہی۔ 1586ء میں اکبر نے کشمیر کو فتح کر کے اُسے سلطنت مغلیہ میں شامل کرلیا۔ 1753ء تک کشمیر مغل بادشاہوں کے ماتحت رہا۔ یہ دور کشمیر کی تاریخ میں امن وخوشحالی کے لحاظ سے بہترین دور تھا۔ مغلوں نے کشمیر میں کئی خوبصورت باغ تعمیر کروائے' نشاط' شالیمار' چشمۂ شاہی' نسیم باغ اور جھیل ڈل اُسی دور کی یادگار ہیں۔

برعظیم میں مغلیہ حکومت کے کمزور پڑ جانے کے بعد کشمیر میں بھی اُن کا اقتدار زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ 1750ء میں احمد شاہ ابدالی نے کشمیر فتح کیا اور 1819ء تک کشمیر پر افغانوں کی حکومت رہی۔ 1819ء میں رنجیت سنگھ والیٔ لاہور نے برعظیم کے شمال مغربی علاقوں کو فتح کر کے ایک وسیع تر سکھ ریاست کے قیام کے منصوبے کے تحت کشمیر پر قبضہ کیا۔

سکھوں نے 1819ء تا 1846ء یعنی 27 سال حکومت کی۔ یہ دور کشمیر کی تاریخ میں ظلم وتشدد کا بدترین دور تھا۔ سکھوں کے دورِ حکومت میں کشمیر پر بس گورنر راج کرتے رہے' جنہوں نے کشمیر پر ہر طرح کا ظلم روا رکھا۔ دیوان موتی رام نامی ایک گورنر نے کشمیری مسلمانوں کو جذباتی طور پر پریشان کرنے کی غرض سے سب سے پہلے سری نگر کی جامع مسجد پر تالا چڑھایا۔ مسلمانوں کے لئے وہاں نماز پڑھنے پر پابندی عائد کی گئی۔ موتی رام کو خدشہ یہ تھا کہ مسجد میں نماز کے ساتھ ساتھ سیاسی اجتماعات میں سکھ راج کی مخالفت ہوتی رہے گی' جو بعد میں بغاوت کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ بعد ازاں مسجدوں میں اذان دینے کی بھی سرکاری ہدایت جاری کی گئی۔

ایک اور سکھ گورنر پھولا سنگھ شہر سری نگر میں خانقاہ معلیٰ کے مقابل دریائے جہلم کے دوسرے کنارے پر اپنی توپیں لے کر آیا اور اس نے تکبر اور نخوت کے عالم میں اعلان کیا کہ وہ اس زیارت گاہ کو بارود سے اڑا دے گا' کیونکہ اس کے بقول مسلمانوں کی یہ خانقاہ ایک ہندو مندر کے اوپر تعمیر کی گئی تھی۔ اس نازک صورت حال کو ابتر ہونے سے بچانے کی خاطر شہر کی ایک معزز شخصیت پنڈت بیربل دھر نے مداخلت کی اور اس تاریخی مقام کو مسمار ہونے سے بچالیا۔

پھولا سنگھ نے کئی اور مساجد میں نماز ادا کرنے پر پابندی عائد کردی اور سری نگر کے وسط میں واقع شاہی مسجد یا پتھر مسجد کو سرکاری ملکیت میں لے لیا۔ مسلمانوں کے لئے گائے کے ذبیحہ پر بھی پابندی لگا دی اور اس کے ملزم کے لئے سزائے موت مقرر کی گئی۔ چنانچہ اس سلسلے میں کئی مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے کی پاداش میں سرعام پھانسی پر لٹکایا گیا۔ رنجیت سنگھ کے عہد میں کشمیر کا گورنر شیخ امام الدین تھا۔ کچھ عرصے کے بعد رنجیت سنگھ نے اپنے ایک ملازم گلاب سنگھ کی خدمات سے خوش ہو کر جموں کا صوبہ اس کی تحویل میں دے دیا۔

کشمیر کا رقبہ

ریاست کا رقبہ 84 ہزار 471 مربع میل ہے۔ اس رقبے میں صرف دو میدان ہیں۔ ایک وادیٔ کشمیر جو 84 میل لمبی اور 25 میل چوڑی ہے۔ دوسرا میدانی علاقہ جموں کا ہے جو پاکستان کے میدانوں ہی کا حصہ ہے۔ کوہ ہمالیہ کا بڑا سلسلہ جس کی اونچائی پندرہ ہزار سے چوبیس ہزار فٹ ہے' ریاست کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ عین شمال میں کوہِ قراقرم ہے جو لداخ اور بلتستان کو چین کے صوبے سنکیانگ سے ملاتا ہے۔

(3) معاہدۂ امرتسر (16 مارچ 1846)

❁ گلابو جو بعد میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے نام سے مشہور ہوا' ابتدا میں قلعہ منگلا کے قلعہ دار کے پاس تین روپے ماہوار پر ملازم تھا۔ بعد میں اس نے بھمبر کے جاگیر دار سلطان خان اور پھر آخر میں رنجیت سنگھ کے ہاں سپاہی کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی۔ گلاب سنگھ کے ساتھ اس کے دو بھائی دھیان سنگھ اور سچیت سنگھ بھی رنجیت سنگھ کے ہاں ملازم تھے۔ بعد میں گلاب سنگھ کو جموں' دھیان سنگھ کو پونچھ اور سچیت سنگھ کو رام نگر کی جاگیریں دی گئیں۔

1839ء میں رنجیت سنگھ کی موت پر لاہور دربار رنجیت سنگھ کے وارثوں اور فوجی سربراہوں کے درمیان جنگِ اقتدار کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ اسی اثناء میں سکھوں اور انگریزوں کی کشمکش بھی شروع ہو چکی تھی۔ گلاب سنگھ نے خفیہ طور پر لاہور دربار کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دینا شروع کیا۔ فروری 1846ء میں وہ ننگِ انسانیت معاہدہ طے پایا جو "معاہدۂ امرتسر" کہلاتا ہے۔ سات لاکھ کشمیریوں کو سات روپے فی کشمیری کے عوض فروخت کر دینے والے اسی معاہدے کی بناء پر آج بھارتی حکومت کشمیر پر اپنی حاکمیت کا دعویٰ کرتی ہے۔ "معاہدۂ امرتسر" کے مکمل متن کا ترجمہ یہ ہے:

دفعہ 1: حکومتِ برطانیہ تمام پہاڑی علاقہ مع دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب کا درمیانی علاقہ مع چمبہ' اور بغیر لاہور کے جو 9 مارچ 1846ء کے "معاہدۂ لاہور" کی دفعہ 6 کے تحت ریاست لاہور کو دے دیا گیا ہے' مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کی اولادِ نرینہ کے آزاد قبضے میں تبدیل کرتی ہے۔

دفعہ 2: خطۂ زمین کی مشرقی سرحد' جو کہ مندرجہ بالا دفعہ کے تحت مہاراجہ گلاب سنگھ کے نام منتقل ہوگئی ہے' اس مقصد کے لئے حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی طرف سے مقرر کردہ کمشنر طے کریں گے۔ اور سروے کے بعد ایک الگ انتظام کے تحت اس کا تعین کیا جائے گا۔

دفعہ 3: مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے وارثوں کے نام مندرجہ بالا دفعات کی رُو سے جو انتقال کیا گیا ہے' اس کے معاوضے میں مہاراجہ گلاب سنگھ حکومت برطانیہ کو 75 لاکھ روپے (نانک شاہی) ادا کرے گا۔ 50 لاکھ روپیہ اس معاہدے کے شروع ہوتے وقت اور 25 لاکھ روپیہ یکم اکتوبر 1846ء کو یا اس سے قبل ادا کر دیں گے۔

دفعہ 4: مہاراجہ گلاب سنگھ کے ان علاقوں کی سرحدیں کسی بھی وقت حکومت برطانیہ کی مرضی کے بغیر تبدیل نہ ہو سکیں گی۔

دفعہ 5: اگر مہاراجہ گلاب سنگھ اور ریاست لاہور یا کسی اور پڑوسی ریاست کے درمیان کوئی متنازعہ مسئلہ کھڑا ہو تو اسے طے کرنے کے لئے انہیں حکومتِ برطانیہ کو ثالث مقرر کرنا ہوگا اور حکومتِ برطانیہ کا فیصلہ ان کے لئے قابل قبول ہوگا۔

دفعہ 6: مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے ورثاء اپنی تمام قوت کے ساتھ برطانوی سپاہیوں کے ساتھ شامل ہو

جائیں گے، جب وہ پہاڑوں پر یا ان کے مقبوضہ علاقوں کے پڑوس میں مصروف ہوں گے۔

دفعہ 7: برطانوی حکومت مہاراجہ گلاب سنگھ کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانے میں اس کی مدد کرے گی۔

دفعہ 8: مہاراجہ گلاب سنگھ برطانوی حکومت کی اطاعت قبول کرتے ہیں اور اس اطاعت کی نشانی کے طور پر برطانوی حکومت کو ہر سال ایک گھوڑا، 12 بکریاں اعلیٰ نسل کی (چھ بکریاں اور چھ بکرے) اور تین جوڑے کشمیری شالوں کے پیش کریں گے۔

یہ معاہدہ آج کے روز فریڈرک کیوری اور میجر ہنری منٹگمری لارنس کے ذریعے رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگز گورنر جنرل کے حکم سے برطانوی حکومت اور بہ نفس نفیس مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان طے ہوا اور آج کے روز رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگز جی سی بی گورنر جنرل کی مہر ثبت ہو کر منظور ہوا (امرتسر میں آج ماہ مارچ کے سولہویں دن 1846ء عیسوی بمطابق ربیع الاول کے 17 ویں دن 1262 ہجری کو لکھا گیا)

دفعہ 9: مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے ورثاء کے نام مندرجہ بالا دفعات کی رو سے انتقالِ ریاست کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ حکومتِ برطانیہ کو 75 لاکھ روپیہ نانک شاہی، جن میں سے 50 لاکھ روپیہ اس معاہدے کے شروع ہوتے وقت اور 25 لاکھ یکم اکتوبر 1846ء کو یا اس سے قبل ادا کر دیں گے۔

اس معاہدے کے مطابق یہ بھی طے پایا کہ وہ ہر سال ایک تنومند اسپ تازی، چھ پشم دار بکرے اور چھ بکریاں اور تین جوڑے کشمیری جامہ دار شالوں کا تحفہ خراج کے طور پر انگریز حاکموں کو ادا کرتا رہے گا۔

اس غیر اخلاقی بیع نامے کے شرمناک پہلوؤں پر ابوالاثر حفیظ جالندھری نے طنزیہ کہا تھا:

وادیاں کہسار جنگل پھول پھول اور سب اناج
ڈھور ڈنگر آدمی' ان سب کی محنت کام کاج
یہ مویشی ہوں کہ آدم زاد' ہیں سب زر خرید
ان کے بچے بچیاں' اولاد ہیں سب زرخرید

اس معاہدے کو گاندھی جی نے ''بکری پٹہ'' کہا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اسے ریاستی عوام کی غلامی کی دستاویز کہا۔ کشمیر کی تحریکِ آزادی کے ایک سرکردہ سپاہی سردار بدھ سنگھ نے اس معاہدے کو دو ڈاکوؤں کے درمیان خرید وفروخت کا نام دیا۔ مولانا محمد سعید مسعودی نے اسے ''نیلامی کے مال کا سند نامہ'' کہا اور مولانا غلام رسول مہر نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ''1846ء میں انگریزوں نے کشمیر کو گلاب سنگھ ڈوگرا کے ہاتھ اس بے رحمی سے فروخت کیا کہ امریکی آبادکاری کے ابتدائی دور میں حبشی غلام بھی شاید اس طرح نہ بکے ہوں۔''

گلاب سنگھ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ کشمیر کا گورنر امام دین تھا۔ گلاب سنگھ نے انگریزوں کی بروقت امداد سے امام دین کو شکست دی اور ریاست پر قبضہ کر لیا۔ چند دن کے بعد رانی پور اور راجوری کی جاگیروں میں بھی اس کے خلاف بغاوت رونما ہوئی، جسے انگریز فوجوں کی مدد سے دبا دیا گیا۔ 19 نومبر 1846ء کو مہاراجہ گلاب سنگھ پوری ریاست جموں وکشمیر کا مالک ومختار بن کر انگریزی فوج کے ہمراہ سری نگر میں داخل ہوا اور اس طرح ریاست میں ڈوگرا حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی برعظیم پاک وہند کی تاریخ میں ظلم وتشدد کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

آبادی کا تناسب

15 جنوری 1948ء کو سلامتی کونسل میں خود بھارتی نمائندے نے آبادی کا جو مذہبی تناسب پیش کیا' اُس کی رُو سے وادی کشمیر کی آبادی 90 فی صد سے زیادہ مسلمان ہے۔ گلگت اور شمالی علاقہ جات کی پوری آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ جموں میں اگرچہ ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے' لیکن اگر پوری ریاست کو دیکھا جائے تو مسلمان تقریباً 78 فیصد اکثریت کے حامل ہیں۔ آزادی سے پہلے سارے ہندوستان میں سب سے زیادہ مسلم آبادی جس خطے میں تھی وہ کشمیر ہی تھا۔ مدراس میں 5 فی صد' بمبئی میں 6 فی صد' یوپی میں 14 فی صد' پنجاب میں 56 فی صد' سندھ میں 80 فی صد اور کشمیر میں 95 فیصد۔

(4) ڈوگرہ راج (1846ء-1947)

گلاب سنگھ ڈوگرا اور اس کے خاندان کے عہد میں کشمیری مسلمانوں کو جس ظلم وتشدد کا سامنا کرنا پڑا' حالیہ صدیوں کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ خود گلاب سنگھ کا اپنا نظام حکمرانی بدترین قسم کی مطلق العنانی کا مظہر تھا۔ وہ مذہباً کٹر ہندو تھا۔ اس نے پوری پوری کوشش کی کہ اس کی مسلمان رعایا ہندو مذہب اختیار کرے۔ ریاست کے تمام چھوٹے بڑے عہدے ڈوگرا خاندان یا کشمیری پنڈتوں کے پاس تھے۔ مسلمانوں سے قلیوں اور مزدوروں کا کام لیا جاتا تھا۔ مسلمان کاشت کار ہندو جاگیرداروں کے لئے دن رات محنت کرتے اور سارے سال کی محنت کا حاصل یہ نکلتا کہ پیداوار کا کثیر حصہ تو جاگیردار لے جاتا اور جو باقی بچتا' وہ حکومت بطور مالیہ وصول کر لیتی۔ مسلمانوں کی ہر چیز پر ٹیکس عائد تھا۔ غریب مسلمان اپنے مکانوں میں کھڑکیاں نہیں لگا سکتے تھے' کیونکہ اس پر انہیں ''کھڑکی ٹیکس'' ادا کرنا پڑتا تھا۔ گھر میں استعمال ہونے والے ہر چولہے پر ٹیکس تھا جو موسم سرما میں کشمیر کی سخت سردی میں ظاہر ہے کہ ہر شخص کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ بیوی پر' گھریلو مویشیوں پر' ہر پیشے پر اور حتیٰ کہ چمنی لگنے پر بھی ٹیکس تھا' اور یہ سب اس صورت میں تھا کہ جب کشمیری مزدوری کی اوسط یومیہ آمدنی آٹھ آنے تھی۔

ٹیکس کی وصولی پر سپاہیوں کو مامور کیا جاتا تھا جو لاٹھیوں اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ٹیکس وصول کرنے نکلتے تھے۔ چونکہ حکومت کی طرف سے خود ان کو بھی کئی ماہ تک کی تنخواہیں نہیں ملتی تھیں' اس لئے وہ سرکاری ٹیکس وصول کرنے کے ساتھ ساتھ خود اپنی تنخواہیں بھی غریب عوام سے وصول کرتے تھے۔ مسلمان زمینداروں کی ایک بہت بڑی اکثریت کے' زمین پر مالکانہ حقوق منسوخ کر دیئے گئے تھے اور ان کی زمینیں ڈوگرا خاندان کے افراد یا کشمیری پنڈتوں کے حوالے کر دی گئی تھیں۔

ڈوگرا راج کے ساتھ سب سے زیادہ غیر انسانی اور ظالمانہ بات جو منسوب ہے' وہ بیگار یا جبری محنت ہے۔ اس ضمن میں سب سے شرمناک بات یہ ہے کہ بیگاری کو قانونی تحفظ حاصل تھا اور قانون کے تحت ریاست کے حکام کسی بھی شخص کو بیگار میں پکڑ کر لے جا سکتے تھے۔ غریب مسلمانوں کو ان کے گھروں سے کھینچ کھینچ کر اور گھسیٹ گھسیٹ کر نکالا جاتا اور ڈوگرہ سپاہی انہیں ایک لمبی مدت کے لئے اپنے گھربار اور بیوی بچوں سے جدا کر کے کسی نامعلوم مقام پر لے جاتے' جہاں ان سے بوجھ اٹھانے یا اسی طرح کا کوئی اور کام لیا جاتا۔

بیگار کا طریقہ یہ تھا کہ ایک عام مسلمان کو کسی اجرت کے بغیر پہاڑی دروں اور دشوار گزار راستوں سے بوجھ اٹھا کر سینکڑوں میل پیدل چلنا پڑتا تھا۔ سرکاری اہلکار اس کی ننگی پیٹھ پر کوڑے برسایا کرتے تھے۔ اس طرح سے ان مظلوموں کے زندہ واپس لوٹنے کی امید بہت کم باقی رہ جاتی تھی۔ گلاب سنگھ کے حکم کے تحت مسلمانوں کے پاس کسی قسم کا ہتھیار موجود ہونا تو درکنار' ان سے معمولی قسم کے چاقو اور

گھریلو استعمال کی چھریاں تک چھین لی گئیں۔

گلاب سنگھ اپنے جلادوں کو حکم دیتا تھا کہ شمع آزادی کے پروانوں کی زندہ کھال اتاری جائے اور کھال سر سے پاؤں کی طرف نہیں' بلکہ پاؤں سے سر کی طرف اتاری جائے' کیونکہ سر سے پاؤں کی طرف کھال اتارنے سے فوری موت واقع ہو جاتی ہے اور اس سے اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی' لیکن اگر کھال پاؤں سے سر کی طرف اتاری جائے تو مقتول ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔ یہ کارروائی اتنی بھیانک تھی کہ جلاد بھی اس کی تعمیل میں ہچکچاتے تھے' لیکن گلاب سنگھ کھال اتارنے کے احکام ذاتی طور پر جاری کرتا تھا۔ کارروائی مکمل ہونے کے بعد اس کا حکم تھا کہ کھال میں گھاس پھونس بھر کر کسی درخت کی اونچی شاخ پر اس کی نمائش کی جائے' تاکہ دوسروں کو سبق ملے۔

پونچھ پر قبضہ کرنے کے بعد گلاب سنگھ نے وہاں کے عوام کا قتل عام کروایا۔ ان کے رہنماؤں سردار سبز علی خان اور ملی خان کی زندہ کھالیں اتروائیں۔ سردار شمس خان کا سر قلم کرایا اور ہزاروں خواتین اور بچوں کو اغوا کر کے جموں پہنچایا۔

گلاب سنگھ کے بعد اس کا بیٹا رنبیر سنگھ گدی پر بیٹھا۔ یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ ظالم اور متعصب تھا' اس نے 28 سال تک حکومت کی اور ہندو مذہب کے فروغ اور سنسکرت زبان وادب کی ترویج کے لئے کوششیں کیں۔ رنبیر سنگھ کی موت 12 ستمبر 1885ء کو واقع ہوئی۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ پرتاپ سنگھ' رام سنگھ اور امر سنگھ۔ پرتاپ سنگھ نے چالیس سال تک حکومت کی۔ اس کی حکومت بھی اس کے باپ دادا کی قائم کردہ روایات کے عین مطابق تھی۔ اس کے عہد میں گائے کے ذبیحہ پر مسلمانوں کو عمر قید کی سزا دی جاتی تھی۔

مسلمان ایک عرصے تک ڈوگرا راج کے تحت ظلم وتشدد برداشت کرتے رہے' لیکن ظاہر ہے کہ ظلم وتشدد کا یہ وحشیانہ کھیل زیادہ دیر تک نہیں کھیلا جا سکتا تھا۔ آزادی اور حریت مسلمان کے ایمان وفطرت میں داخل ہے۔ ظلم سے نجات کی آرزو اور آزادی کی تڑپ نے جنگ عظیم اول کے بعد سے ریاست جموں وکشمیر کے مختلف علاقوں میں مظلوم و مقہور مسلمانوں کو ڈوگرا راج سے ٹکر لینے پر مجبور اور آزادی کی جدوجہد کے لئے تیار کر دیا۔

(5) جدوجہد آزادی کا آغاز (1924)

برعظیم پاک وہند میں سیاسی بیداری کی جو لہر بیسویں صدی کے اوائل میں اٹھی' اس کے اثرات ہندوستانی ریاستوں کے عوام پر بھی پڑے۔ ریاست جموں وکشمیر تعلیم' رسل ورسائل اور نقل وحمل کے ذرائع کے اعتبار سے پسماندہ ریاستوں میں سے تھی۔ ریاست کے عوام کی اکثریت چونکہ مسلمان تھی' اس لئے ہندو راجہ ہری سنگھ کو اپنے عوام کی تعلیمی' سیاسی اور اقتصادی ترقی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کشمیری مسلمان زیادہ عرصے تک ہندوستانی سیاست کے اثرات سے الگ تھلگ نہ رہ سکتے تھے۔ اب تک کشمیری مسلمان مہاراجہ کی حکومت سے اپنی ناراضگی کے اظہار کے لئے سول نافرمانی کے انداز کی تحریکیں چلانے کے عادی تھے۔ ریاست میں ظلم وتشدد کے مقابلے کے لئے وہ ایک ہی طریقہ جانتے تھے' اور وہ طریقہ تھا مسلح بغاوت کا۔ برٹش انڈیا کی تحریک آزادی کی پیروی میں اب کشمیری مسلمانوں نے بھی عسکری بغاوت کی بجائے آئینی اور دستوری جدوجہد کا آغاز کیا۔

اس سلسلے میں پہلا اقدام 1924ء میں وائسرائے لارڈ ریڈنگ سے ملاقات تھی۔ 1924ء میں لارڈ ریڈنگ کشمیر کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ کشمیری مسلمانوں کے ایک وفد نے وائسرائے کی خدمت میں ایک طویل تحریری یادداشت پیش کی' جس میں ظلم وتشدد کے خلاف احتجاج تھا۔ وائسرائے کے جانے کے بعد یادداشت کے پر دستخط کرنے والوں میں سے اکثر کو تشدد کے ذریعے دبا دیا گیا۔ بعض کی جائیدادیں ضبط کر کے انہیں جیلوں میں ڈال دیا گیا اور بعض کو ریاست بدر کر دیا گیا۔ اس طرح کشمیری مسلمانوں کی پہلی پرامن کوشش کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد کئے بغیر ختم ہو گئی۔

اس سے کچھ عرصہ قبل چند تعلیم یافتہ مسلمانوں نے مل کر جن میں چودھری غلام عباس پیش پیش تھے' ''ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن'' قائم کر رکھی تھی۔ ایسوسی ایشن کے اغراض ومقاصد میں کشمیری مسلمانوں کے تعلیمی' سماجی اور سیاسی حقوق کا تحفظ اور ان کی قومی ومذہبی شیرازہ بندی شامل تھی۔ ایسوسی ایشن کا پہلا سالانہ اجلاس 1924ء میں ہوا' جس کے بعد اس کی شہرت جموں سے باہر بھی پہنچی' اور مجاہدین کے علاقے پونچھ میں بھی اس کی شاخ قائم ہو گئی۔ میرپور' گلگت اور لداخ کے علاقوں میں بھی اصلاحی وتحریکی کوشش شروع ہو گئیں۔

جموں کے بعد سری نگر میں سیاسی کام کی ابتدا کرنے والے وہ مسلمان نوجوان تھے جو ابھی حال ہی میں ہندوستانی یونیورسٹیوں' خصوصاً مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم سے فارغ ہو کر ریاست میں پہنچتے تھے۔ ہندوستان میں کچھ عرصے کے قیام میں انہیں سیاسی جدوجہد کے طریق کار سے روشناس کرا دیا تھا اور وہ کشمیر میں بھی سیاسی تحریک کی ابتدا کے لئے بے چین تھے۔ ریاست میں چونکہ برٹش انڈیا کی طرح سیاسی جماعتیں اور سیاسی آزادی موجود نہ تھیں' اس لئے انہیں سیاسی کام کی ابتدا کے لئے بظاہر ایک بے ضرر سی ''فتح کدل ریڈنگ روم'' کا سہارا لینا پڑا۔

فتح کدل ریڈنگ روم کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ محمد رجب بٹ نے مولوی بشیر احمد نامی ایک شخص سے مل کر سری نگر کے وسط میں ایک چھوٹا سا کمرہ کرائے پر لیا۔ یہ آپس میں مل بیٹھنے کا ایک بہانہ تھا۔ کچھ اخبارات بھی یہاں منگوائے جانے لگے۔ چند دن کے بعد یہ کمرہ چھوڑ کر محلہ سید علی اکبر میں ایک شکستہ مکان کرائے پر لے لیا' جس کے ایک حصے میں ڈاک خانے کا ایک ملازم رہائش پذیر تھا۔ یہاں جب بھی نوجوان جمع ہوتے' ملکی حالات پر تبصرہ کرتے اور گھنٹوں ڈوگرہ خاندان کی ظلم وستم کی کہانیاں سنتے سناتے۔ اس دوران میں انہوں نے محسوس کیا کہ ریڈنگ روم کے ساتھ ساتھ ایک خفیہ تنظیم کی بھی شدید قومی ضرورت ہے۔ خفیہ تنظیم کی ضرورت کے پیش نظر نوجوانوں نے مفتی جلال الدین کے گھر کے پاس اپنا مرکز قائم کیا اور خفیہ انقلابی تحریک کے تمام خطوط ان ہی کی مشاورت سے مرتب ہونے شروع ہوئے۔ رفتہ رفتہ اور بھی بہت سے باشعور نوجوان اس جماعت میں شامل ہوتے گئے۔ خواجہ غلام نبی گلکار' مفتی جلال الدین' پیرزادہ احمد شاہ فاضلی' پیرزادہ غلام رسول' حکیم علی اور حکیم غلام مرتضیٰ وغیرہ ''ریڈنگ روم پارٹی'' کے خصوصی ابتدائی رکن تھے۔ یہ خفیہ تنظیم کا بول چال کا نام تھا۔ ریڈنگ روم ایک لحاظ سے نوجوان مسلم کشمیریوں کے لئے سیاسی تربیت کا مرکز بن گیا۔ ان نوجوانوں کو باقاعدہ سیاسی تنظیم میں منظم کرنے کا کام شیخ عبداللہ نے کیا۔ ''فتح کدل ریڈنگ روم پارٹی'' ''سری نگر اور ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن'' (جموں) دونوں جماعتیں اپنے اپنے علاقوں میں کچھ عرصے تک الگ الگ کام کرتی رہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کی سرگرمیوں کی خبر نہ تھی۔

دونوں جماعتیں 1930ء کے لگ بھگ ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے واقف ہوئیں۔ شیخ محمد عبداللہ

جموں آئے تو چودھری غلام عباس سے ملاقات کے دوران سری نگر میں ''ایسوسی ایشن'' کی شاخ قائم کرنے کی درخواست کی۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور شیخ عبداللہ نے سری نگر پہنچتے ہی ایسوسی ایشن کی شاخ قائم کر کے زور شور سے کام کرنا شروع کر دیا۔ شیخ عبداللہ سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے چکے تھے اور سیاسی کام کرنے کے لئے قطعی آزاد تھے۔ خوش قسمتی سے شیخ عبداللہ کو سری نگر میں میر واعظوں کے گھرانوں کی حمایت بھی حاصل ہو گئی۔ وادیٔ کشمیر کے مسلمانوں پر اس دینی گھرانے کا بہت زیادہ اثر تھا اور چودھری غلام عباس کے بقول: ''میر واعظ مولانا محمد یوسف کے اثر و رسوخ کے بغیر کسی تحریک کا کشمیر میں پروان چڑھنا تو درکنار، ابتدائی منزلیں طے کرنا بھی مشکل تھا''۔

سری نگر میں ایسوسی ایشن کا ابتدائی کام ہو ہی رہا تھا کہ جموں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ایسوسی ایشن کی خاموش، پرسکون، پرامن اور محتاط سرگرمیوں کو ایک ریاست گیر تحریک آزادی کی شکل دے دی۔

(6) تاریخ ساز بیداری (13 جولائی 1931)

❁ جدوجہد آزادی میں نئی بیداری اور نئی حرکت کا آغاز جموں شہر سے ہوا۔ **1931**ء کی عید الفطر کا موقع تھا اور امام خطبۂ عید میں فرعون و موسیٰ کی کشمکش کا حال بیان کر رہے تھے۔ فرعون و موسیٰ کا واقعہ ایسا ہے کہ وقت کے ہر فرعون کے لئے اس کا روئے سخن اپنی طرف قرار دینا فطری بات ہے۔ امام صاحب نے اپنے خطبے میں فرعون کی ظالمانہ بادشاہت کا ذکر کیا ہی تھا کہ ایک سب انسپکٹر پولیس نے ''بغاوت'' کا الزام لگا کر خطبہ بند کرنے کا حکم دے دیا۔

جموں کے مسلمانوں نے سب انسپکٹر کے اس حکم کے خلاف مقامی عدالت میں ''توہین رسالت'' کا مقدمہ دائر کر دیا۔ مجسٹریٹ ہندو تھا۔ اس نے فیصلہ دیا کہ خطبہ نماز عید کا جز نہیں ہے (بلکہ درحقیقت عربی زبان میں ڈوگرہ حکومت کے خلاف سیاسی تقریر ہے)

ہندو مجسٹریٹ کے اس غیر منصفانہ فیصلے کے خلاف مسلمانوں کے جذبات اور بھی مشتعل ہو گئے۔ حکومت کو احساس ہو چکا تھا کہ سب انسپکٹر کی اس غلطی کے کس قدر شدید نقصانات اسے بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ مجسٹریٹ کے اس فیصلے کے خلاف خود حکومت کی طرف سے ہائیکورٹ میں نگرانی کی درخواست دائر کی گئی اور ہائیکورٹ سے یہ فیصلہ حاصل کیا گیا کہ خطبہ نماز عید کا جز ہوتا ہے۔ اس فیصلے کے بعد سب انسپکٹر کو معطل کر دیا گیا۔ یہ جموں کے مسلمانوں کی پہلی سیاسی فتح تھی جو حکومت کے خلاف آواز بلند کر کے حاصل کی گئی تھی۔

ابھی بندش خطبہ کے واقعہ کی یاد مسلمانوں کے دلوں سے محو نہ ہوئی تھی کہ جموں سنٹرل جیل میں ایک ڈوگرہ سپاہی لبھو رام نے قرآن پاک کی بے حرمتی کر دی۔ اس حرکت سے مسلمانوں کے جذبات اور بھی مشتعل ہو گئے۔ جموں سے نکل کر یہ خبر ریاست کے جس جس علاقے میں پہنچی، وہاں گویا آگ کی طرح پھیل گئی۔ ساری ریاست سراپا احتجاج بن گئی۔ ''ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن'' نے اس عرصے میں مسلمانوں کو منظم کرنے میں اور حکومت کے خلاف مظاہروں، جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ایسوسی ایشن کی طرف سے پوسٹر اور اشتہارات شائع کر کے سری نگر اور ریاست کے دوسرے علاقوں اور شہروں میں بھیجے گئے۔

جب بات بہت آگے بڑھ گئی اور حکومت نے دیکھا کہ پوری ریاست میں بغاوت کی بکھری ہوئی چنگاریاں شعلۂ جوالہ میں تبدیلی ہونے ہی والی ہیں تو مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے مشیر خاص مسٹر ویکفیلڈ کو سری نگر سے جموں بھیجا، تاکہ وہ ایسوسی ایشن کے رہنماؤں سے ملاقات کر کے صورت حال کو مزید بگڑنے سے بچائے۔ مسٹر ویکفیلڈ کی تحریک پر جموں سے چودھری غلام عباس کی سرکردگی میں چار نمائندے جولائی **1931**ء کے آغاز میں سری نگر پہنچے۔ وفد ابھی مہاراجہ سے ملاقات کے لئے میمورنڈم کی تیاری میں مصروف تھا کہ **13** جولائی کو وہ تاریخ ساز واقعہ رونما ہوا جس نے تحریک آزادی کو ایک نئی حرکت اور نئی بیداری بخشی۔

جموں میں خطبۂ عید کی بندش اور توہین رسالت کے واقعات کے بعد سری نگر بھی جلسوں اور جلوسوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ **25** جون کو جمعہ کے روز خانقاہ معلی میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام ہوا، جس میں شیخ عبداللہ، میر واعظ یوسف اور دوسرے مقامی لیڈروں نے تقریریں کیں۔ جلسہ برخاست ہونے ہی والا تھا کہ سٹیج پر صوبہ سرحد کا ایک نوجوان عبدالقدیر رونما ہوا۔ عبدالقدیر کسی طرح ایک انگریز سیاح کے ساتھ ریاست میں آیا ہوا تھا اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ ساتھ سیاسی شعور بھی رکھتا تھا۔ پٹھان نوجوان نے سٹیج پر آتے ہی مہاراجہ اور اس کی حکومت کے خلاف ایک نہایت سخت، اشتعال انگیز تقریر کی اور مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ ظالم ڈوگرہ حکمران کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں۔ جلسے کے فوراً بعد عبدالقدیر کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ ایک ماہ تک اسے جیل میں رکھا گیا۔ **13** جولائی **1931**ء کو سنٹرل جیل میں اس کے مقدمے کی سماعت کا پہلا دن تھا۔ اس سے ایک دن قبل جموں سے ایسوسی ایشن کے نمائندوں کا وفد سری نگر پہنچ چکا تھا اور مہاراجہ سے ملنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

سماعت بند کمرے میں ہو رہی تھی۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ مقدمے کی سماعت کھلے عام کی جائے، تاکہ مسلمان عوام اپنے ہیرو کو دیکھ سکیں۔ مجسٹریٹ نے پولیس کے کہنے پر اس مطالبے کو مسترد کر دیا اور مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ انتہائی ذلت آمیز سلوک کیا۔ مسلمانوں کے جذبات مشتعل تو پہلے ہی تھے، اس واقعے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور لوگ پولیس کا پہرہ توڑ کر کمرۂ عدالت کی طرف بڑھنے لگے۔ پولیس نے فوراً ہی ہجوم پر گولی چلا دی۔ **22** آدمی موقع ہی پر شہید ہو گئے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ یہ خبر جب شہر میں پہنچی تو شہر کے تمام مسلمان احتجاج کرنے کے لئے اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ شہر کو فوج کے سپرد کر کے مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور شہر میں نقل و حرکت پر پابندی لگا دی گئی۔ سارا دن اندھا دھند فائرنگ ہوتی رہی، اور بے کس اور نہتے مسلمانوں کے خون سے سری نگر کی سرزمین لالہ زار ہوتی رہی۔ ڈوگرہ فوجیوں نے لوگوں کو ان کے گھروں کے اندر سے نکال کر ان کو اذیت ناک سزائیں دیں۔ ان کے مال و اسباب لوٹے اور نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کی۔

رات کو چودھری غلام عباس، سردار گوہر الرحمان، مستری یعقوب علی، شیخ محمد عبداللہ، مولوی عبدالرحیم اور غلام نبی گل کار کو گرفتار کر کے قلعہ ہری پربت میں بند کر دیا گیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ویکفیلڈ پر بغاوت کو ہوا دینے کا الزام لگا کر اسے وزارت سے برطرف کر دیا اور راجہ ہری کشن کول کو ان کی جگہ مسندِ وزارت پر بٹھایا گیا۔ راجہ کول کی سفارش پر چودھری غلام عباس، شیخ محمد عبداللہ اور دیگر رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا۔

رہائی کے فوراً بعد ان رہنماؤں نے راجہ ہری کشن کول سے ملاقات کی۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد ایک سمجھوتے پر دونوں فریق متفق ہو گئے۔ طے پایا کہ حسب سابق ایک میمورنڈم تیار کر کے مسلمان رہنما راجہ سے ملاقات کریں۔

❁ ❁

(7) آل انڈیا کشمیر کمیٹی (1931ء۔1935ء)

ریاست جموں وکشمیر میں 13 جولائی 1931ء کے واقعے کے بعد مہاراجہ کی حکومت نے مسلمانوں پر ظلم وتشدد کے ایک نئے دور کا آغاز کیا اور جموں اور سری نگر میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ مہاراجہ کی انتقامی کارروائیوں کے باوجود ریاست کے مسلمانوں میں تحریک آزادی نے تیزی سے پھیلنا شروع کر دیا اور جلد ہی کم وبیش ریاست کے ہر علاقے میں حکومت کے خلاف مظاہرے ہونے لگے۔ حکومت نے جب دیکھا کہ حالات اس کے قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں تو اس نے برطانوی فوج کی مدد طلب کی۔

(1) کشمیر میں 1931ء کی تحریک آزادی کی حمایت کے لئے شمالی ہند کے مسلمانوں نے دو مختلف تحریکوں کا آغاز کیا۔ ایک تحریک ''مجلس احرار'' کے اہتمام اور سرکردگی میں شروع کی گئی۔ ابتدا میں مجلس احرار نے مولانا مظہر علی اظہر کی رہنمائی میں وزیر اعظم کشمیر کے پاس وفد بھیجا' لیکن گفت وشنید بے نتیجہ رہی اور کشمیر کی حکومت نے مجلس احرار کی طرف سے پیش کئے جانے والے کشمیری مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پر امن گفت وشنید کی ناکامی کے بعد احرار نے ایک عظیم الشان تحریک ''کشمیر چلو'' کا آغاز کیا اور حکومت کے امتناعی احکام کے باوجود ہزاروں کی تعداد میں رضا کاروں کو ریاست کی طرف روانہ کیا۔ جو رضا کار ریاست میں داخل ہوتے تھے' انہیں گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا جاتا تھا۔ جب مہاراجہ کی حکومت نے دیکھا کہ صورتِ حال اس کے قابو سے نکلتی جا رہی ہے تو اس نے حکومت پنجاب سے درخواست کی کہ احراری رضا کاروں کو ریاست کی حدود میں داخل ہونے سے قبل ہی گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ حکومت پنجاب نے احراری جتھوں کو اپنی سرحد ہی پر روکنا شروع کر دیا۔

(2) کشمیری مسلمانوں کی تائید وحمایت کے لئے شمالی ہند کے مسلمانوں کی دوسری تحریک کی نوعیت دستوری اور آئینی تھی اور یہ ''آل انڈیا کشمیر کمیٹی'' کے نام سے منسوب تھی۔ کشمیر کمیٹی کا قیام 25 جولائی 1931ء کو شملہ میں وجود میں آیا۔ اس کے پہلے صدر قادیانی جماعت کے امیر مرزا بشیر الدین محمود تھے۔ مرزا صاحب کے علاوہ اس کمیٹی میں قادیانیوں کے اور بھی کئی افراد شامل تھے۔ علامہ اقبال بھی ابتدا سے آخر تک اس کمیٹی میں شریک رہے اور بعد میں اس کے صدر بھی بنے۔ کمیٹی نے اپنے قیام کے وقت جو مقاصد اپنے سامنے رکھے تھے' ان میں آئینی ذرائع سے کشمیری مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دلانا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے مظلوم کشمیری مسلمانوں کی قانونی امداد کرنا بھی شامل تھا۔

کشمیر کمیٹی کی سرگرمیاں 1935ء تک جاری رہیں۔ اس دوران میں برطانوی حکومت کے اہتمام میں کشمیری مسلمانوں کے معاملات کا جائزہ لینے کے لئے ''گلینسی کمیشن'' بھی قائم کیا گیا۔

اس کے ساتھ ہی 1935ء میں روس کے چینی ترکستان کے شہر سنکیانگ پر قبضے کے فوراً بعد حکومتِ ہند نے گلگت اور اس سے ملحقہ علاقے مہاراجہ کشمیر سے ساٹھ سال کے ٹھیکے پر براہِ راست اپنے کنٹرول میں لے لئے۔ دریں اثنا مسلمانانِ ہند کو معلوم ہو گیا کہ کشمیر کمیٹی کی وساطت سے قادیانی جماعت کشمیر کی صرف سیاست میں سرگرم حصہ نہیں لے رہی' بلکہ در پردہ قادیانیت کی تبلیغ کرتے ہیں تو کشمیر کمیٹی کے خلاف عامۃ المسلمین کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا تو دوسرے قادیانی حضرات نے بھی عملاً کمیٹی کا بائیکاٹ کر دیا۔ حتیٰ کہ جو قادیانی وکلاء ریاست میں مسلمانوں کے مقدمات لڑ رہے تھے' وہ مقدمات کو ادھورا چھوڑ کر واپس آ گئے۔ جب کشمیر کمیٹی کے کاموں میں تعطل پیدا ہو گیا تو علامہ اقبال بھی قادیانیوں کے رویئے سے بددل ہو کر صدارت سے مستعفی ہو گئے۔

باہر سے آنے والے

بخارا سے آنے والے بخاری' گیلان سے آنے والے گیلانی' اندراب سے آنے والے اندرابی' مشہد سے آنے والے مشہدی' کرمان سے آنے والے کرمانی' طوس سے آنے والے طوسی اور بدخشاں سے آنے والے بدخشانی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان دیہاتی جب شہر سری نگری میں آ کر رہنے لگے تو وہ بھی اپنے گاؤں یا قصبے کی نسبت سے 'پانپوری' 'کاکاپوری' جانواری' مرازی' کنج وال پٹن' کمان اور حاجن وغیرہ مشہور ہو گئے۔ بلکہ اسی پر بس نہیں' جو لوگ کشمیر کے باہر سے آئے' وہ پار مو کہلائے۔ اور بعض ممبئی' پوربی' لاہوری' کرنالی' قندھاری' خیبری اور خشکی وغیرہ ناموں سے پکارے گئے۔

(8) واقعات کا بہاؤ (1932ء۔1946ء)

آزادی کے لئے کشمیریوں کی جدوجہد سے ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ کشمیری مسلمانوں کے مسائل' مسلمانانِ ہند کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ آ گئے۔ شمالی ہند کے مسلمانوں نے کشمیری مسلمانوں کی تائید وحمایت میں عظیم الشان تحریکیں چلائیں اور انگریزی حکومت بھی اس امر پر مجبور ہو گئی کہ وہ مہاراجہ کے مظالم کی تحقیقات کرائے۔

حکومتِ برطانیہ نے ریاست کے داخلی معاملات کی تحقیقات کے لئے ''گلینسی کمیشن'' مقرر کیا۔ کمیشن کو خاص طور پر اس کام پر مامور کیا گیا تھا کہ وہ ریاست کے مسلمانوں سے مل کر ان کی حقیقی تکالیف معلوم کرے اور پھر ان کا ازالہ کرنے کے لئے لائحہ عمل تجویز کرے۔ کمیشن نے اپنی تحقیقات کے نتیجے میں مہاراجہ سے درخواست کی کہ وہ ریاست میں نظام اراضی سے متعلق کچھ اصلاحات نافذ کرے اور ایک قانون ساز اسمبلی قائم کی جائے۔

گلینسی کمیشن کی رپورٹ کی اشاعت کے فوراً ہی بعد مسلمان رہنماؤں کو احساس ہوا کہ کشمیر کے مسلمانوں کے حقوق و مفادات کی حفاظت کے لئے' اور تحریک آزادی کو مستحکم بنیادوں پر منظم کرنے کے لئے باقاعدہ ایک سیاسی تنظیم بنانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ چودھری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ نے مل کر ''آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس'' کی بنیاد رکھی۔ مسلم کانفرنس کا افتتاحی اجلاس 15' 16' 17 اکتوبر 1932ء کو سری نگر میں منعقد ہوا۔ مسلم کانفرنس 1938ء تک برابر کام کرتی رہی اور اس

عرصے میں اس کے چھ سالانہ اجلاس منعقد ہوئے' لیکن 1939ء میں شیخ عبداللہ نے آل انڈیا نیشنل کانگرس کے ایماء پر ایک ایسا قدم اٹھایا' جس نے مسلم کانفرس کو دو حصوں میں تقسیم کر کے مسلمانان جموں وکشمیر میں اختلافات کی ایک وسیع خلیج حائل کر دی۔ انہوں نے مسلم کانفرنس سے الگ ہوکر ''نیشنل کانفرنس'' قائم کی۔

شیخ عبداللہ فکری اور نظریاتی طور پر کانگرس کے خیالات ونظریات سے بہت پہلے سے متاثر تھے' لیکن اس سے قبل ایسے سازگار حالات میسر نہ تھے' جن میں وہ کشمیر میں کانگرس کی فکر و رائج کر سکیں' اور یہاں کے مسلمانوں کو بھی یہ دعوت دے سکیں کہ وہ الگ تنظیم قائم کرنے کی بجائے سیکولر بنیادوں پر ایک قوم پرست تنظیم قائم کریں' جس میں ہندو' سکھ اور مسلمان سبھی شامل ہوں۔ مسلم کانفرنس کے وہ رہنما جو شیخ عبداللہ کے اس فیصلے سے متفق نہ تھے' مثلاً چودھری غلام عباس اور سردار گوہر الرحمٰن وغیرہ' الگ جمع ہوئے اور انہوں نے مسلم کانفرس کی از سر نو تنظیم کا فیصلہ کیا۔ شیخ عبداللہ کی نیشنل کانفرنس اپنی پالیسی میں نیشنل کانگرس کی شاخ تھی۔ مسلم کانفرنس نے اپنا سیاسی مستقبل ''آل انڈیا مسلم لیگ'' سے وابستہ کر لیا۔ مسلمانانِ کشمیر مجموعی طور پر نیشنل کانگریس اور اس کے لیڈروں کے بارے میں اچھی رائے نہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگرس کا ساتھ دینے کی بناء پر شیخ عبداللہ کا اثر ورسوخ عوام میں بتدریج کم ہوتا گیا۔

شیخ عبداللہ نے اپنے گرتے ہوئے وقار کو سہارا دینے کے لئے 1946ء میں ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک کا آغاز کیا۔ یہ تحریک کانگرس کی تحریک ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی طرز پر شروع کی گئی تھی اور اس کا مدعا یہ تھا کہ مہاراجہ کو ریاست پر حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے' لہٰذا اسے اقتدار عوام کو منتقل کر کے ریاست سے چلا جانا چاہئے۔ شیخ صاحب کی یہ تحریک کچھ زیادہ مقبول نہ ہو سکی۔ چنانچہ جب بغاوت کا مقدمہ دائر کر کے انہیں جیل بھیج دیا گیا تو یہ تحریک بھی ختم ہو گئی۔

1946ء میں ''مسلم کانفرنس'' نے ایک قرارداد کے ذریعے مسلمانانِ جموں وکشمیر سے کہا کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ''ڈائریکٹ ایکشن'' (راست اقدام) کے لئے تیار ہو جائیں۔ راست اقدام کی تفصیلات طے کرنے کے لئے اکتوبر 1946ء میں مسلم کانفرنس کا جو سالانہ اجلاس منعقد ہونے والا تھا' مہاراجہ نے اس پر پابندی لگا دی اور مسلم کانفرنس کے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔

دریں اثنا اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے۔ ان انتخابات کے نتائج سے صاف معلوم ہوگیا کہ نیشنل کانفرنس مسلمانوں میں اپنا اعتماد کھو چکی ہے۔ مسلمانوں کی 21 نشستوں میں سے مسلم کانفرنس نے 15 نشستیں حاصل کر لیں۔ باقی ماندہ 6 نشستوں کے لئے مسلم کانفرنس کے امیدواروں کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کئے جانے کی بناء پر انتخابات ہی منعقد نہ ہو سکے۔ ان نتائج سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسلم کانفرنس ہی مسلمانانِ کشمیر و جموں کی واحد نمائندہ جماعت ہے' اور نیشنل کانفرنس کی حیثیت ریاست میں کم وبیش وہی ہیں جو ہندوستان میں نیشنل کانگرس کی تھی۔ (یعنی مسلمانانِ کشمیر کے نقطۂ نظر سے)

Property Wanted

One Kanal house required for residence purposes in New Muslim Town, Garden Town, Faisal Town or nearby. Preferably double storey. Only serious sellers contact:0333-4295231

- **Protection Relays**
  - Over Current + Earth Fault Protection
  - Generator Protection
  - Motor Protection
  - Distance Protection
  - Transformer Protection
  - Trip Circuit Supervision
  - Bus Bar Protection
  - Feeder Manager Relays
- **Auto Synchronizers**
- **Load Sharers**
- **Soft Starters**
- **Psychrometric Test Rooms**
- **Air Handling Units**
- **Engineering Support**

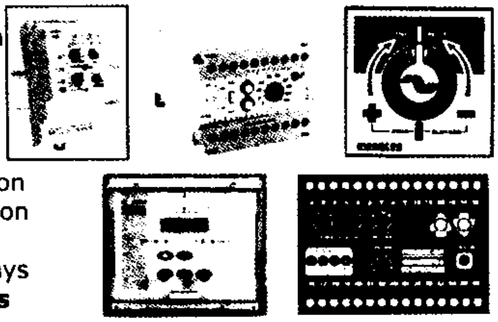

We require Electronics Engineers, Electrical Engineers and Software Engineers.
English writing skills are important.
Email your C.V to
zebtr@lhr.comsats.net.pk (or)
Fax to 042-7234770

REYROLLE CTS megacon ELKO EDS GOSSEN METRAWATT CAMILLE BAUER GMC-Instruments

Zeb Traders 23, Nisbet Road, Lahore, 54000. Fax: 42-7234770
Email: zebtr@lhr.comsats.net.pk Phone: 42 - 7221383, 7355375

CHiNT

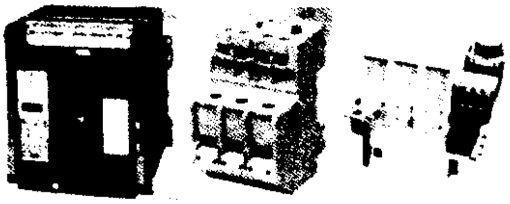

Low Voltage Products:
MCB, MCCB, ACB, Contactors, Electronic Overload Relays with Phase failure, Motor Starter, A/C Contactor, Electronic Timing Relays, Disconnectors.

Approvals: **KEMA, UL, VDE, CEBEC, CE, FI, PCT, CCC**

Zeb Traders 23, Nisbet Road, Lahore, 54000. Fax: 42-7234770
Email: zebtr@lhr.comsats.net.pk Phone: 42 - 7221383, 7355375

(9) قرارداد ''الحاق پاکستان'' (19 جولائی 1949)

حکومتِ برطانیہ نے 1947ء میں جب ہندوستان کو آزادی دینے کا فیصلہ کیا تو 3 جون کے پلان کے تحت ریاستوں کے بارے میں طے کیا گیا کہ ریاستوں کے حکمران بھارت یا پاکستان' جس ملک کے ساتھ چاہیں' الحاق کر سکتے ہیں' لیکن اس اجازت کے ساتھ کہ حکمران اپنی اپنی ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرتے وقت اپنے عوام کی خواہشات اور ریاست کی جغرافیائی پوزیشن کو بھی مدنظر رکھیں گے۔

ریاست جموں وکشمیر میں اکثریت مسلمانوں کی تھی اور وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں تھے۔ نیز ریاست کا جغرافیائی اور مواصلاتی تعلق پاکستان سے تھا اور بھارت سے یہ تعلق تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔ 19 جولائی 1947ء کو (قیام پاکستان سے ایک ماہ قبل) کشمیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ''مسلم کانفرنس'' نے ایک قرارداد کے ذریعے پاکستان کے ساتھ الحاق کا رسمی طور پر اعلان بھی کر دیا۔ اس قرارداد میں کہا گیا تھا:

''آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس کے کنونشن کا یہ اجلاس قائداعظم اور آل انڈیا مسلم لیگ کی کامیابی پر اطمینان کا اظہار کرتا ہے اور انہیں مبارکباد پیش کرتا ہے۔'' ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے عوام کو یہ امید تھی کہ وہ برٹش انڈیا کے عوام کے شانہ بشانہ حصولِ آزادی کی منزل کی طرف گامزن ہوں گے۔ ہندوستان کی تقسیم عمل میں آ جانے کے بعد برٹش انڈیا کے عوام آزادی حاصل کر چکے ہیں' لیکن 3 جون 1947ء کے اعلان نے ہندوستانی مہاراجوں کے ہاتھ مضبوط کر دیے ہیں اور جب تک مہاراجے وقت کی آواز پر لبیک نہ کہیں گے' ہندوستانی ریاستوں کے عوام کا مستقبل تاریک رہے گا۔ اس وقت جموں وکشمیر کے عوام کے لئے صرف تین راستے کھلے ہیں:

1۔ وہ بھارت کے ساتھ الحاق کر لیں۔
2۔ پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیں۔
3۔ آزاد اور خودمختار رہیں۔

مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جغرافیائی حالات' مجموعی آبادی کی 80 فی صد مسلم اکثریت' پنجاب کے اہم دریاؤں کی ریاست میں سے گزرگاہیں' لسانی' ثقافتی' نسلی اور معاشی تعلقات اور ریاست کی سرحدوں کا پاکستان کی سرحدوں سے اتصال واشتراک' یہ سب حقائق اس امر کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کرے۔''

اس قرارداد میں اس امر کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ مہاراجہ ریاست کی آزادی کا اعلان کرے۔ دستور ساز اسمبلی قائم کر کے خود آئینی سربراہ کی حیثیت سے قبول کرے' اور دفاع' مواصلات اور امورِ خارجہ کے محکمے پاکستان کے سپرد کر دے۔ قرارداد میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی تھی کہ: ''اگر مہاراجہ نے اس کے علاوہ کوئی اور قدم اٹھایا تو جموں وکشمیر کے مسلمان ہر طرح سے اس کی مخالفت کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔''

---

19 جولائی 1947ء کو ریاست جموں وکشمیر کے موسم گرما کے دارالحکومت سری نگر میں آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کا ایک تاریخی اجلاس سردار محمد ابراہیم خان کی رہائش گاہ پر ہوا۔ اس اجلاس میں ریاست جموں وکشمیر کے کونے کونے سے آئے ہوئے 59 مندوبین نے شرکت کی۔ اتفاق رائے سے یہ قرارداد منظور ہوئی کہ ریاست جموں وکشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ اس انتہائی اہم اجلاس کے شرکاء کے متعلق کچھ ابہام تھا جس کو دور کرنے کے لئے 1986ء کی آزاد کشمیر حکومت نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا مقصد یہ تھا کہ مکمل تحقیقات کرنے کے بعد مصدقہ طور پر اجلاس میں شریک ہونے والے ناموں کا اعلان کیا جائے گا' بہتر ہوگا کہ اس وقت کی آزاد کشمیر حکومت کی جانب سے بنائی گئی کمیٹی کے اراکین کے ناموں کی تفصیل سمیت اجلاس میں شریک تمام شخصیات کے ناموں کا ذکر بھی یہاں کر دیا جائے۔ ان ناموں کی فہرست ہفت روزہ ''کشمیر'' مورخہ 11 تا 15 جولائی 1986ء کے مطابق اس طرح ہے۔ تحقیقاتی کمیٹی کے اراکین حسب ذیل ہیں:

1۔ چوہدری عبدالعزیز (وزیر قانون و پارلیمانی امور) چیئرمین 2۔ جسٹس چوہدری رحیم داد خان (سابق چیف جسٹس آزاد کشمیر) 3۔ راجہ عبدالحمید خان (سابق وزیر آزاد کشمیر) 4۔ خواجہ محمد علی کنول (ممبر آزاد کشمیر کونسل) 5۔ سید ممتاز گیلانی (ممبر اسمبلی) 6۔ سردار غلام مصطفیٰ خان (ممبر اسمبلی) 7۔ سردار مختار خان (ایڈووکیٹ) 8۔ سید حسن شاہ گردیزی 9۔ مرزا فقیر محمد خان راجوروی 10۔ سید عنایت اللہ شاہ راجوروی 11۔ خواجہ عبدالصمد وانی (ایڈیٹر کشمیر) 12۔ عبدالرشید ملک (سیکرٹری اطلاعات)۔

اس کمیٹی نے مکمل چھان بین کے بعد درج ذیل 59 شخصیات کے ناموں کا اعلان کیا تھا جنہوں نے جنرل کونسل کے اجلاس میں شرکت کی اور قرارداد الحاق پاکستان کو باتفاق رائے منظور کیا۔

1۔ چودھری حمید اللہ خان ایم ایل اے (مرحوم)
2۔ چودھری عبد اللہ خان بھلی ایم ایل اے (مرحوم)
3۔ ڈاکٹر غلام احمد جراح گرین روڈ سیالکوٹ 4۔ پروفیسر محمد اسحاق قریشی A-46 شادمان لاہور 5۔ غلام محمد ملک بھدرواہ ایم ایل اے (مرحوم) 6۔ مرزا فقیر محمد راجوروی مشین محلہ نمبر 1 جہلم 7۔ کرنل علی احمد شاہ میرپور آزاد کشمیر 8۔ غازی الٰہی بخش (مرحوم) 9۔ ڈاکٹر یعقوب ظفر میرپور آزاد کشمیر 10۔ چوہدری نور حسین ڈی اے وی کالج روڈ راولپنڈی 11۔ راجہ افراسیاب کھوئی رٹہ کوٹلی 13۔ چوہدری رحیم داد سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آزاد کشمیر چوک منگی کوٹلی 14۔ مولوی عبدالعزیز راجوروی (مرحوم) 15۔ عنایت اللہ کسکملہ ایم ایل اے بارہ مولا (مرحوم) 16۔ خواجہ محمد یوسف صراف ایڈووکیٹ ہائیکورٹ صدر راولپنڈی 17۔ خواجہ غلام الدین دانی ایڈووکیٹ پونچھ ہاؤس صدر راولپنڈی 18۔ خواجہ غلام احمد جیولر ایم ایل اے سری نگر (مرحوم) 19۔ خواجہ غلام نبی گلکار ایم ایل اے 20۔ سردار محمد ابراہیم خان سابق صدر آزاد کشمیر 21۔ سید حسن شاہ گردیزی 22۔ خواجہ غلام محی الدین سوپور 23۔ سردار محمد لطیف خان ٹھیکیدار راولا کوٹ 24۔ سردار یار محمد خان ایم ایل اے (مرحوم) 25۔ سید نذر حسین شاہ (مرحوم) 26۔ محمد یعقوب ہاشمی راولپنڈی 27۔ خواجہ غلام محی الدین 3۔ پشاور روڈ'

البیرونی نے کہا

''کشمیری اپنے ملک کے قدرتی دفاع کے بارے میں خاص طور پر فکرمند رہتے ہیں اور اسی لئے ملک میں آنے والی تمام سڑکوں اور دروں پر اپنی مضبوط گرفت رکھنے کا ہمیشہ اہتمام کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کشمیریوں سے تجارت کرنا مشکل ہے۔ گزشتہ زمانے میں وہ ایک یا دو بدیسیوں' بالخصوص یہودیوں کو ملک میں آنے کی اجازت دیتے تھے' مگر اب کسی ہندو تک کو' جب تک ذاتی طور پر اُس سے واقف نہ ہوں' آنے نہیں دیتے دوسروں لوگوں کا تو ذکر ہی کیا۔

راولپنڈی 28- خواجہ غلام احمد ترابی مظفر آباد 29- حاجی محمد (مرحوم) پونچھ 30- منشی احمد دین باہنالی مقبوضہ کشمیر سری نگر 31- سید سردار شاہ مظفر آباد 32- خواجہ عبدالرحمٰن شاریان (مرحوم) 33- غلام رسول پزلت (مرحوم) 34- راجہ عبدالحمید مظفر آباد 35- پیر ضیاء الدین اندرابی (مرحوم) 36- خواجہ محمد عبداللہ سپرنٹنڈنٹ ڈی سی آفس مظفر آباد 37- مسٹر بشیر احمد قریشی مظفر آباد 38- مرزا عطاء اللہ راجوروی (مرحوم) 39- خواجہ محمد صادق بٹ (مرحوم) پشاور 40- مولوی نور الدین شاہ سری نگر اسلام آباد 41- خواجہ محمد سرور شاہ بارہ مولا 42- چوہدری محمد رفیق میر پور 43- عبدالغفار گوجری مقبوضہ کشمیر 44- عبدالرحمٰن قریشی ایبٹ آباد 45- حاجی جلال الدین مقبوضہ کشمیر 46- عبدالغنی منتو ایم ایل اے 47- مسٹر محمد یوسف شاہ ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بینک کراچی 48- مفتی ضیاء الدین بخاری کوہ مری 49- غلام حسن مخدومی تیج پہاڑہ 50- محمد علی کنول مظفر آباد 51- خواجہ ثناء اللہ شمیم ایڈووکیٹ راولپنڈی 52- خواجہ احمد اللہ رضا (مرحوم) سری نگر 54- غلام رسول گھڑی ساز (مرحوم) بارہ مولا 55- جی ایم وانی (مرحوم) سرینگر 56- خواجہ غلام نبی زرگر بارہ مولا 57- چودھری غلام مصطفیٰ طور ایم ایل اے جموں/سیالکوٹ 58- مولوی محمد عبداللہ شوپیاں ایم ایل اے 59- مرزا محمد حسین ایم ایل اے ریاسی۔

معاہدۂ قائمہ (15 اگست 1947ء)

14/ اگست 1947ء کو جب برعظیم پاک و ہند برطانوی سامراج سے آزاد ہوا تو ریاست جموں و کشمیر کے ہر حصے میں مسلمانوں نے قیام پاکستان کا جشن منایا۔ گھر گھر پاکستان کا پرچم لہرایا گیا اور اسے سلامی دی گئی۔ ریاست کے تمام بڑے شہروں میں پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کے حق میں جلسے منعقد ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ اس وقت چودھری غلام عباس جیل میں تھے۔ شیخ محمد عبداللہ بھی اب تک ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک کے سلسلے میں جیل میں تھے۔ شاید اسی وجہ سے تقسیم ہند کے وقت نیشنل کانفرنس کا موقف غیر واضح رہا۔

ادھر کشمیر کے مسلمان پاکستان سے الحاق کے حق میں پوری ریاست میں مظاہرے کر رہے تھے' ادھر مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ نیشنل کانفرنس کے ساتھ مل کر ایک اور ہی خفیہ منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سازش میں مصروف تھا۔ آزادی کے موقع پر 12 اگست 1947ء کو ریاست جموں و کشمیر کے وزیر اعظم کا ایک ٹیلی گرام حکومت پاکستان کے محکمہ ریاستی تعلقات کو موصول ہوا' جس کا مضمون یہ تھا: ''حکومت جموں و کشمیر اُن تمام امور کے بارے میں پاکستان سے معاہدہ کرنے کا خیر مقدم کرے گی جو اس وقت رخصت ہونے والی برٹش انڈیا کی گورنمنٹ سے قائم ہیں۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ موجودہ تعلقات و انتظامات اس وقت تک برقرار رکھے جائیں جب تک تفصیلات طے نہ ہو جائیں اور نئے معاہدات پر عمل درآمد شروع نہ ہو۔''

ایسا ہی معاہدۂ قائمہ (Standstill Agreement) کرنے کی دعوت بھارت کو بھی دی گئی۔ پاکستان نے یہ دعوت 15 اگست کو اس مضمون کا تار بھیج کر منظور کر لی: ''بحوالہ آپ کا تار مورخہ 12 اگست' حکومت پاکستان جموں و کشمیر سے معاہدۂ قائمہ کرنے پر اپنے اتفاق کا اظہار کرتی ہے' تاکہ موجودہ انتظامات کو اس وقت تک برقرار رکھا جا سکے جب تک تفصیلات طے نہ ہو جائیں' اور نئے معاہدات پر عملدرآمد شروع نہ ہو۔''

معاہدۂ قائمہ کے تحت کشمیر کے ذرائع رسل و رسائل' ڈاک و تار پاکستان کے حوالے کر دیئے گئے اور یوں کشمیر کے ڈاک خانوں پر پاکستان کا پرچم لہرانے لگا۔ پاکستان نے عارضی معاہدۂ قائمہ کے بعد مہاراجہ سے مکمل الحاق کے لئے کہا' لیکن مہاراجہ نے جو اپنے ''طویل المیعاد'' منصوبے کے لئے ''سازگار'' حالات کا انتظار کر رہا تھا' یوں ظاہر کیا' جیسے وہ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہے۔ پاکستان کی نیت صاف تھی' اس لئے اس نے مہاراجہ کی معاہدۂ قائمہ کی دعوت فوراً منظور کر لی تھی' لیکن بھارت نے اس کا جواب ہی نہیں دیا۔ دراصل تقسیم ہند سے کئی سال قبل نیشنل کانگریس کی طرف سے' اور تقسیم سے کئی ماہ قبل مہاراجہ کی طرف سے بھارت کے ساتھ الحاق کی کوششیں شروع ہو چکی تھیں' مہاراجہ نے حصول آزادی کے بعد دو ڈھائی ماہ تک چپ سادھے رکھی اور آخر کار 27 اکتوبر 1947ء کو بھارت کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔

(10) تنازعہ الحاق بھارت (27 اکتوبر 1947ء)

گھناؤنی سیاسی سازش اور عیاری کا مظاہرہ یوں ہوا کہ مہاراجہ جموں وکشمیر نے 26 اکتوبر 1947ء کو ایک مکتوب ماؤنٹ بیٹن' گورنر جنرل ہندوستان کے نام لکھا' جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

''مائی ڈیر ماؤنٹ بیٹن!

میں جناب والا کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میری ریاست میں شدید ہنگامی کیفیت پیدا ہو گئی ہے جس کی بناء پر آپ سے فوری مدد کی درخواست کرتا ہوں۔

''جناب والا اس امر سے آگاہ ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر نے ہندوستان یا پاکستان کسی ایک سے بھی الحاق نہیں کیا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے میری ریاست دونوں ہی ملکوں سے ملحق ہے اور دونوں ہی کے ساتھ اس کے اہم اقتصادی اور ثقافتی رشتے ہیں۔ علاوہ ازیں میری ریاست کی سرحدیں روس اور چین سے بھی ملتی ہیں' اور ہندوستان اور پاکستان دونوں ملک اپنے خارجہ تعلقات میں اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔

''مجھے یہ فیصلہ کرنے کے لئے وقت درکار تھا کہ میں کس مملکت کے ساتھ الحاق کروں یا کیا یہ صورت دونوں ملکوں ہی کے مفاد میں بہتر نہ ہو گی کہ میں آزاد ہوں اور دونوں سے دوستانہ تعلقات رکھوں۔ چنانچہ میں نے پاکستان اور ہندوستان کی مملکتوں سے معاہدات قائمہ کی درخواست کی۔ حکومت پاکستان نے اس معاہدے کو تسلیم کر لیا۔ لیکن حکومتِ ہند نے میری حکومت کے نمائندے سے مزید بات چیت کرنے کی خواہش کی۔ بہرحال اس معاہدے کی رو سے حکومتِ پاکستان ریاست کی اندرونی ڈاک وتار کا انتظام کر رہی ہے۔ اگرچہ ہم پاکستان کے ساتھ معاہدۂ قائمہ کر چکے ہیں' اس کے باوجود اس حکومت نے اشیائے خورد و نوش' نمک اور پٹرول کی سپلائی بند کر دی ہے۔

''آفریدی قبائل سادہ لباس میں ملبوس' سپاہیوں اور جدید اسلحے سے لیس لوگوں کو ریاست میں داخل کر دیا گیا ہے۔ یہ لوگ پہلے پونچھ سے داخل ہوئے۔ پھر سیالکوٹ کی طرف سے اور آخر میں ضلع ہزارہ سے ملحق علاقے رام کوٹ کی جانب سے' گروہ در گروہ پہنچتے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس محدود تعداد میں ریاستی فوج کو مختلف جگہوں پر تقسیم کرنا پڑا اور انہیں ایک ہی وقت میں کئی مقامات پر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اب جان و مال کی تباہی اور لوٹ مار سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مہورا کا بجلی گھر جو تمام سری نگر کو بجلی سپلائی کرتا ہے' جلا دیا گیا ہے۔ اغوا شدہ اور عصمت دریدہ عورتوں کی تعداد مجھے خون کے آنسو رلا رہی ہے۔ وحشی قوتیں جو ریاست میں در آئی ہیں' موسم گرما میں دارالحکومت سری نگر کی جانب سے تیزی سے اس مقصد کی خاطر بڑھ رہی ہے کہ پوری ریاست پر قبضہ کیا جا سکے۔

''شمال مغربی سرحدی صوبے کے دور دراز علاقوں سے بڑی تعداد میں باقاعدگی کے ساتھ مانسہرہ اور مظفرآباد کی سڑک سے ٹرکوں میں بیٹھ کر قبائلیوں کا ریاست میں داخل ہونا اور جدید اسلحے سے پوری طرح لیس ہو کر آنا' یقیناً شمال مغربی سرحدی صوبے کے حکام اور حکومت پاکستان کے علم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ میری حکومت کی طرف سے بار بار درخواستوں کے باوجود ان حملہ آوروں کو روکنے یا ریاست میں داخل ہونے سے منع کرنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ بلکہ ریڈیو پاکستان اور پاکستانی پریس ان واقعات کی تشہیر بھی کر رہے ہیں۔ ریڈیو پاکستان نے تو ایک کہانی یہ بھی گھڑی ہے کہ کشمیر میں ایک عبوری حکومت قائم کر دی گئی ہے' لیکن میری ریاست کے عوام نے' خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان' اس میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

''چنانچہ میری ریاست میں پیدا ہونے والی موجودہ صورتِ حال اور شدید ہنگامی حالات کے پیش نظر' میرے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ میں مملکت ہندوستان سے امداد طلب کروں۔ قدرتی طور پر مجھے یہ مدد اس وقت تک نہیں مل سکتی' جب تک میری ریاست ہندوستان سے الحاق نہیں کر لیتی۔ چنانچہ میں نے الحاق کا فیصلہ کر لیا ہے اس خط کے ہمراہ الحاق کے کاغذات آپ کی حکومت کی منظوری کے لئے ارسال کر رہا ہوں۔ میرے لئے دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں ریاست کو حملہ آوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔ ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر کوئی مہذب حکومت قائم یا برقرار نہیں رہ سکتی۔ یہ راستہ میں اس وقت تک اختیار کرنا پسند نہیں کروں گا' جب تک اس ریاست کا حکمران ہوں اور اپنے ملک کو بچانے کے لئے زندہ ہوں۔

میں جناب والا کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا ارادہ ہے کہ فوری طور پر عبوری حکومت قائم کروں اور شیخ عبداللہ سے کہوں وہ میرے وزیراعظم سے مل کر اس ہنگامی حالت میں ذمہ داری سنبھال لیں۔ اگر آپ میری ریاست کو بچانا چاہتے ہیں تو سری نگر کو فوری مدد کی ضرورت ہے۔ مسٹر مینن تمام صورت حال سے آگاہ ہیں اور اگر مزید کسی استفسار کی ضرورت ہو تو وہ آپ کو بتا دیں گے۔ یہ تحریر بہت جلدی میں لکھی گئی ہے۔

بہ صد احترام
آپ کا مخلص
ہری سنگھ

اگلے روز انتہائی عجلت میں گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس مکتوب کا جواب لکھا۔ دونوں مکاتیب پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دونوں مکتوب ایک ہی دن' ایک ہی وقت ایک ہی شخص کے لکھے ہوئے ہیں۔ بعض مورخین نے وی پی مینن پر شبہ ظاہر کیا ہے' جو اس وقت گورنر جنرل کے سیکرٹریٹ میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور نیشنل کانگریس کا حامی بلکہ مخبر تھا۔ گورنر جنرل کے جواب میں لکھا:

''مسٹر وی پی مینن نے آپ کا خط مورخہ 26 اکتوبر مجھے دیا۔ ان خصوصی حالات میں جو آپ نے بیان فرمائے ہیں' میری حکومت نے آپ کی ریاست کا الحاق ہندوستان سے منظور کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہماری اس پالیسی کے پیش نظر کہ جس ریاست کا الحاق متنازعہ ہے' اس کے الحاق کا فیصلہ وہاں کے عوام کی خواہشات کے مطابق ہونا چاہئے۔ میری حکومت یہ چاہتی ہے کہ ریاست جموں وکشمیر میں نظم و نسق کی بحالی اور ریاست کو حملہ آوروں سے پاک کرنے کے بعد الحاق کا مسئلہ عوام کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ اس اثناء میں آپ کی اس اپیل پر کہ آپ کو فوجی امداد دی جائے' ہندوستانی فوج کے دستے آپ کی فوج کی مدد کے لئے روانہ کئے جا رہے ہیں' تاکہ آپ کے علاقے اور آپ کے عوام کی جان و مال اور عزت و ناموس کی حفاظت کی جا سکے۔ میں اور میری حکومت اس بات پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ نے شیخ عبداللہ سے عارضی حکومت قائم کرنے اور آپ کے وزیراعظم کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے کہا ہے۔

بہترین خواہش کے ساتھ
میں ہوں آپ کا مخلص: ماؤنٹ بیٹن آف برما
نئی دہلی' 27 اکتوبر 1947ء

ان دونوں خطوط سے صاف ظاہر ہے کہ آل انڈیا نیشنل کانگرس کشمیر کے بارے میں ایک متعین' واضح اور طے شدہ اسکیم کے تحت دوغلی پالیسی پر عمل کر رہی تھی۔ ایک

کشمیر کے درخشندہ ستارے

کشمیریوں نے کشمیر سے باہر نکل کر ہر شعبۂ حیات میں اپنے وطن کا نام روشن کیا۔ سرسید احمد خان' آل انڈیا مسلم لیگ کے بانی سر سلیم اللہ خان آف ڈھاکا' علامہ محمد اقبال' پنڈت موتی لال نہرو' قدرت اللہ شہاب اور سعادت حسن منٹو یہ سب عظیم لوگ کشمیر ہی کے درخشندہ ستارے ہیں۔

طرف تو مہاراجہ کی حکومت کو مضبوط و مستحکم کرنے کی کوشش کر رہی تھی' تاکہ تقسیم کے بعد یہ ہندو مہاراجہ کی ریاست بھارت کے ساتھ بہ آسانی الحاق کر سکے اور دوسری طرف نیشنل کانگریس اور شیخ محمد عبداللہ کی شکل میں عوامی قیادت کے کچھ افراد کو اپنے ساتھ ملائے ہوئے تھی' تاکہ بوقتِ ضرورت ان سے بھی کام لیا جا سکے۔

نیشنل کانگرس کی منصوبہ بندی الحاقِ کشمیر کے سلسلے میں مکمل بھی تھی اور ہمہ گیر بھی۔ اس نے نیشنل کانفرنس اور شیخ عبداللہ کے ذریعے عوامی قیادت کو بھی استعمال کیا اور مہاراجہ کشمیر کو بھی۔ ادھر برعظیم میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت سے بھی فائدہ اٹھایا گیا اور مشرقی پنجاب کے مہاراجوں سے بھی۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا رول

غلام ہندوستان کے آخری وائسرائے اور آزاد ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے برعظیم پاک و ہند کی تقسیم کے وقت مسلمانانِ ہند کے مفادات کو جس قدر نقصان پہنچانے کی دیدہ دانستہ کوشش کی ہیں' وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ پنجاب' بنگال اور دیگر علاقوں کی سرحد بندی' مالیات' نیز دیگر اثاثہ جات میں' برطانیہ کے شاہی خاندان کے اس فرد نے جس بددیانتی کا مظاہرہ کیا' اس کا اعتراف وہ خود بھی اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے کر چکا ہے اور متعدد غیر ملکی مصنفین نے بھی کیا ہے۔ یہاں صرف کشمیر کے بارے میں اس کے بھارت نواز رویئے کی وضاحت مقصود ہے۔ وی پی مینن نے اپنی کتاب ''ہندوستانی ریاستوں کے الحاق کی داستان'' میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اس گفتگو کے دو ایک روز کے بعد میں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کی اور سردار پٹیل سے جو پلان طے کیا تھا' اس کے بارے میں مفصل بات چیت کی۔ میں نے کہا: ''جب تک آپ کی مدد شاملِ حال نہ ہو' دفاع' امورِ خارجہ اور رسل و رسائل میں ریاستیں انڈین یونین سے الحاق نہیں کریں گی' اور یہ آپ کے تدبر کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا کہ آپ ریاستوں کو اس پر آمادہ کریں۔'' میں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے یہ بھی کہا کہ تقسیم کا زخم آسانی سے مندمل ہو سکتا ہے' بشرطیکہ ریاستیں حکومتِ ہند کے پرچم تلے آ جائیں' تو آپ کے اس عظیم کارنامے کو آنے والی نسلیں تحسین و سپاس کے جذبات میں یاد کریں گی۔ میرے ان الفاظ سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے' کیونکہ ملک کو بنیادی اتحاد اسی طرح مل سکتا تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ ''وہ خود بھی یہی سوچ رہے ہیں۔''

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ وعدہ پوری وفاداری کے ساتھ یوں نبھایا کہ **28** جولائی **1947**ء کو اس نے **70** والیان ریاست اور **100** کے قریب نمائندگان ریاست کے اعزاز میں ایک شاندار استقبالیہ دیا' جس کے بارے میں مینن صاحب اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس استقبالیہ کی مثال ایسی تھی جیسے انتخابات کے زمانے میں پولنگ بوتھ پر جب ووٹر اپنی پرچی ڈالنے آتا ہے تو چلتے چلتے بھی اس سے ووٹ کے لئے اپیل کی جاتی ہے کہ شاید ادھر کی بجائے ادھر آ جائے۔''

یوں تو نیشنل کانگرس اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو اس امر کا پورا اطمینان تھا کہ تقسیم کے بعد مہاراجہ کشمیر بھارت کے ساتھ ہی الحاق کرے گا' لیکن **1947**ء کے وسط میں ریاست کے سیاسی حالات جس تبدیلی کا پتا دے رہے تھے' وہ کانگرس اور ماؤنٹ بیٹن دونوں کے لئے پریشانی کا باعث تھی۔ کانگرس کو ڈر تھا کہ ریاست مسلمانوں میں سیاسی بیداری کی یہ عظیم لہر کہیں مہاراجہ کو اس کے ارادوں میں متزلزل نہ کر دے۔ چنانچہ مہاراجہ ہری سنگھ پر مزید دباؤ ڈالنے کے لئے **19** جون **1947**ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو سری نگر بھیجا گیا' جہاں انہوں نے چار دن قیام کیا۔

ماؤنٹ بیٹن' نیشنل کانگرس اور مہاراجہ ہری سنگھ کی

FA Arts Group
FA Gen. Science
I.Com Banking Comp
ICS Math + Stat Computer Science
ICS Math + Physics Computer Science
BA Economics + Math & Other Combination

داخلے جاری ہیں

زیر اہتمام
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس
لاہور بورڈ سے الحاق شدہ (Affiliated)
نگران و سرپرست ڈاکٹر اسرار احمد

□ معیاری نصابی تعلیم
□ پرسکون باوقار علمی ماحول
□ دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام

موقع پر تشریف لا کر کالج کی عمارت، لائبریری، کمپیوٹر لیب، کالج ہاسٹل اور شاندار ''قرآن آڈیٹوریم'' کا معائنہ بھی کیجئے۔ کالج کا تعارفی بروشر مفت اور پراسپکٹس -/30 روپے میں حاصل کیجئے

بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کی جانب سے گیارہویں جماعت (فرسٹ ایئر) برائے تعلیمی سال 2004ء۔2006ء کا داخلہ شیڈول جاری ہو گیا ہے۔ جس کی تفصیلات یہ ہیں:
(1) عام داخلہ بغیر لیٹ فیس (10 جولائی تا 26 جولائی 2004ء)
(2) لیٹ فیس' 20 روپے کے ساتھ داخلہ (27 جولائی تا 10 اگست 2004ء)
(3) لیٹ فیس' 300 روپے کے ساتھ داخلہ (11 اگست تا 11 ستمبر 2004ء)
(4) 10 جولائی تا 10 اگست' داخل کئے گئے طلباء/ طالبات کی رجسٹریشن ریٹرن فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ مورخہ 9 اکتوبر 2004ء ہے۔
(5) 11 اگست تا 11 ستمبر تک داخل کئے گئے طلبا/ طالبات کی رجسٹریشن ریٹرن فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ مورخہ 13 ستمبر 2004ء ہے۔

مزید تفصیلات کے لیے پراسپکٹس دیکھئے

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس
191۔ اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور
TEL : 5860024 FAX: 5834000
E-mail: college@tanzeem.org

ذہین اور مستحق طلباء کے لیے وظائف کی خصوصی سہولت
700 نمبروں سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طلباء کے لیے 100%،
600 نمبروں سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طلباء کے لیے 50% اور
550 نمبروں سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طلباء کے لیے ماہانہ فیس میں 25% رعایت

ملی بھگت نے الحاق بھارت کی سازش کو کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچایا اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

نیشنل کانگریس کی حکمت عملی

مہاراجہ ہری سنگھ کو بھارت سے الحاق پر تیار کرنے کے لئے جہاں لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے مدد لی گئی' وہاں کانگرس کے لیڈر بھی بہ نفسِ نفیس سری نگر پہنچے۔ اس سے قبل کانگرس کی طرف سے مہاراجہ کشمیر کے پاس مہاراجہ پٹیالہ' مہاراجہ کپورتھلہ اور مہاراجہ فرید کوٹ کو بھیجا گیا تھا' تاکہ بھارت سے الحاق کی ''ابتدائی تیاریوں'' کے سلسلے میں یہ لوگ مہاراجہ کو مشورہ دے سکیں۔ اس کے بعد کانگرس کے صدر اچاریہ کرپلانی خود سری نگر گئے اور مہاراجہ سے ملاقات کی۔ سری نگر کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے کرپلانی نے کہا کہ معاہدۂ امرتسر کی مذمت کرنا یا مہاراجہ سے یہ مطالبہ کہ وہ کشمیر چھوڑ دے' ایک غلط بات ہے' اس لئے کہ مہاراجہ ریاست کا جائز حکمران ہے۔

اچاریہ کرپلانی کے بعد اگست میں گاندھی جی سری نگر پہنچے۔ گاندھی کے دورے کے فوراً بعد کشمیر کے وزیراعظم پنڈت کاک کو' جنہوں نے کشمیر کی طرف سے پاکستان کے ساتھ ''معاہدۂ قائمہ'' کیا تھا اور جو پاکستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کے حامی تھے' وزارتِ عظمٰی سے ہٹا دیا گیا (بعد میں شیخ عبداللہ کی حکومت نے پنڈت کاک پر پاکستان اور مسلم لیگ کا ساتھ دینے کے جرم میں مقدمہ چلایا اور انہیں دو سال کی سزائے قید دی گئی) اور ان کی جگہ جنگ سنگھ اور بعد ازاں مہر چند مہاجن کو ریاست کا وزیراعظم بنایا گیا جو علی الاعلان بھارت کے ساتھ الحاق کے حامی تھے۔

گاندھی جی سے مہاراجہ کشمیر کی ملاقات کے فوراً بعد دوسری اہم تبدیلی یہ ہوئی کہ کشمیری فوج اور پولیس سے انگریز افسروں کو فارغ کر کے ان کی جگہ ڈوگروں کو فائز کر دیا گیا۔ ریاست کشمیر کا بھارت سے مواصلاتی تعلق قائم کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد شروع ہوا۔ اس مقصد کے لئے ماہر انجینئروں کی ایک ٹیم ہندوستان سے بھیجی گئی۔ ستمبر میں پٹھان کوٹ کے قریب راوی پر کشتیوں کا ایک عارضی پل تعمیر کیا گیا' جس سے بھارت اور جموں کے درمیان آمدورفت شروع ہوئی۔ اس پل پر سے بھاری ٹرک بھی بآسانی گزر سکتے تھے۔ جموں سے کٹھوعہ تک سڑک پختہ کی گئی اور اسے اس قابل بنایا گیا کہ اس پر سے وزنی گاڑیاں اور ٹینک گزر سکیں۔ اس سڑک کے ساتھ ساتھ ٹیلی گراف کی لائنیں بھی بچھائی گئیں۔ یہ سارے اقدامات اور سرگرمیاں ''خفیہ'' رکھی گئیں اور دن رات کام کر کے انتہائی تھوڑی مدت میں یہ سارا کام انجام دیا گیا۔

اصل بات یہ ہے کہ کانگرس تو آزادی کے فوراً بعد ہی الحاق حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھی اور یہی وجہ ہے کہ جہاں 15 اگست 1947ء کو پاکستان نے تو ریاست کے ساتھ ''معاہدۂ قائمہ'' کر لیا تھا' وہاں بھارت نے اس سے انکار کر دیا تھا' لیکن مہاراجہ کی حکمتِ عملی اس سلسلے میں ذرا مختلف تھی۔

مہاراجہ کی حکمت عملی

مہاراجہ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ الحاق کے سلسلے میں کوئی فوری قدم نہ اٹھایا جائے۔ اس کی کئی وجوہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ ریاست کی آبادی کی عظیم اکثریت مسلمان تھی اور پاکستان سے الحاق کی حامی۔ مہاراجہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ اس کی مسلمان رعایا بھارت کے ساتھ الحاق کو کسی بھی صورت قبول نہیں کرے گی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت بھارت اور کشمیر کا مواصلاتی تعلق تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔ دونوں صورتوں میں اسے بھارتی فوجی امداد کی ضرورت تھی۔ اسے سب سے بڑا خطرہ اپنی مسلمان رعایا سے تھا۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لئے مہاراجہ نے اس تدبر کو آزمایا جو اس کے ہم عصر ہندو مہاراجے مشرقی پنجاب کی ریاستوں میں اپنی اپنی مسلم رعایا کے خلاف کامیابی کے ساتھ آزما چکے تھے۔

مہاراجہ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ ظلم وتشدد' دہشت گردی' غنڈہ گردی اور قتل و غارت کے ذریعے مسلمانوں کی اکثریت کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے سامنے مشرقی پنجاب کی مثال موجود تھی' جہاں سے مسلمانوں کی ایک عظیم آبادی کو یا تو ہندو مہاراجوں نے اپنی نگرانی میں تہ تیغ کرادیا تھا یا ان کو پاکستان میں دھکیل دیا گیا تھا۔ ریاست پٹیالہ' فرید کوٹ' جیند' کپورتھلہ' نابھہ' بھرت پور اور الور سے جس کامیابی کے ساتھ ہندو اور سکھ مہاراجوں نے اپنی اپنی مسلم رعایا کا صفایا کیا تھا' مہاراجہ کشمیر کے لئے اس مثال کو دہرانا مشکل امر نہ تھا۔

مسلمانوں کے قتلِ عام میں مہاراجہ کی اعانت اور مشاورت کے لئے انہی دنوں مہاراجہ پٹیالہ' مہاراجہ کپورتھلہ اور مہاراجہ فرید کوٹ بھی سری نگر آئے اور انہوں نے اپنے ہاں جس جس طرح مسلمانوں کو ختم کیا تھا' اس کے بارے میں مہاراجہ کو مشورے دیئے۔ مہاراجہ نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ ریاستی فوج سے مسلمان افسروں کو نکال کر اسے ان اہم علاقوں میں تعینات کر دیا جہاں سے بغاوت کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ ضلع میرپور' پونچھ اور مظفر آباد میں بڑی تعداد میں ڈوگرہ فوج بھیجی گئی۔ ایک اور قدم یہ اٹھایا گیا کہ نیشنل کانگرس میں سیوک سنگھ (آر ایس ایس) ہندو مہاسبھا اور سکھ جتھوں کو ریاست میں آنے کی دعوت دی گئی۔ راشٹریہ کا ہیڈ کوارٹر جموں میں قائم کیا گیا۔ جولائی کے آخر میں تمام مسلمان رعایا کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ہتھیار پولیس کے پاس جمع کرا دیں' حتیٰ کہ فوج اور پولیس کے مسلمان ملازمین کو بھی غیر مسلح کر دیا گیا۔

جنازوں کا جلوس

13 جولائی 1931ء کے شہیدوں کی لاشیں جامع مسجد کے صحن میں رکھ دی گئیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اعلان کیا کہ شہیدوں کے جنازوں کا جلوس ہرگز نہ نکالا جائے اور نہ ہی انہیں کسی ایک جگہ دفنایا جائے۔ اس نے حکم دیا کہ شہیدوں کی لاشیں فوراً ان کے ورثاء کو سونپ دی جائیں اور کسی لاش کے ساتھ آٹھ افراد سے زیادہ نہیں جا سکتے' مگر اس کے جواب میں میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ نے اعلان کیا کہ شہیدوں کے جنازوں کا جلوس ضرور نکالا جائے گا اور انہیں غزوۂ بدر کے شہیدوں کی طرح ایک ہی جگہ خانقاہ حضرت نقشبند کے صحن میں دفنایا جائے گا۔ جب جلوس خانقاہ کی طرف روانہ ہوا تو یہاں بھی مسلح ڈوگرہ فوج نے ایک دفعہ پھر گولیوں کی بارش کر کے بے گناہ مسلمانوں کو موت سے ہمکنار کیا۔

پونچھ کے حریت پسند عوام آسانی سے دبنے والے نہ تھے۔ اس سے قبل جون 1947ء میں وہ مہاراجہ کی حکومت کو ٹیکس ادا نہ کرنے کی مہم چلا چکے تھے جو ابھی تک جاری تھی۔ تازہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے پونچھ کے مسلمان جلد ہی منظم ہو گئے اور انہوں نے سردار ابراہیم خان اور سردار عبدالقیوم کی قیادت میں بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ پونچھ کے مسلمانوں نے اپنی خواتین اور بچوں کو پاکستانی علاقے میں بھیج دیا اور خود عزت کی موت مرنے کے لئے ڈوگرہ استبداد کے سامنے آہنی دیوار بن کر ڈٹ گئے۔ مہاراجہ کی فوج نے میرپور' پونچھ' مظفر آباد اور اس سے ملحقہ اضلاع میں دہشت گردی کی جو فضا قائم کی اور قتل و غارت کا جو بازار گرم کیا' اس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور لاکھوں کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا۔ پورے علاقے میں شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔ اس سارے ہولناک ظلم وتشدد کے باوجود مہاراجہ کی سکیم کم از کم اس علاقے میں الٹ گئی اور بہت جلد مجاہدینِ آزادی نے اس پورے علاقے کو ڈوگرہ سپاہیوں سے پاک کر دیا۔

1947ء کے آغاز میں پورے صوبہ جموں میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا تھا۔ جموں میں صرف پاکستانی سرحدوں سے ملحقہ علاقے ہی میں قتل و غارت کا یہ عالم تھا کہ ایک موقع پر 1760 مسلمانوں کی لاشیں ایک پاکستانی گاؤں کے قریب پائی گئیں۔ تقریباً ایک لاکھ مہاجرین نے جموں سے پاکستان میں آ کر پناہ لی۔ 18 اکتوبر کو یعنی صرف ایک دن میں صرف جموں شہر میں چار

ہزار مسلمان شہید کئے گئے۔ اکتوبر کے آخر میں جب مہاراجہ جموں آیا تو اس نے ڈوگروں اور مقامی ہندو اور سکھ آبادی کو صاف صاف کہہ دیا کہ اگر ڈوگرہ راج کی حفاظت مقصود ہے تو مسلمان جہاں نظر آئے' اسے ختم کر دو۔

اس پر انڈین ہائیکورٹ کے ایک جج کنور دلیپ سنگھ نے مقامی مسلمانوں سے کہا کہ وہ اگر مقابلے سے باز آجائیں تو انہیں بحفاظت پاکستان پہنچا دیا جائے گا۔ مسلمانوں نے اس یقین دہانی پر ہتھیار ڈال دیئے۔ 6 نومبر کو 70 ٹرکوں پر مردوں' عورتوں اور بچوں پر مشتمل یہ قافلہ پاکستان کے لئے روانہ ہوا۔ جب قافلہ کوہالہ پل کے قریب پہنچا تو سکھوں اور ڈوگرہ سپاہیوں نے اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ ایک مسلمان مرد کو بھی زندہ نہیں چھوڑا گیا اور نوجوان مسلمان لڑکیاں جو سینکڑوں کی تعداد میں تھیں' اغوا کر لی گئیں۔ اس قافلے میں تقریباً سات ہزار مسلمان تھے۔

قتل و غارت کی یہ سنگین صورتِ حال ریاست کے کسی ایک حصے ہی میں نہ تھی' بلکہ پوری ریاست قتل و غارت کی لپیٹ میں تھی اور ہندو' ڈوگرے اور سکھ پوری ریاست میں مسلمانوں کا صفایا کرنے میں مشغول تھے۔ گاؤں گاؤں' قصبے قصبے اور شہر شہر میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور انہیں ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ مسلمانوں کے قافلے پاکستان کا رخ اختیار کرتے تو انہیں راستوں میں گھیر کر ختم کر دیا جاتا۔

آزاد کشمیر حکومت کا قیام

ادھر بغاوت کی آگ پونچھ سے نکل کر پوری ریاست میں پھیل چکی تھی اور کشمیری مسلمان نہتے ہونے کے باوجود بڑی بے جگری سے ڈوگرہ سپاہیوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ شروع میں یہ بغاوت مسلم کانفرنس کے چند رہنماؤں کی قیادت میں ظلم و تشدد کا نیا دور دورہ شروع ہوا تو مسلم کانفرنس کی قیادت نے ان علاقوں میں بھی آزادی کی تحریک کو منظم کرنے کی کوشش کی اور کشمیری مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ اب وہ مہاراجہ کی غلامی کسی صورت میں برداشت نہ کریں۔

شروع میں کسی کو اندازہ نہ تھا کہ اس تحریک کا انجام کیا ہوگا یا اس کو زیادہ عرصے تک جاری رکھنے کے لئے مستقل صورت کیا اختیار کی جائے گی۔ مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کا آخری اجلاس جولائی 1947ء میں ہوا تھا اور اس کے بعد جو حالات پیش آئے' ان میں دوبارہ ملنا ممکن ہی نہ تھا۔ مگر جب آزادی کی تحریک پوری ریاست میں پھیل گئی اور مجاہدین آزادی نے ریاست کا ایک بہت بڑا حصہ مہاراجہ کے چنگل سے آزاد کرا لیا تو 24 اکتوبر 1947ء کو (یعنی مہاراجہ کے الحاق بھارت سے دو روز قبل) مہاراجہ کی حکومت کے متوازی مسلم کانفرنس کی نگرانی میں ایک ''آزاد جموں و کشمیر حکومت'' قائم کر دی گئی' جس کا صدر مقام دریائے جہلم کے قریب پونچھ کے ایک چھوٹے سے قصبے پلندری کو مقرر کیا گیا۔ 22 اکتوبر 1947ء کو کشمیری مجاہدین کی امداد کے لئے صوبہ سرحد سے تقریباً دو ہزار قبائلی مجاہدین ریاست میں داخل ہو گئے۔ ''آزاد کشمیر'' قائم ہونے اور قبائلی مجاہدین کی آمد سے قبل ہی مجاہدین کی کوششوں سے ریاست کا ایک بہت بڑا علاقہ آزاد ہو چکا تھا۔ پونچھ کا سارا علاقہ آزاد فوج کے پاس تھا۔ ضلع راجوری اور ضلع میرپور سے اکھنور تک کا سارا علاقہ بھی آزاد ہو چکا تھا۔ جموں شہر مہاراجہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا اور بھمبر شہر میں وہاں کے شہریوں نے ڈوگرہ فوج کو شکست فاش دے کر مار بھگایا تھا۔ ادھر مظفر آباد کی طرف مجاہدین مظفر آباد کو آزاد کرانے کے بعد سری نگر کی طرف بڑھ رہے تھے اور وادی میں چکوٹھی کے مقام پر اپنی پوزیشنیں سنبھالے ہوئے تھے۔ دوسری طرف ہندواڑہ تحصیل کو فتح کرتے ہوئے مجاہدین سپرو تک پہنچ چکے تھے۔ گلگت کی طرف پورا گلگت کا علاقہ ان کے قبضے میں تھا اور سری نگر سے تیس میل ادھر لداخ کے علاقے بھی ان کے پاس تھے۔

صوبہ سرحد کے قبائلی اس جنگ میں کسی منصوبہ بندی اور نظم و ضبط کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ ریاست میں داخل ہوتے ہی انہوں نے آزاد فوج کے ساتھ مل کر وادی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ وادی سے اس طرف (یعنی پاکستانی سرحدوں) سے ملحقہ علاقہ تو مجاہدین پہلے ہی آزاد کرا چکے تھے' اور یہ علاقہ تحریک آزادی کے لئے ایک مضبوط بنیاد کا کام دے رہا تھا۔ چنانچہ صرف دو دن کے اندر اندر مجاہدین سری نگر سے قریب شلتنگ کے مقام پر پہنچ گئے اور بڈگام کے ہوائی اڈے کا محاصرہ کر لیا۔ بارہ مولا پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا اور سری نگر چند میل کی مسافت پر تھا۔

بھارت سے متنازعہ الحاق

بھارت سے الحاق کے لئے مہاراجہ جس بہانے کی تلاش میں تھا اور جس کا خفیہ منصوبہ اس نے نیشنل کانگریس کے ساتھ مل کر کئی ماہ پہلے سے بنا رکھا تھا' وہ قبائلی مجاہدین کی آمد سے پورا ہو گیا۔ عملاً وہ ساری ریاست کے اقتدار سے محروم ہو چکا تھا۔ ڈوگرہ فوج آزاد فوج کے ہاتھوں شکست کھا کر تتر بتر ہو چکی تھی اور انتظامیہ پوری طرح معطل تھی۔ مہاراجہ نے آخری کوشش کے طور پر سری نگر کے گرد و نواح میں اپنے کچھ سپاہیوں کو اکٹھا کرنے کی سعی کی' لیکن ناکام رہا۔ 26 اکتوبر 1947ء کو تو سری نگر اس کے ہاتھ سے نکلنا یقینی ہو چکا تھا۔

بھارت کے دارالحکومت نئی دہلی میں قبائلی مجاہدین کی آمد کی اطلاع 24 اکتوبر کو ملی۔ 25 اکتوبر کو انڈین ڈیفنس کمیٹی کا ہنگامی اجلاس ہوا جس میں بھارتی کابینہ کے ارکان' انڈین ایئر فورس اور آرمی کے کمانڈر انچیف اور گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن شریک تھے۔ سب کی رائے یہ تھی کہ مہاراجہ کی مدد کے لئے فوری طور پر فوجیں بھیج دی جائیں۔ بلکہ تینوں افواج کے سربراہوں کو حکم بھی دے دیا گیا کہ وہ فوجوں کی نقل و حرکت کی اسکیم تیار کر کے کمیٹی میں پیش کریں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن اس موقع پر ایک بار پھر حکومت کی مدد کے لئے آگے بڑھا اور اس نے تجویز رکھی کہ جب تک مہاراجہ سے الحاق کی دستاویز حاصل نہ کر لی جائے' ریاست میں فوجیں بھیجنا مناسب نہیں۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن کی تجویز پر بذریعہ ہوائی جہاز محکمہ ریاستی امور کے سیکرٹری وی پی مینن کو سری نگر بھیجا گیا کہ وہ مہاراجہ سے الحاق کی دستاویز حاصل کرے۔

مینن نے مہاراجہ' اس کی فوج اور ریاست کو جس حالت میں پایا' اس کے پیش نظر اس نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ فی الفور سری نگر چھوڑ دے اور جموں چلا جائے۔ 25 اور 26 اکتوبر کی درمیانی شب کو مہاراجہ نے اپنے خاندان سمیت سری نگر سے بھاگ کر جموں میں پناہ لی اور جب جموں میں مینن مہاراجہ سے الحاق کی دستاویز اور بھارت سے فوجی امداد کی درخواست پر (جو اس نے خود تحریر کی تھی) دستخط لے رہا تھا تو اس وقت مہاراجہ ساری ریاست کے اقتدار سے عملاً محروم ہو کر خودکشی کی نوبت تک پہنچ چکا تھا۔ بہرحال سارا سازشی منصوبہ تو پہلے ہی بن چکا تھا' اس لئے پیشتر اس کے کہ وی پی مینن مہاراجہ سے الحاق کی دستاویز پر دستخط کرا کر' واپس دہلی پہنچتا' 27 اکتوبر کو صبح کے وقت بھارتی فوج سری نگر کے ہوائی اڈے پر اتر رہی تھیں۔

شیخ عبداللہ کا کردار

مہاراجہ کشمیر نے بھارت کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے نام اپنے 26 اکتوبر کے خط میں اطلاع دی کہ وہ شیخ عبداللہ کو عبوری حکومت کی سربراہی کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے کہے گا' جس پر گورنر جنرل نے اپنی اور حکومت کی طرف سے اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ اطلاع اور یہ اطمینان بہت معنی خیز ہے' اور یہ معنی خیزی ایک نہ ایک دن تاریخ کشمیر میں اپنا رنگ دکھائے گی۔

گویا شیخ عبداللہ کے رول پر دونوں حکومتوں کے درمیان تفصیلی بات چیت اور باہم افہام و تفہیم ہو چکی تھی اور شیخ صاحب مثلث کے تیسرے ضلع کی حیثیت سے الحاق بھارت کی اس سازش میں پوری طرح ملوث تھے۔ شیخ عبداللہ کو جو جون 1946ء سے ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک کے سلسلے میں نو سال کی قید کی سزا کاٹ رہے تھے' 29 ستمبر 1947ء کو اچانک اور بلاوجہ رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے فوراً بعد وہ دہلی چلے گئے' جہاں انہوں نے کانگریسی رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا۔ شیخ عبداللہ الحاق کے وقت تک دہلی میں رہے اور اسی عرصے میں پنڈت نہرو اور دیگر کانگریسی رہنماؤں نے انہیں الحاق کی اس سازش میں شریک کر لیا۔ شیخ عبداللہ کو الحاق کے حق میں ہموار کر لینا در حقیقت پنڈت نہرو کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ شیخ عبداللہ عوامی شخصیت کے حامل اور وادی کے عوام کے خاصے مقبول رہنما تھے۔ شیخ عبداللہ کی

تائید وحمایت سے بھارت بین الاقوامی رائے عامہ کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرسکتا تھا کہ ریاست کا الحاق محض مہاراجہ کی دستاویز پر مبنی نہیں' بلکہ اسے عوامی تائید بھی حاصل ہے۔

بھارت نے اس تاثر کو پھیلانے کے لئے شیخ عبداللہ کو پوری طرح استعمال کیا۔ غیر ملکی صحافیوں کے سامنے انہیں پیش کرکے ان کے انٹرویو دلوائے گئے اور بعد میں انہیں بھارتی وفد کے ساتھ اقوام متحدہ میں بھی بھیجا گیا۔

[illegible]

مہاراجہ کشمیر نے جب ''قبائلی حملہ آوروں'' کی آڑ لے کر بھارت کو کشمیر میں فوجی مداخلت کی دعوت دی اور اس فوجی مداخلت کو قانونی جواز مہیا کرنے کے لئے بھارت کے ساتھ ریاست کا الحاق بھی کردیا تو مہاراجہ کشمیر لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور بھارت کی اس مشترکہ سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستان کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ ایک راستہ تو وہ تھا جو جوناگڑھ' مناودر' حیدرآباد اور دوسری مسلم ریاستوں کے معاملے میں بھارت نے اختیار کیا تھا۔ یعنی یہ کہ کشمیر کے اس غیر قانونی اور غیر اخلاقی الحاق کو ختم کرنے کے لئے حکومت پاکستان اپنی فوجیں ریاست میں بھیج دیتی اور فوجی اقدام کے ذریعے کشمیر کو آزاد کرالیتی۔ دوسرا راستہ گفت وشنید اور افہام وتفہیم کا تھا' لیکن تقسیم کے دوران اور تقسیم کے بعد بھارت نے جس جارحیت پسندی اور استعماری ذہنیت کا مظاہرہ کیا تھا' اس کے پیش نظر یہ راستہ سعیٔ حاصل کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس وقت ریاست کی فوجی صورتِ حال بھی سراسر پاکستان کے حق میں تھی اور حکومت پاکستان کی طرف سے برائے نام فوجی امداد بھی کشمیر کو بھارت کے قبضے میں جانے سے بچاسکتی تھی۔ قبائلی مجاہدین اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لئے 22 اکتوبر 1947ء کو ریاست کے تین اطراف سے داخل ہوکر مہاراجہ کی فوجوں کا مکمل طور پر قلع قمع کرچکے تھے اور اب ریاست میں کم ازکم وادیٔ کشمیر کی حد تک ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ 27 اکتوبر کو جب بھارت نے مہاراجہ کا نام نہاد الحاق منظور کیا اور ریاست میں اپنی فوجیں بھیجنے کا فیصلہ کیا تو مجاہدین ماہورہ پاور اسٹیشن پر قبضہ کرکے بارہ مُولا تک پہنچ چکے تھے۔ سری نگر وہاں سے صرف 34 میل تھا۔ پھر بھارتی فوج کے سری نگر پہنچنے تک مجاہدین کے کچھ دستے بارہ مُولا سے بھی آگے بڑھ چکے تھے۔ ان میں سے کچھ پٹن کے مقام پر' جو سری نگر سے اٹھارہ میل دور ہے' اور کچھ گلمرگ کی طرف بادگام کے شمال میں سری نگر سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر پہنچ چکے تھے۔ گویا سری نگر جنوب مغرب اور شمال مغرب سے آزاد فوجوں میں گھرا ہوا تھا۔ 27 اکتوبر کی شام تک بھارت اپنے ڈکوٹا جہازوں کے ذریعے ایک بٹالین سے زیادہ فوج سری نگر کے ہوائی اڈے پر نہیں اتار سکا تھا۔ بھارت کے لئے یہ ہرگز ممکن نہیں تھا کہ اس محاذ پر وہ کوئی بڑی جنگ فوری طور پر لڑ سکے۔ 27 اکتوبر کو سب سے پہلے ریاست میں پہنچنے والی 1/11 رجمنٹ کا کمانڈنگ افسر ہلاک ہوچکے تھے اور بھارتی فوج کے بچے کھچے سپاہی سری نگر واپس پہنچ کر بھارت سے آنے والی کمک کا انتظار کررہے تھے۔ 29 اکتوبر کو پہنچنے والی فرسٹ پٹیالہ انفنٹری کو بھی آزاد فوج نے ایسی شکست دی کہ پورے یونٹ کا کچھ پتا نہ چلا۔ 3 نومبر کو فرسٹ کمائیوں بٹالین کو بارہ مُولا کے شمال میں شکست دے کر پسپا کیا جاچکا تھا۔

یہ صورت حال آئندہ 130 دن تک قائم رہی۔ بھارتی فوج آرمی جہازوں کے ساتھ ساتھ ایک سو (100) سولین جہازوں کی رات دن کی مدد کے باوجود 8 نومبر کو کہیں جاکر اس قابل ہوسکی کہ بارہ مُولا پر قبضہ کرسکے۔ ان قیمتی 13 دنوں میں' یعنی 27 اکتوبر سے 8 نومبر تک' اگر پاکستان کی دو بٹالین فوج بھی آزاد فوج کی مدد کے لئے بھیج دی جاتی تو سری نگر پر قبضہ کرلینا نہایت آسان تھا۔ سری نگر پر قبضہ کرلینے کا مطلب یہ تھا کہ بھارت کے لئے ریاست میں آنے کے تمام راستے مسدود ہوگئے' کیونکہ بھارت اپنی فوج ہوائی جہازوں کے ذریعے سری نگر ہی کے ہوائی اڈے پر اتار رہا تھا۔ سڑک کے ذریعے (پٹھان کوٹ تا جموں) فوجیں بھیجنے میں ایک تو وقت بہت لگتا تھا اور دوسرے بھارت کی یہ سپلائی لائن میلوں تک پاکستان کی زد میں تھی اور پاکستان جس وقت بھی چاہتا' معمولی سی فوجی طاقت کے ساتھ بھی اس لائن کو کاٹ سکتا تھا اور بھارتی کنوائے راستے ہی میں تباہ ہوچکا تھا۔ کشمیر میں بھارت کے فوجی اقدام پر بھارتی وزارتِ اطلاعات ونشریات نے ایک کتاب Defending Kashmir کے نام سے شائع کی تھی۔ اس صورت حال پر کتاب کا مصنف لکھتا ہے:

> ''کشمیر میں ہماری کارروائی کے پہلے ہفتے کی صورتِ حال ان لفظوں میں بیان کی جاسکتی ہے ''چھوڑو اور چھوڑ دو''۔ سری نگر میں خطرہ نہ صرف برابر قائم تھا' بلکہ بڑھتا چلا جارہا تھا۔ بھارتی فوج کے لئے یہ ہفتہ بڑا ہی سخت تھا' کیونکہ بھارت سے مناسب تعداد میں فوجوں کے آنے میں ابھی خاصا وقت درکار تھا۔''

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ 27 اکتوبر کے بعد ایک ہفتے تک مجاہدین سری نگر کے گرد ونواح میں موجود رہے اور اگر اس وقت انہیں منظم فوج کی معمولی سی امداد بھی مل جاتی تو سری نگر کو بھارت کے قبضے میں جانے سے بچایا جاسکتا تھا۔

بھارت کے مقابلے میں پاکستان کو جو سہولت حاصل تھی' وہ یہ تھی کہ پاکستان کے متعدد شہروں سے وادیٔ کشمیر تک براہ راست سپلائی لائنیں مجاہدین کے قبضے میں تھیں اور

ہندو اور مسلمانوں کے نام

کشمیریوں کی بعض ذاتیں اور گوتیں تو ایسی ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک ہیں' مثلاً پنڈت' کچلو' سپرو' منٹو' وانچو' بٹ' کول' نہرو' پال وغیرہ۔ ان کے متعلق یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ ان میں سے بعض لوگوں نے اسلام قبول کرلیا' لیکن اپنی اصل ذاتوں کو قائم رکھا۔ لیکن جس طرح ہندوؤں میں وید بھاشا جاننے اور سیکھنے والا ایک فرقہ پنڈت کہلاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی ہے اور اس کے افراد اپنے نام کے ساتھ پنڈت' جبار پنڈت وغیرہ کہلواتے ہیں۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جن ہندو پنڈتوں نے مسلمان حاکموں کی ملازمت اختیار کی' وہ اور ان کی اولاد آج تک مسلمان ملا یا مولوی' سید' اخون' پیر' قاضی' یاتگی' سلطان' وزیر' ترک' چغت' چک' جلالی اور رافض وغیرہ کہلارہی ہے۔

پاکستان بہت تھوڑے وقت میں بارہ مُولا تک اپنی فوجیں پہنچا سکتا تھا' جبکہ آزاد فوج نے تیرہ دن تک' قلیل التعداد اور اسلحہ وساز وسامان سے مسلح نہ ہونے کے باوجود' بارہ مُولا کو دشمن کی زد سے بچائے رکھا۔

اب سوال یہ ہے کہ پاکستان نے اس صورتِ حال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟ اور نہ صرف یہ کہ سری نگر میں اپنی فوج نہیں بھیجی بلکہ بھارتی فوج کے ان بکتر بند دستوں کو بھی راستے میں روکنے کی کوشش نہیں کی' جو سڑک کے راستے وادی تک پہنچائے گئے اور جن کی مدد سے 8 نومبر کو بھارتی فوج بارہ مُولا پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوسکی؟

اس وقت پاکستانی فوج کی کمان ایک انگریز جنرل سر ڈگلس گریسی کے ہاتھ میں تھی اور کشمیر کی فوجی صورتِ حال پر وہی براہ راست پاکستان کو مشورہ دے سکتا تھا' لیکن نہ صرف یہ کہ جنرل گریسی نے اُس وقت حکومت پاکستان کو کوئی مشورہ نہ دیا اور قائداعظم کی خواہش کے باوجود کوئی عملی قدم اٹھانے سے انکار کردیا' بلکہ قائداعظم کو کشمیر پر بھارتی حملے کی اطلاع بھی بروقت نہ دی۔ قائداعظم کو ریاست کشمیر میں بھارتی فوجوں کے داخلے کی اطلاع 27 اکتوبر کی شام کو لاہور میں ملی' جب وہ گورنر پنجاب سر فرانسس موڈی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے' حالانکہ پاکستان آرمی ہیڈکوارٹرز میں ریاست میں بھارتی فوجوں کے داخلے سے ایک رات قبل اطلاع مل چکی تھی۔ لاہور ایریا کے ہیڈکوارٹرز میں انڈین پیراشوٹ بریگیڈ کو وائرلیس پر دیا جانے والا پیغام Intercept کرلیا گیا تھا' جس میں بھارت کے اس فوجی اقدام کی پوری تفصیل تھی۔ یہ پیغام اس وقت

Decipher کر کے راولپنڈی ہیڈ کوارٹرز بھیجا جا چکا تھا۔

قائد اعظم اس وقت لاہور میں تھے اور انہیں یہ اطلاع 26 اکتوبر کی رات کو دی جا سکتی تھی' لیکن ملٹری ہیڈ کوارٹرز کی طرف سے انہیں 27 اکتوبر کی شام تک بھی کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ 27 اکتوبر کی شام کو جب قائد اعظم کو دوسرے ذرائع سے یہ خبر ملی کہ بھارت نے ہوائی جہازوں کے ذریعے سری نگر میں اپنی فوج اتار دی ہے تو انہوں نے خود راولپنڈی میں کمانڈر انچیف جنرل گریسی کو فون پر حکم دیا کہ وہ بھارتی جارحیت کو روکنے کے لئے وادیٔ کشمیر میں پاکستانی فوج بھیج دے۔ جنرل گریسی نے اس بنا پر قائد اعظم کا حکم ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلیک کی اجازت کے بغیر اس طرح کا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فیلڈ مارشل سر آکنلیک کی سرکاری پوزیشن واضح کر دی جائے۔ 30 جون کو افواج کی تقسیم کی طریق کار طے کرنے کے لئے پارٹیشن کونسل (Partition Council) کا ایک اجلاس منعقد ہوا تھا' جس میں وائسرائے ہند اور بھارتی نمائندوں کے علاوہ خود قائد اعظم بھی شریک تھے۔ اس اجلاس میں یہ تجویز منظور کی گئی تھی کہ جب تک افواج کی تقسیم کا کام مکمل نہ ہو جائے' فیلڈ مارشل آکنلیک دونوں ممالک کی افواج کے سپریم کمانڈر ہوں گے' لیکن اس دوران میں انہیں ملٹری آپریشن کے اختیارات حاصل نہ ہوں گے۔ اس تجویز کے مطابق افواج کی تقسیم کے بعد ان کا یہ عہدہ خود بخود ختم ہو جاتا تھا۔ اب جبکہ افواج کی تقسیم ستمبر کے آخر تک ختم ہو چکی تھی' 27 اکتوبر کو جنرل گریسی کا یہ عذر پیش کرنا کہ وہ سپریم کمانڈر آکنلیک سے اجازت لئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا' ناقابل فہم ہے۔

دوسری طرف برطانوی حکومت کے حوالے سے بھی سر آکنلیک کی سرکاری پوزیشن مبہم اور غیر طے شدہ تھی۔ تقسیم کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ افواج اور فوجی اسلحہ' نیز دیگر ساز و سامان دونوں ممالک میں تقسیم کریں۔ بھارتی حکومت اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن' جو پندرہ اگست کو بھارت کے گورنر جنرل بن چکے تھے' دونوں کی خواہش یہ تھی کہ سر آکنلیک اس کام کو آہستہ آہستہ انجام دیں' کیونکہ جس قدر جلد فوجی ساز و سامان' اسلحہ اور یونٹوں کی تقسیم عمل میں لائی جاتی' اسی قدر جلد پاکستانی فوج منظم اور مضبوط ہو سکتی تھی اور ماؤنٹ بیٹن سے گٹھ جوڑ کر کے بھارتی حکومت نے حیدر آباد' جونا گڑھ اور پھر کشمیر پر جارحیت کے جو منصوبے بنا رکھے تھے' ان کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ پاکستانی فوج کو جلد منظم نہ ہونے دیا جائے' تاکہ یہ اس کے راستے میں مزاحم نہ ہونے پائے۔ اب سر آکنلیک یا تو ماؤنٹ بیٹن کے اس منشا کو سمجھ نہیں سکے یا انہوں نے دیانت داری سے کام لیا اور فوجوں کی تقسیم کا بڑا کام ستمبر کے آخر تک ختم کر دیا۔ ماؤنٹ بیٹن کو' جو اس وقت کانگرسی سیاست کے ایک مہرے کی حیثیت سے کھل کر سامنے آ چکا تھا' سر آکنلیک کی یہ تیز رفتاری ہرگز پسند نہیں آ سکتی تھی۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے حکومت برطانیہ سے کہہ کر' سمجھا کر سر آکنلیک کی واپسی کے احکامات حاصل کر لئے۔ جس وقت جنرل گریسی نے قائد اعظم کے سامنے یہ عذر رکھا ہے کہ وہ سپریم کمانڈر کی مرضی کے بغیر کشمیر میں فوجیں نہیں بھیج سکتا' اس وقت سر آکنلیک کو سپریم کمانڈر کے عہدے سے اپنی معزولی کے احکامات کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ ان احکامات کا انتظار کر رہا تھا۔ اس صورت حال میں وہ قطعی طور پر اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ جنرل گریسی کو اس کی اجازت کی ضرورت پڑتی۔

راولپنڈی میں برٹش افسروں کا رویہ تو یہ تھا' اور اُدھر دہلی میں بھارتی فوج کا کمانڈر انچیف سر راب لاک ہارٹ نہ صرف یہ کہ جنگ میں حصہ لے رہا تھا' بلکہ شمال مغربی سرحدی صوبے میں اپنے سابقہ فوجی تجربات سے بھی انہیں مستفید کر رہا تھا۔ ایک اور انگریز افسر میجر جنرل سر ڈڈلے رسل نے کشمیر پر بھارتی حملے کی کمان سنبھال رکھی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان جنرلوں نے بھارت کی طرف سے جنگ کا آغاز کرنے کے لئے سپریم کمانڈر کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی' تو پاکستانی کمانڈر انچیف کو ایک دفاعی جنگ لڑنے کے لئے اس اجازت کی ضرورت کیا تھی؟

بہر حال جب جنرل گریسی نے قائد اعظم کا حکم ماننے

سید قاسم محمود کی تصانیف

شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا

پاکستان کی سب سے قیمتی کتاب کا آٹھواں ایڈیشن۔ بڑے سائز کے دو ہزار صفحات پر محیط' ردیف وار ترتیب میں چار ہزار مضامین' چار سو سے زائد رنگین تصویریں' نقشے' شجرے' آرٹ پیپر پر چھپا ہوا رنگین ''اسلامی اٹلس''، مفصل اشاریہ' دو جلدوں میں مکمل طور پر نظر ثانی ایڈیشن۔

قیمت 2400 روپے

انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا

اس میں وہ سب کچھ ہے جو پاکستان میں ہے اور پاکستان سے متعلق ہے۔

شخصیات' مقامات' تحریک پاکستان' تاریخ' جغرافیہ' رسوم و روایات' تہذیب و ثقافت' آئین و سیاست' معیشت و معاشرت' مفصل اشاریہ۔ قیمت 2000 روپے

ہماری کائنات

کائنات کی تخلیق کب ہوئی؟ کیونکر ہوئی؟ کائنات کا نظام کیونکر چل رہا ہے؟ کائنات کا انجام کیا ہوگا؟ چار ہزار سالہ انسانی تاریخ میں کس مفکر نے کائنات کے بارے میں کیا سوچا؟ تمام قدیم و جدید نظریات کا محاکمہ قرآن مجید کی روشنی میں۔ باتصویر۔ بڑا سائز۔ قیمت 250 روپے

مسلم سائنس

ظہورِ اسلام سے لے کر عصرِ حاضر تک' جابر بن حیان سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان تک' دنیائے اسلام کے 145 سائنس دانوں کے حالاتِ زندگی اور کارناموں میں ایک شاہکار تصنیف جس میں پہلی بار سائنس دانوں کی تصاویر استنبول کے عجائب گھر سے بطور خاص منگوا کر شامل کی گئی ہیں۔

بڑا سائز' باتصویر' قیمت 250 روپے

اسلامی سائنس

اُس عہد زریں کے سائنسی علوم کی داستان جب پوری دنیا پر اسلام کا سورج جگمگا رہا تھا۔ ریاضی' حساب' جیومیٹری' مساحت' فلکیات' علوم نجوم' طبیعیات' کیمیا' طب' ارضیات' معدنیات' حیوانیات' جغرافیہ اور زراعت پر سیر حاصل معلومات افروز تصنیف۔ بڑا سائز' باتصویر۔ قیمت 250 روپے

الفیصل ناشران' اردو بازار لاہور' فون نمبر: 7230777

سے انکار کر دیا تو انہی کے ایماء پر فیلڈ مارشل آکنلیک کو دہلی میں فون کیا گیا کہ وہ اگلے دن یعنی 28 اکتوبر کو لاہور پہنچ جائیں۔ 28 اکتوبر کو جنرل گریسی اور فیلڈ مارشل آکنلیک دونوں نے قائد اعظم سے ملاقات کی۔ قائد اعظم نے بھارت کے فوجی اقدام کے بارے میں حکومت پاکستان کی پالیسی ان دونوں کے سامنے رکھی اور اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ پاکستانی فوج بھارتی افواج کو طاقت کے بل پر ریاست کی قسمت کا فیصلہ کرنے سے روکے۔ دونوں انگریز افسروں نے قائد اعظم کے سامنے پاکستان آرمی کے ناکافی ہونے اور اس کے غیر منظم ہونے کا مبالغہ آمیز نقشہ کھینچا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قائد اعظم ان کی اس دلیل سے بھی مطمئن نہ ہوئے اور اس پر مصر رہے کہ پاکستان کو بھارت کی اس جارحیت کا جواب ضرور دینا چاہئے۔ چودھری محمد علی (سابق وزیر اعظم) ان دنوں حکومت پاکستان کے سیکرٹری جنرل تھے۔ ان کی روایت یہ ہے کہ اس کے جواب میں سر آکنلیک نے قائد اعظم کو واضح طور پر کہہ دیا کہ وہ اپنے اس ارادے کو ترک نہیں کریں گے اور اگر وہ بھارت کے خلاف فوج کشی کریں گے تو پاکستانی افواج کے تمام برطانوی افسر واپس بلا لئے جائیں گے۔

میجر جنرل فضل مقیم خان نے بھی برطانوی جنرلوں کی اس دھمکی کا ذکر کیا ہے: ''اس وقت چونکہ پاکستان آرمی، ایئر فورس اور نیوی میں تمام اعلیٰ عہدوں پر انگریز افسر فائز تھے اس لئے قائد اعظم اس دھمکی کے آگے بے بس ہو گئے۔ چنانچہ بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کو بے بس کر دینے والا دانشور اس مرحلے پر خود ہی مجبور ہو گیا اور اسے مجبوراً اپنا حکم واپس لینا پڑا۔

''حقیقت یہ ہے کہ اس نازک موقع پر انگریزوں کی بدعہدی نے پاکستان اور کشمیری عوام کو اس قدر بڑا نقصان پہنچایا کہ کشمیر' لاہور' جموں اور سیالکوٹ کی سرزمین پر لاکھوں مسلمانوں کا بہنے والا خون بھی آج تک اس کی تلافی نہیں کر سکا۔ اگر جنرل گریسی دو بٹالین بھی بھیجنے پر راضی ہو جاتے تو آزاد فوج کے لئے سری نگر کو فتح کر لینا ذرا بھی مشکل نہ ہوتا۔ برڈ وڈ لکھتا ہے: ''اگر ایسا ہو جاتا تو وادیٔ کشمیر پر پاکستان بہت جلد اپنے قدم جما لیتا اور اس وقت پاکستان کے پاس اس سے کہیں زیادہ علاقہ ہوتا' جتنا کہ اس کے پاس ہے''۔

میجر جنرل فضل مقیم خان نے جن صاحب برڈ وڈ کا ذکر کیا ہے' وہ لارڈ برڈ وڈ ہے جو برطانیہ کا معروف مورخ و مصنف ہے۔ اس نے اپنی تالیف ''Two Nation and Kashmir'' جنرل گریسی اور سر آکنلیک کے اس فیصلے کو جائز ثابت کرنے کے لئے یہ بات پیدا کی ہے کہ ایک تو اس وقت پاکستانی فوج اس قابل نہ تھی کہ اسے اس مشن پر بھیجا جاتا' اور دوسرے یہ خطرہ بھی موجود تھا کہ اگر پاکستان اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج دیتا تو بھارت جواب میں مغربی پنجاب پر فوج کشی کر سکتا تھا۔

جہاں تک فوج کے کمزور ہونے کا تعلق ہے تو یہ فوج اس وقت بھی اتنی ہی کمزور تھی' جب ایک سال بعد جنرل گریسی کے مشورے سے اسے آزاد فوج کی مدد کے لئے کشمیر بھیجا گیا تھا اور وہاں جا کر اس نے ہر محاذ پر بھارتی فوج کو شکست دی۔ جنگ میں اصل فیصلہ کن قوت افراد کی تعداد اور فوجی ساز و سامان نہیں' بلکہ مقصد کی لگن اور وہ جذبہ ہوتا ہے' جس کی خاطر جنگ لڑی جا رہی ہو۔ پاکستانی فوج کے سپاہی اس وقت نہایت جوش میں تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کو اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کی مدد کرنے کا موقع دیا جائے۔ علاوہ ازیں تقسیم کے دوران بھارتی علاقوں میں ہونے والے مسلمانوں کے قتل عام نے ہندوؤں کے لئے ان کے دلوں میں غم و غصے کے جذبات پیدا کر دیئے تھے اور انتقام کی آگ ان کے دلوں میں سلگ رہی تھی۔ اگر ان کی ایک قلیل تعداد کو بھی کشمیر میں بھیج دیا جاتا تو بھارت کی عظیم افرادی قوت اور اسلحہ نیز ساز و سامان کی کثرت دھری کی دھری رہ جاتی۔ آج تک کسی ملک نے کوئی جنگ کبھی بہترین حالات میں نہیں لڑی' اور جب کسی ملک پر جنگ مسلط کر دی جاتی ہے تو پھر' وہ اپنی کمزوریوں کو نہیں دیکھتا' بلکہ دشمن کی کمزوریوں کو دیکھتا ہے۔

مغربی پنجاب پر بھارت کی فوج کشی کی دلیل بھی اتنی ہی کمزور ہے جتنی کہ پہلی۔ اس وقت بھارت ہرگز اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا کہ پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں کو عبور کر لے' جو صرف تین ماہ پہلے وجود میں آیا تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھارت کا گورنر جنرل تھا اور بھارت کی طرف سے کئے جانے والے اس طرح کے کسی بھی اقدام کی ذمہ داری ماؤنٹ بیٹن کی وساطت سے برطانوی حکومت پر بھی عائد ہوتی تھی' اور برطانوی حکومت اس قدر بڑی ذمہ داری اپنے سر لینے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوتی۔ پھر بھارت اس وقت ریاستوں کا الحاق حاصل کرنے میں مشغول تھا اور جنوبی ہند اور وسطی ہند سے فوجوں کو پاکستان کی سرحدوں پر لے جانا' اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ بہر حال اگر بھارت مغربی پنجاب پر فوج کشی کی حماقت کر بھی بیٹھتا تو اسے یقیناً پاکستان سے کچھ زیادہ ہی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا......لیکن سوال یہ ہے کہ یہ خطرہ تو اس وقت بھی موجود تھا جب 1948ء کے وسط میں پاکستان نے اپنی فوجیں کشمیر بھیجیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ بھارت کشمیر پر اپنی پے در پے شکستوں کے باوجود اس امر کی جرأت نہیں کر سکا کہ وہ مغربی پنجاب میں ایک دوسرا محاذ کھول دے۔

آزادیٔ کشمیر کی تاریخ کا یہ باب نہایت افسوس ناک ہے کہ برطانوی افسروں کی بدعہدی اور پاکستان دشمنی کی بنا پر قائد اعظم کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ پاکستانی فوج فوراً وادیٔ کشمیر میں بھیج دی جائے۔ برڈ وڈ لکھتا ہے: ''جب جنرل گریسی اور سر آکنلیک نے قائد اعظم کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تو وہ بے حد پریشان ہو گئے اور قائد اعظم کے معالج کرنل الٰہی بخش کا بیان ہے: ''یہ کشمیر کا غم ہی تھا کہ جس نے ان کی جان لے لی''۔

کشمیر کی شاہراہیں

کشمیر کو پاکستان سے گیارہ شاہراہیں جاتی ہیں۔ ایبٹ آباد سے بالاکوٹ بذریعہ مانسہرہ' راولپنڈی سے مری' راولاکوٹ' کہوٹہ' آزاد پتن' کہوٹہ' گل پور۔ جہلم سے میرپور اور وہاں سے کوٹلی یا براستہ سوچیت گڑھ۔ لیکن بھارت سے کشمیر جانے کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ بھی تقسیم ہند کے بعد تعمیر کیا گیا ہے یعنی پٹھان کوٹ سے براستہ کٹھوعہ جموں' اور وہاں سے سری نگر

لاہور کانفرنس۔ یکم نومبر 1947ء

دونوں انگریز فوجی افسروں کے مشورے پر قائد اعظم نے اپنا حکم واپس لے لیا تو یہ طے ہوا کہ لاہور میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے' جس میں بھارت کی طرف سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور وزیر اعظم پنڈت نہرو' اور پاکستان کی طرف سے قائد اعظم اور وزیر اعظم لیاقت علی خان شریک ہوں' اور اس کانفرنس میں مسئلہ کشمیر کے حل کی کوئی راہ نکالی جائے۔ ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی اور ماؤنٹ بیٹن اور پنڈت نہرو دونوں نے وعدہ کیا کہ وہ 29 اکتوبر کو لاہور پہنچ جائیں گے' لیکن 29 اکتوبر کو پنڈت نہرو کی ''علالتِ طبع'' کے باعث کانفرنس منعقد نہ ہو سکی۔ یکم نومبر کو صرف لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ یہ کانفرنس وزرائے اعظم کی عدم موجودگی ہی میں ہو گئی۔

لاہور کانفرنس کے دوران قائد اعظم نے ماؤنٹ بیٹن کے سامنے درج ذیل سہ نکاتی تجویز پیش کی:

(1) لڑائی کو فوراً ختم کرنے کے لئے دونوں حکومتیں دونوں گورنر جنرلوں کو مکمل اختیار دے دیں کہ وہ فوری طور پر ایک اعلان جاری کریں' جس میں متحارب فوجوں کو نوٹس دیا جائے کہ وہ اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر جنگ بند کر دیں۔ ہمیں عارضی حکومت (آزاد کشمیر) یا برسرپیکار قبائلیوں پر کوئی اختیار نہیں ہے' لیکن ہم انہیں واضح ترین الفاظ میں متنبہ کر دیں گے کہ انہوں نے متارکۂ جنگ کا حکم فوراً تسلیم نہ کیا تو دونوں مملکتوں کی فوجیں ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں گی۔

(2) ریاست جموں و کشمیر کے علاقے کو بھارتی فوجیں اور قبائلی ایک ساتھ خالی کریں۔

(3) دونوں مملکتوں کی حکومتوں کی منظوری سے دونوں گورنر

انجمن خدّام القرآن سندھ ، کراچی کی کاوشیں

کیسٹ کلب اسکیم

قرآن وحدیث کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ پر ایمان افروز تبصرے کے ساتھ خطابِ جمعہ کا کیسٹ ہر ہفتہ آپ کے گھر پہنچانے کی اسکیم

سالانہ ممبر شپ فیس :-/500 روپے

آسان عربی گرامر

ویڈیو کیسٹس/ VCDs

گھر بیٹھ کر عربی گرامر کے قواعد سیکھئے یا کسی بھی مقام پر عربی گرامر کلاسز منعقد کیجئے

مکمل عربی گرامر کی تدریس

28 ویڈیو کیسٹس / 84 VCDs

میں دستیاب ہے

Qtv پر قرآن فہمی کلاس

Qtv پر Q Campus پروگرام میں انجمن کی مرتب کردہ کتاب ''عربی گرامر برائے قرآن فہمی'' کے ذریعہ تدریس کا عمل جاری ہے۔ یہ کتاب آسان عربی گرامر کی چاروں کتابوں کی تلخیص پر مشتمل ہے۔ یہ کلاس Direct method کے ذریعہ ترجمۂ قرآن سیکھنے کے لئے مفید ہے۔

سود

حرمت ۔ خباثتیں۔ اشکالات

ایک مختصر لیکن نہایت جامع اور مفید کتاب جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں سود سے متعلق تمام ضروری وبنیادی معلومات اور اعتراضات کے مدلل جوابات شامل کیے گئے ہیں

منتخب نصاب حصہ اوّل تا چہارم

نکات برائے درس وتدریس

دینِ اسلام اور اس کے تقاضوں کے فہم کے لئے منتخب نصاب قرآنی کی درس وتدریس انتہائی مفید ہے

نکات کی صورت میں آیات کا لفظی ترجمہ، تمہیدی وتفسیری تفاصیل موضوع سے متعلق قرآنِ کریم کی دیگر آیات واحادیث کے حوالہ جات

چہرے کا پردہ

علماء ومشائخ مفکرین، اور ادباء کے مستند مضامین کا ایک گراں قدر مجموعہ

قرآن وسنت کی روشنی میں شرعی پردے کے احکامات، ان احکامات کی حکمت، چہرے کے پردے کے لئے دلائل، اُمت کا متواتر عمل اور اس حوالے سے اشکالات و اعتراضات کے جوابات کتابی صورت میں

اہم دینی موضوعات

- اسلام مذہب ہے یا دین؟
- دینِ اسلام پر عمل کیسے کریں؟
- جہاد فی سبیل اللہ
- نبی اکرم ﷺ نے دین کیسے غالب کیا؟
- اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت اور اساس

نکات برائے درس وتدریس

کتابی صورت میں

ایک سالہ قرآن فہمی کورس

دنیا اور آخرت کی کامیابی کے حصول کے لئے دینی وجدید علوم کا سیکھنا ضروری ہے

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کو قواعدِ تجوید، عربی گرامر، ترجمۂ وتفسیر قرآن وحدیث اور دینی وتحریکی لٹریچر کی تعلیم کا اہتمام باصلاحیت اساتذہ کے زیرِ نگرانی

آغاز ہر سال رمضان المبارک کے بعد

لائبریریز اور مکتبہ جات کے پتے

1- 11- داؤد منزل' نزد فریسکو سوئیٹ' آرام باغ
2- حق اسکوائر' عقب اشفاق میموریل ہسپتال' یونیورسٹی روڈ' گلشنِ اقبال
3- قرآن مرکز' نزد مسجد طیبہ' سیکٹر 35/A' کورنگی نمبر 4
4- فلیٹ نمبر 2، محمدی منزل' بلاک ''K''، نارتھ ناظم آباد
5- C-113 مادام اپارٹمنٹس، نزد چھوٹا گیٹ' ایئر پورٹ
6- قرآن اکیڈمی یٰسین آباد ' فیڈرل بی ایریا
7- متصل محمدی آنوز، اسلام چوک، سیکٹر 1/2-11، اورنگی ٹاؤن
8- رضوان سوسائٹی بس اسٹاپ، یونیورسٹی روڈ۔
9- حق چیمبر، بالمقابل بسم اللہ تقی ہسپتال، کراچی ایڈمن سوسائٹی

قرآن اکیڈمی، DM-55، خیابانِ راحت، درخشاں، ڈیفنس فیز 6، کراچی

فون : 23-5340022، فیکس : 5840009 ای میل : karachi@quranacademy.com ویب سائٹ : www.quranacademy.com

جنرلوں کو مکمل اختیارات دیے جائیں کہ وہ ریاست جموں و کشمیر میں امن بحال کریں۔ اس کا نظم و نسق چلائیں اور کسی تاخیر کے بغیر اپنی نگرانی میں استصواب منعقد کرنے کا انتظام کریں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ تجاویز سننے کے بعد کہا کہ چونکہ وہ بھارت کا محض آئینی سربراہ ہے' اس لئے وہ اپنے اختیار سے ان تجاویز کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ دہلی جا کر قائداعظم کی یہ تجاویز بھارتی حکومت کے سامنے پیش کر دے گا اور بہت جلد حکومت پاکستان کو بھارتی حکومت کے ردعمل سے آگاہ کر دیا جائے گا۔

بھارت نے ایک عرصے تک تو ان تجاویز کا جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ پھر جب وزیراعظم پنڈت نہرو نے جواب دیا تو وہ ان تجاویز کو مسترد کرنے کے برابر تھا۔

پنڈت نہرو کی جوابی تجاویز یہ تھیں:

(1) پاکستان ''حملہ آوروں'' کو ریاست سے نکالنے کی ''زیادہ سے زیادہ سعی'' کرنے کا پکا وعدہ کرے۔

(2) بھارتی فوج اس وقت تک ریاست میں موجود رہے گی' جب تک حملہ آور نکل نہیں جاتے۔

(3) استصواب اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہو۔

(11) کشمیر: اقوام متحدہ میں (یکم جنوری 1948)

❁ بھارت کے اس رویے کے پیش نظر اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ باہمی گفت و شنید سے مسئلے کے حل پر آمادہ ہو جائے گا' ایک دور از کار بات تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے پاکستان ہی کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ اب جبکہ دونوں حکومتیں کسی ایک بات پر متفق نہیں ہو سکیں' اس لئے بہتر ہے کہ معاملہ اقوام متحدہ کی ثالثی کے لئے پیش کر دیا جائے۔

بھارت سے متنازعہ الحاق کے چار دن بعد پنڈت نہرو نے 31 اکتوبر 1947ء کو وزیراعظم پاکستان کے نام ایک تار میں لکھا:

''ہمارا یہ وعدہ کہ امن و امان قائم ہوتے ہی ہم اپنی فوجوں کو واپس بلا لیں گے اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ریاست کے عوام کی مرضی پر چھوڑ دیں گے' صرف آپ ہی کے سامنے نہیں ہے' بلکہ ریاست کے عوام اور پوری دنیا کے سامنے ہے''۔

وزیراعظم پاکستان نے برطانوی وزیراعظم لارڈ ایٹلی کے نام 24 نومبر کو اپنے تار میں لکھا: ''بھارتی حکومت اور پنڈت نہرو کشمیر میں رائے شماری کا جو بار بار وعدہ کر رہے ہیں' وہ محض دنیا کو دھوکا دینے کے لئے ہے''۔

پاکستان نے اس موقع پر بھارت اور دوسرے ممالک کو مطلع کر دیا کہ وہ ریاست میں استصواب کے لئے اقوام متحدہ سے رجوع کرے گا۔ یہ صورتِ حال بھارت کے لئے پریشان کن تھی۔ چنانچہ پیشتر اس کے کہ پاکستان یہ قدم اٹھاتا' بھارت نے مسئلے کی نوعیت تبدیل کرنے کے لئے اور عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لئے خود آگے بڑھ کر سلامتی کونسل میں یکم جنوری 1948ء کو اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ 35 کے تحت مسئلہ کشمیر پیش کر دیا۔ یہ دراصل اس امر کا اعتراف تھا کہ ریاست میں اس کی فوجی طاقت شکست کھا چکی ہے۔ بھارت نے سلامتی کونسل میں جو شکایات پیش کی تھیں' وہ یہ تھیں:

(1) 27 اکتوبر کو مہاراجہ کشمیر نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ کیا۔

(2) 22 اکتوبر کو قبائلیوں اور پاکستان کے مسلح شہریوں نے ریاست پر حملہ کر دیا۔

(3) مسلح حملہ آور پاکستانی علاقے سے ہو کر آ رہے ہیں' اور ان کو فوجی ساز و سامان' ٹرانسپورٹ' پٹرول اور دیگر سامانِ رسد پاکستان ہی سے مل رہا ہے۔

(4) پاکستانی فوج کے افسر حملہ آوروں کی تربیت' رہنمائی اور امداد کر رہے ہیں۔

بھارت نے سلامتی کونسل سے درخواست کی کہ وہ پاکستان کو ہدایت کرے کہ:

(1) پاکستان اپنے سول اور فوجی حکام کو حملہ آوروں کی مدد کرنے سے منع کرے۔

(2) اپنے شہریوں سے کہے کہ وہ جموں و کشمیر کی لڑائی میں حصہ لینے سے احتراز کریں۔

(3) حملہ آوروں کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے اپنا علاقہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دے اور انہیں فوجی امداد اور دیگر سامانِ رسد مہیا نہ کرے۔

سلامتی کونسل نے 6 جنوری 1948ء کو مسئلہ کشمیر اپنے ایجنڈے پر رکھا۔ بھارت کی طرف سے ریاست جموں و کشمیر کے سابق وزیراعظم مسٹر گوپال سوامی آئنگر اور شیخ محمد عبداللہ اور پاکستان کی طرف سے سر محمد ظفر اللہ خان نے وکالت کی۔

حکومت پاکستان نے اپنی شکایت میں کہا کہ بھارت کے ساتھ مہاراجہ کا الحاق فراڈ اور تشدد پر مبنی ہے اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ پاکستان کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ تمام پاکستانی باشندوں اور بالخصوص قبائلیوں کو کشمیر میں جانے سے روکنا ممکن نہیں ہے جو اپنے کشمیری بھائیوں کو ظلم و تشدد کے پنجے سے چھڑانے کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ اگرچہ پاکستان کی تمام تر اخلاقی ہمدردیاں مجاہدینِ آزادی کے ساتھ ہیں' لیکن اس نے ابھی تک انہیں کوئی مالی' فوجی یا مادی امداد نہیں دی ہے۔

حکومت پاکستان نے مسئلے کے حل کے لئے حسب ذیل تجاویز سلامتی کونسل کے سامنے رکھیں:

(1) کشمیر میں جنگ بند کرانے کے لئے اقوام متحدہ کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔

(2) ریاست میں جتنے افراد باہر سے داخل ہوئے ہیں' خواہ وہ بھارت کے ہوں یا پاکستان کے' انہیں واپس بلایا جائے۔

(3) وہ مہاجرین جو ڈوگرہ اور بھارتی افواج کے ظلم کی تاب نہ لا کر پاکستان آ گئے ہیں' ان کو دوبارہ ریاست میں جانے کی اجازت دی جائے۔

(4) ریاست میں غیر جانبدار اور نمائندہ حکومت قائم کی جائے۔

(5) اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ ریاست کے عوام پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ' اقوام متحدہ کی نگرانی میں استصواب کرایا جائے۔

بھارتی نمائندہ اگرچہ بار بار استصواب کا وعدہ بھی کر رہا تھا' لیکن اس کا اصرار تھا کہ سلامتی کونسل اپنی بحث اور فیصلوں کو صرف جنگ بندی اور ''حملہ آوروں'' کی واپسی تک ہی محدود رکھے۔ ریاست میں امن و امان قائم ہو جانے کے بعد استصواب کے بارے میں بھارت کا موقف یہ تھا کہ یہ شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کے تحت منعقد کرایا جائے گا جو ریاست کی نمائندہ اور غیر جانب دار حکومت ہے۔ اقوام متحدہ اگر چاہے تو استصواب کے دوران میں اپنے مبصر بھیج سکتی ہے۔

لطف یہ ہے کہ مسٹر گوپال سوامی آئنگر جس شیخ عبداللہ کی غیر جانبداری کی تشہیر کر رہے تھے' وہ شیخ عبداللہ سلامتی کونسل میں اپنی دھواں دار تقریر کے دوران میں یہ کہہ چکے تھے کہ ''میں موت گوارا کر سکتا ہوں' لیکن پاکستان کے ساتھ شامل ہونا گوارا نہیں کر سکتا۔ ہم ایسے ملک کو منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتے''۔

شیخ صاحب جوشِ تقریر میں یہاں تک کہہ گئے کہ ''اگر خود اللہ میاں زمین پر اتر آئیں اور سری نگر حکومت کا چارج سنبھال لیں تو وہ بھی غیر جانبدار نہ رہ سکیں گے''۔ یہ صاف صاف پاکستان کے موقف کی تائید تھی۔ چنانچہ جب

برطانیہ کے مندوب نے شیخ صاحب سے یہ سوال کیا کہ جب آپ کے خیال میں اللہ میاں تک سری نگر میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتے تو پھر آپ کیسے رہ سکتے ہیں؟ تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

دونوں ملکوں کی شکایات پر غور کرنے کے بعد **17** جنوری **1948**ء کو سلامتی کونسل نے قرارداد منظور کی، جس میں دونوں حکومتوں سے درخواست کی گئی کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے صورتِ حال کے مزید بگڑنے کا امکان ہو۔

30 جنوری **1948**ء کو سلامتی کونسل نے ایک اور قرارداد منظور کی، جس کے تحت تین ارکان کا ایک کمیشن مقرر کیا گیا اور اس کمیشن کو ہدایت کی گئی کہ وہ جلد از جلد برعظیم جا کر حالات کا جائزہ لے اور اپنی رپورٹ پیش کرے۔

17/جنوری والی قرارداد کے مطابق سلامتی کونسل کے صدر نے پاکستان اور بھارت کے نمائندوں کے ساتھ الگ الگ اور مشترکہ متعدد بار ملاقاتیں کیں، تا کہ فریقین کو کسی متفقہ پروگرام پر راضی کیا جا سکے۔ سلامتی کونسل کے تمام ارکان اس امر پر متفق تھے کہ مہاراجہ کا الحاق کافی نہیں ہے اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے عوام ہی کر سکتے ہیں۔ کونسل کے ارکان یہ چاہتے تھے کہ جنگ بندی اور فریقین کے مسلح افراد کی واپسی رائے شماری کے ساتھ مشروط ہونی چاہئے۔

یہ صورت حال بھارتی سیاست دانوں کے لئے خاصی پریشان کن تھی۔ چنانچہ فروری **1948**ء کے وسط میں بھارتی وفد نے سلامتی کونسل کے اجلاس کو ملتوی کرنے کی درخواست دی اور کہا: ''جس مسئلے کو ہم یہاں لے کر آئے تھے اسے دوسرے مسائل کے نیچے دبا کر رکھ دیا گیا ہے ایسے مسائل کے نیچے جن کو ہم جنگ بندی کے بعد طے کر سکتے ہیں''۔

اصل میں **6** فروری **1948**ء کو سلامتی کونسل کے صدر ایک اور قرارداد کا مسودہ پیش کر چکے تھے اور یہ قرارداد مسئلہ کشمیر کے مستقل حل اور استصواب کے طریق کار کے بارے میں واضح ہدایات کی حامل تھی۔ بھارت کو یہ امید ہرگز نہ تھی کہ سلامتی کونسل اس قدر جلد مسئلے کا ایک ٹھوس اور حقیقی حل متفقہ قرارداد کی صورت میں اس کے سامنے لا کر رکھ دے گی۔

بہر حال بھارت نے چونکہ سلامتی کونسل میں مقدمہ پیش کرتے وقت مسئلے کی نزاکت کے پیش نظر فوری اقدام کی دہائی دی تھی اس لئے اب کونسل کے اکثر ارکان جو التوا کے لئے بھارتی درخواست کے اصل اسباب سے بے خبر تھے اس پر بہت متعجب ہوئے۔ لارڈ برڈ ووڈ لکھتا ہے:

''التوا کی درخواست سلامتی کونسل میں مقبول نہ ہو سکی۔ کونسل کے ممبر اس مشکل میں پڑ گئے کہ وہ اس التوا کی درخواست کو مسٹر آئنگر کے ان سابقہ بیانات کی روشنی میں کیا سمجھیں، جن میں صورتِ حال کی نزاکت کے پیش نظر فوری فیصلہ کرنے کو کہا گیا تھا''۔

لیکن سلامتی کونسل میں امریکہ کے نمائندے کو التوا کی اصل وجہ سمجھنے میں دقت نہ ہوئی۔ امریکی نمائندے نے بھارتی درخواست پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے بھارتی نمائندے کی خواہش یہ رہی ہو کہ کونسل جنگ بندی کے بارے میں اس طرح کا رجحان ظاہر کرے کہ وہ بھی اس جنگ میں ایک فریق نظر آئے۔ پاکستان کو ڈانٹ ڈپٹ پلائے اور بھارت کو اس کی چھوٹ دے دے کہ وہ طاقت کے زور پر قبائلیوں کا خاتمہ کر کے معاملہ طے کر لے''۔

اس طرح کے خدشات کا اظہار برطانیہ اور کولمبیا کے نمائندوں نے بھی کیا۔ چین کے نمائندے نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا: ''ریاست کی مسلم آبادی اور قبائلیوں کو مطمئن کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ ایک ایسی سکیم کا اعلان کر دیا جائے جو ریاست میں آزادانہ اور غیر جانب دارانہ رائے شماری کی ضمانت دیتی ہو''۔

امریکی نمائندے نے کہا: ''امن قائم کرنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ دونوں فریق کسی ایسے طریق کار پر متفق ہو جائیں، جس میں استصواب کی متفق علیہ اسکیم پیش کی گئی ہو، ایسی اسکیم جس کے بارے میں یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکے کہ اس کے تحت استصواب آزادانہ، غیر جانبدارانہ اور منصفانہ ہوگا''۔

ارجنٹائن کے نمائندے نے کہا: ''موجودہ جنگ کا اصل سبب کشمیری عوام کی اپنے حکمران کے خلاف بغاوت ہے اور اس کو ختم کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ کشمیری عوام کی رائے معلوم کی جائے۔ جنگ اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی، جب تک کہ استصواب کے انعقاد کے مسئلے کو اولین اہمیت کا حامل قرار دے کر طے نہ کیا جائے''۔

گو اس وقت تک مسئلہ کشمیر پر کوئی فیصلہ کن قرارداد تو منظور نہ کی جا سکی۔ لیکن سلامتی کونسل کے تمام ممبروں نے پوری وضاحت کے ساتھ اس امر کی تصدیق کر دی کہ اس مسئلے کا واحد حل ''استصواب'' ہے جو اقوام متحدہ کی نگرانی میں منعقد ہونا چاہئے۔ بہر حال اس وقت بھارت کی التوا کی درخواست منظور کر لی گئی۔

ابتدائی قرارداد۔ 21 اپریل 1948ء

مارچ کے دوسرے ہفتے میں بھارتی وفد کی واپسی پر سلامتی کونسل کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا۔ کونسل کے صدر نے دونوں وفود کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ بھارت ابھی تک اپنے اس موقف پر مصر تھا کہ استصواب شیخ عبداللہ کی حکومت کی نگرانی ہی میں ہونا چاہئے۔ چنانچہ مسٹر آئنگر نے **10** مارچ **1948**ء کی کونسل میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''سلامتی کونسل کی کوئی بھی ایسی کوشش جس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہو کہ اس خود مختار ریاست کی اندرونی ریاست کو ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے جن کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں یا جو ریاست کے عوام کے معتمد علیہ نہیں، ہمارے لئے ناقابل قبول ہے اور میں بصد ادب گزارش کروں گا کہ وہ ہم سے اس طرح کا مطالبہ نہ کرے''۔

سر محمد ظفر اللہ خان نے اس کے جواب میں کہا:

''میں نہایت ادب سے سلامتی کونسل کے سامنے یہ بات رکھنا چاہتا ہوں کہ جو استصواب بھارتی فوج کی موجودگی اور شیخ عبداللہ جیسے شخص کی نگرانی میں منعقد ہوگا، وہ کسی غیر جانبدار شخص کو مطمئن نہیں کر سکے گا''۔

بحث و تمحیص، گفت و شنید اور ملاقاتوں کے بعد **17**/اپریل کو برطانیہ، بلجیم، کینیڈا، کولمبیا اور امریکہ نے مشترکہ طور پر ایک قرارداد کا مسودہ کونسل میں پیش کیا۔ یہ قرارداد جو **21**/اپریل کو متفقہ طور پر منظور کر لی گئی، مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل تھی۔ اس کے تحت **5** ممبروں پر مشتمل کمیشن اقوام متحدہ برائے ہندوستان و پاکستان مقرر کیا گیا کمیشن سے کہا گیا کہ وہ ریاست میں امن و امان کی بحالی اور استصواب کے انعقاد میں دونوں ملکوں کی امداد کرے اور دونوں حکومتوں سے بات چیت کے بعد کونسل کو رپورٹ پیش کرے کہ کونسل کے مشوروں اور فیصلوں پر کہاں تک عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔

(1) پاکستان سے کہا گیا کہ وہ اپنے شہریوں اور قبائلیوں کو ریاست سے واپس بلا لے۔

(2) بھارت ابتداء میں کمیشن کے مشورے سے اور پھر رائے شماری کے منتظم کے مشورے سے اپنی فوج کا

گلگت ایجنسی کا قیام

1888ء کے اوائل میں حکومت روس نے کوہ پامیر کی طرف سے پیش قدمی کی تا کہ وہ برطانوی ہند تک بھی اپنے نظریات کا پرچار اور اپنے مقبوضات میں توسیع کر سکے، لیکن حکومت برطانیہ نے روس کا سدباب کرنے کے لئے فوری کارروائی کی۔ حکومت برطانیہ نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے ایک انگریز افسر گلگت بھیجا جائے جو گلگت، ہنزہ اور نگر وغیرہ کے اندرونی حالات معلوم کر کے حکومت کو مطلع کرے۔ یوں گلگت ایجنسی قائم ہوئی۔

زیادہ حصہ ریاست سے واپس بلا لے اور صرف اسی قدر فوج ریاست میں باقی رکھے جو امن وامان کے قیام کے لئے ضروری ہو۔

(3) امن وامان کے قیام کے لئے مقامی افراد کی فوج تیار کی جائے اور اگر وہ اس مقصد کے لئے ناکافی ہو تو کمیشن پاکستان یا بھارت کسی بھی ملک سے فوج کا کچھ حصہ اس مقصد کے لئے طلب کرسکتا ہے۔

(4) استصواب کی تیاری اور اس کے دوران ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے ایک مشترکہ حکومت کا قیام جو ریاست کی بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔

(5) ریاست میں استصواب کے لئے منتظم کا تقرر۔ رائے شماری کے منتظم کو اقوام متحدہ کا سیکرٹری جنرل نامزد کرے گا اور وہ ضروری اختیارات کا حامل ہوگا۔

(6) حکومت بھارت اس کی ضمانت دے کہ ریاست میں آزادی رائے کی اجازت ہوگی اور ریاست کے باشندوں کو ریاست میں آمدورفت کی اجازت ہوگی۔

(7) ریاست سے وہ تمام بھارتی باشندے واپس بلا لئے جائیں گے جو معمولاً وہاں نہ رہتے ہوں۔

(8) سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں اور مہاجرین کو واپس ریاست میں جانے کی اجازت دی جائے۔

بھارت نے قرارداد منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ بعض امور میں یہ قرارداد پاکستان کے موقف کے عین مطابق نہ تھی' لیکن پاکستان نے اسے قبول کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ بھارت نے قرارداد تو مسترد کر دی لیکن کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔

اقوام متحدہ کا کمیشن برائے پاک و ہند

7 مئی 1948ء کو کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔ سلامتی کونسل نے بلجیم اور کولمبیا کو نامزد کیا۔ بھارت نے چیکوسلوا کیہ اور پاکستان نے ارجنٹائن کو منتخب کیا اور ان چاروں نے مل کر امریکہ کو نامزد کیا۔

یہ کمیشن جولائی 1948ء تک تو جنیوا میں اپنے آئندہ لائحہ عمل کے لئے طریقہ کار طے کرتا رہا۔ جولائی کے اوائل میں کمیشن کے ارکان برصغیر پہنچے اور انہوں نے جنگ بندی اور مسئلے کے دوسرے پہلوؤں پر دونوں حکومتوں سے بات چیت شروع کر دی۔ ملاقاتوں اور طویل مذاکرات کے بعد کمیشن نے 13 اگست 1948ء کو اپنی پہلی قرارداد منظور کی۔ اس قرارداد کا متن یہ ہے:

ریاست جموں و کشمیر کی موجودہ صورت حال کے بارے میں بھارت و پاکستان کے نمائندوں کے موقف پر احتیاط سے غور و خوض کرنے کے بعد اور یہ رائے رکھتے ہوئے کہ لڑائی فوراً بند ہونا اور ان حالات کی اصلاح جن کے جاری رہنے سے بین الاقوامی امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے' اقوام متحدہ کی ان مساعی کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہے جو اس مسئلے کا آخری حل تلاش کرنے کی خاطر بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کی مدد کے لئے اختیار کی گئی ہیں۔

کمیشن بھارت اور پاکستان کو حسب ذیل تجاویز پیش کرنے کی قرارداد پیش کرتا ہے:۔

(الف) بھارت اور پاکستان کی حکومتیں ان تجاویز کو منظور کر لینے کے بعد چار دن کے اندر اندر کسی ایسی قریب ترین تاریخ کے تعین پر اتفاق کریں گی جب ہر دو حکومتوں کی متعلقہ ہائی کمانیں علیحدہ علیحدہ اور بیک وقت اپنے ماتحت جملہ افواج کو ریاست جموں و کشمیر میں جنگ بندی کے احکام جاری کریں گی۔

(ب) بھارت اور پاکستان کی افواج کی ہائی کمانیں ایسے اقدام سے اجتناب پر متفق ہوں گی جن سے ریاست جموں و کشمیر میں ان کی متعینہ افواج کی عسکری قوت میں اضافہ ہو۔ (جہاں تک ان تجاویز کا تعلق ہے زیر اختیار افواج کے مفہوم میں وہ تمام منظم اور غیر منظم سپاہ شامل ہیں جو ہر دو جانب حرب و ضرب میں شریک ہیں)

(ج) بھارتی اور پاکستانی' افواج کے لئے جنگ

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں:

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹس کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جاسکتا ہے۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I,II,III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیات قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501

بندی میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے فی الفور افواج کے موجودہ مواقع میں ضروری مقامی تبدیلیوں کے بارے میں مشورہ کرتے رہیں۔

(د) کمیشن اپنی دانست کے مطابق' اور جیسا وہ قابل عمل محسوس کرے' ایسے فوجی مبصر مقرر کرے گا جو کمیشن کے زیر اختیار اور دونوں ملکوں کی فوجی کمانوں کے تعاون سے جنگ بندی کے حکم پر عمل درآمد کی نگرانی کریں گے۔

بھارت اور پاکستان کی حکومتیں اپنے اپنے عوام سے یہ اپیل کرنے پر اتفاق کرتی ہیں کہ وہ ایسا سازگار ماحول پیدا کرنے اور اسے برقرار رکھنے میں مدد دے گی جو مزید مذاکرات کو ترقی دینے کے لئے ممدومعاون ہو۔

حصہ دوم

حصہ اول میں فوری جنگ بندی کی تجاویز' قبول کرنے کے ساتھ ہی دونوں حکومتیں مندرجہ ذیل اصولوں کو معاہدہ صلح مرتب کرنے کی بنیاد کے طور پر قبول کرتی ہیں' جن کی تفاصیل دونوں کے نمائندوں اور کمیشن کی باہمی گفتگو سے طے پائیں گی۔

(الف)

(1) چونکہ پاکستانی افواج کی ریاست جموں وکشمیر کے علاقے میں موجودگی اس صورت حال میں' جو پاکستان نے سلامتی کونسل کے روبرو پیش کی تھی' نمایاں تبدیلی پیدا کردیتی ہے' اس لئے حکومت پاکستان ریاست سے اپنی افواج ہٹالینے پر رضامند ہے۔

(2) حکومت پاکستان ریاست جموں وکشمیر سے قبائلیوں اور ان پاکستانی شہریوں کو جو معمولاً وہاں بودوباش نہیں رکھتے اور وہاں جنگ کی غرض سے داخل ہوئے ہیں' ہٹا لینے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔

(3) آخری فیصلہ ہونے تک جو علاقہ پاکستانی فوجوں نے خالی کردیا ہے اس کا انتظام کمیشن کے زیر نگرانی مقامی حکام کریں گے۔

(ب)

(1) جب کمیشن بھارتی حکومت کو یہ اطلاع دے دے گا کہ وہ قبائلی اور پاکستانی شہری جن کا ذکر حصہ دوم میں کیا گیا ہے' جموں وکشمیر سے چلے گئے ہیں' اور بنابریں وہ صورت حال ختم ہوچکی ہے' جس کے متعلق بھارتی حکومت نے سلامتی کونسل کے سامنے کہا تھا کہ یہی بھارتی افواج کے جموں وکشمیر میں داخل ہونے کا باعث ہوئی۔ نیز یہ کہ جموں وکشمیر سے پاکستانی افواج کا انخلاء عمل میں آرہا ہے تو بھارتی حکومت جیسا کہ کمیشن کے ساتھ طے پایا ہے' اقرار کرتی ہے کہ وہ ریاست سے اپنی بیشتر فوجوں کو آہستہ آہستہ واپس ہٹانا شروع کرے گی۔

(2) ریاست جموں وکشمیر میں صورت حال کے آخری فیصلے کے متعلق شرائط قبول کرنے تک بھارتی حکومت ان حدود میں جو جنگ بندی کے وقت مقرر ہوئی تھیں' اپنی افواج کی وہ کم از کم تعداد رکھے گی جو کمیشن کے اتفاق رائے کے مطابق قانون وامن کو برقرار رکھنے کی خاطر مقامی حکام کی امداد کے لئے ضروری خیال کی جائے۔

(3) بھارتی حکومت اس امر کی ضمانت دیتی ہے کہ وہ ریاست جموں وکشمیر میں حتی الامکان وہ تمام تدابیر اختیار کرے گی جس سے عوام کو یہ اطلاع فراہم کی جائے کہ امن' قانون اور نظم وضبط کا تحفظ کیا جائے گا اور تمام انسانی اور سیاسی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔

(ج)

اس معاہدہ صلح پر دستخط ہوجانے کے بعد اعلامیہ کا مکمل متن عوام کی اطلاع کے لئے شائع کیا جائے گا جس میں دونوں حکومتوں اور کمیشن کے مابین طے شدہ اصولوں کا اندراج ہو۔

حصہ سوم

بھارت اور پاکستان دونوں کی حکومتیں اپنی اس خواہش کی دوبارہ تصدیق کرتی ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر کی آئندہ حیثیت عوام کی مرضی کے مطابق طے کی جائے گی اور اس مقصد کے لئے صلح نامہ کی شرائط کو قبول کرلینے کے بعد دونوں حکومتیں کمیشن کے بارے میں مذاکرات کریں گی کہ ایسی مناسب اور منصفانہ شرائط متعین کی جائیں جس سے آزادانہ اظہار رائے کی ضمانت ہو۔

(قرارداد منظور شدہ 13 اگست 1948ء)

اس بنیادی قرارداد میں استصواب ہی کو مسئلے کا حل قرار دیا گیا تھا۔ لیکن استصواب کے طریق کار کا کوئی ذکر نہ تھا۔ بھارت نے اسے اپنے موقف سے زیادہ قریب پاتے ہوئے فوراً قبول کرلیا۔ قائداعظم نے جو اس وقت حیات تھے اپنے وفد کو ہدایت کی کہ یہ قرارداد اس وقت تک منظور نہ کی جائے جب تک اس میں استصواب کے طریقہ کار کا تفصیلی ذکر نہ کیا جائے۔

بعد میں پاکستان نے 13 اگست کو قرارداد اس شرط پر منظور کرلی کہ استصواب کے بارے میں کمیشن اسی طریقہ کار کو مدنظر رکھے جو سلامتی کونسل کی 21 اپریل 1948ء کی قرارداد میں طے کیا گیا ہے۔ کمیشن نے 13 اگست کی قرارداد کو ناکافی اور نامکمل سمجھتے ہوئے 5 جنوری 1948ء کو ایک اور قرارداد منظور کی۔ اس قرارداد کا متن یہ ہے:

5 جنوری 1948ء کی قرارداد کا متن

کمیشن اقوام متحدہ برائے بھارت وپاکستان نے ہر

جامع مسجد

یہ پُرشکوہ مسجد زینہ کدل کے بالکل قریب ہے۔ 801ء میں اس کی تعمیر سلطان سکندر بت شکن نے شروع کرائی تھی۔ مسجد میں داخل ہونے کے لئے تین دروازے ہیں اور مغربی دیوار میں ایک مخصوص دروازہ بنایا گیا ہے جسے "شاہی دروازہ" کہتے ہیں۔ سلطان سکندر کے زمانے سے لے کر کشمیر میں ڈوگرہ عہد کی ابتدا تک جامع مسجد کو کئی روح فرسا حادثے پیش آئے' مگر ہر مرتبہ خانہ خدا اپنی نئی آب وتاب سے جلوہ نمائی کرتا رہا۔ 885ء میں یہ مسجد آتش زدگی کی نذر ہوگئی اور اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ کشمیری کاریگروں نے نقش نگاری اور مینا کاری کے شاہکار نمونے دکھانے کے لئے لکڑی کا زیادہ استعمال کیا تھا۔ پھر 1029ء میں دوبارہ نذر آتش ہوئی۔ اُن دنوں شہنشاہ جہانگیر بھی کشمیر کی سیاحت پر آیا ہوا تھا۔ اُس نے خود بھی آگ بجھانے کے کام میں حصہ لیا' لیکن پوری مسجد خاکستر ہوگئی۔ اس کی مرمت اور تزئین پر سترہ سال کی مدت اور کثیر رقم خرچ ہوئی۔ پھر اورنگ زیب عالمگیر کے وقت نذر آتش ہوئی۔ سکھوں کے عہد میں مسجد کو بحق سرکار ضبط کرکے اس میں تالے ڈلوائے گئے۔

گاہ کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتوں سے ان کے مراسلات مورخہ 23 دسمبر اور 25 دسمبر 1948ء (علی الترتیب) کے ذریعے مندرجہ ذیل اصولوں کی منظوری وصول پا لی ہے۔ جو کمیشن کی اس قرارداد منظور شدہ 1948ء کے ضمیمہ کا ہے' لہٰذا:

(1) ریاست جموں وکشمیر کے بھارت یا پاکستان سے الحاق کا مسئلہ آزاد اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے جمہوری طریقے سے طے پائے گا۔

(2) استصواب اس وقت ہوگا جب کمیشن کو یہ وثوق ہو جائے گا کہ جنگ بندی اور صلح نامہ کی رائے شماری سے متعلق انتظامات کی تکمیل ہوچکی ہے' جو کمیشن کی قرارداد مورخہ 13 اگست 1948ء کے حصہ اول ودوم میں درج ہیں۔

(3)(ا) سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کمیشن سے اتفاق رائے کے بعد ایک ناظم رائے شماری نامزد کرے گا جو ایک نہایت اعلیٰ بین الاقوامی شخصیت کا مالک اور بالعموم قابل اعتماد تصور کیا جائے گا۔ اس کا باقاعدہ تقرر حکومت جموں وکشمیر کی طرف سے عمل میں آئے گا۔

(ب) ناظم رائے شماری وہ تمام اختیارات ریاست جموں وکشمیر سے حاصل کرے گا جنہیں وہ استصواب کے اہتمام اور کارروائی اور اس کے آزاد اور غیر جانبدار ہونے

کسی ایک فریق کی فوجی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(3) جنگ بندی کے معاہدے کی پابندی کرانے کے لئے اقوام متحدہ کے فوجی مبصر مقرر کئے جائیں۔

دوسرا مرحلہ۔ صلح نامہ

(1) حکومت پاکستان اپنی فوجیں ریاست سے واپس بلالے اور قبائلیوں اور پاکستانی شہریوں کو بھی واپس بلانے کا اہتمام کرے۔

(2) ریاست کے جس علاقے کو پاکستان خالی کرے اس کا انتظام اقوام متحدہ کی نگرانی میں ''مقامی حکام'' چلائیں گے۔

(3) جب کمیشن بھارت کو مطلع کرے گا کہ ریاست سے قبائلی اور پاکستانی شہری واپس جا چکے ہیں اور پاکستانی فوج واپس ''جا رہی ہے'' تو بھارت اپنی فوج کا ''بڑا حصہ'' واپس بلانا شروع کر دے گا۔

(4) مسئلے کے آخری تصفیے تک بھارت امن وامان کے قیام کے لئے کم از کم فوج ریاست میں رکھے گا۔

(5) حکومت بھارت اس امر کی ضمانت دے گی کہ ریاست میں امن وامان اور انسانی حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

تیسرا مرحلہ۔ استصواب

(1) ریاست کے الحاق کا آخری فیصلہ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب کے ذریعے سے ہوگا۔

(2) استصواب اس وقت منعقد کیا جائے گا جب کمیشن کی 13 اگست کی قرارداد کے جنگ بندی اور صلح نامہ حصوں پر عمل درآمد ہو چکا ہوگا۔

(3) اقوام متحدہ کا سیکرٹری جنرل ناظم رائے شماری کو نامزد کرے گا۔

(4) 13 اگست کی قرارداد اول ودوم (1: جنگ بندی 2: صلح نامہ) پر عمل درآمد ہو چکنے کے بعد ناظم رائے شماری بھارتی فوجوں کے آخری انخلاء کا فیصلہ کرے گا۔

(5) قبائلیوں اور پاکستانی فوج کے خالی کردہ علاقے میں مسلح افواج کا آخری فیصلہ کمیشن اور ناظم رائے شماری مقامی حکام کے مشورے سے کریں گے۔

(6) جو لوگ ریاست سے جا چکے ہیں اور استصواب میں حصہ لینے کے لئے واپس بلائے جائیں گے۔

(7) استصواب کے دوران کسی قسم کے دباؤ' لالچ' دھونس یا دیگر ناجائز طریقے استعمال نہ کئے جائیں گے' سیاسی سرگرمیوں کی عام اجازت ہوگی۔ سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں گے' کسی قسم کے تشدد سے کام نہیں لیا جائے گا۔

قرارداد کی مختلف تعبیریں

فریقین دونوں قراردادوں کو منظور کر چکے تھے۔

جہاں تک معاہدے کے پہلے مرحلے یعنی جنگ بندی کا تعلق تھا۔ اس پر یکم جنوری 1949ء سے عمل درآمد شروع کیا جا چکا تھا۔ بعد میں 27 جولائی کو دونوں ممالک کے فوجی افسروں نے اقوام متحدہ کے مبصرین کی نگرانی میں جنگ بندی لائن بھی قائم کر دی۔ ابھی اگلے دو مرحلوں پر عمل درآمد باقی تھا کہ پاکستان نے صلح نامہ Truce Agreement کے مرحلے کا انتظار کئے بغیر ہی ان تمام قبائلیوں اور پاکستانی شہریوں کو ریاست سے واپس بلانے کا اہتمام کر لیا جو مسلمان بھائیوں کی امداد کے لئے اکتوبر 1947ء میں ریاست میں داخل ہوئے تھے۔

اسی دوران میں دونوں ممالک کی رضامندی سے امریکہ کے ایڈمرل نمٹز (NIMITZ) کو ناظم رائے شماری مقرر کر دیا گیا۔

حالات کچھ بہتر ہو رہے تھے کہ بھارت نے 13 اگست کی قرارداد کے دوسرے حصے پر عمل درآمد کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنا شروع کر دیں۔

مارچ 1949ء میں کمیشن نے دونوں ملکوں کے نمائندوں کا ایک اجلاس طلب کیا اور ان سے 13 اگست 1948ء کی قرارداد کے دوسرے حصے پر عمل درآمد کرنے کے لئے تجاویز پیش کرنے کو کہا۔ پاکستان نے فوراً ہی کمیشن کے سامنے اپنی تجاویز رکھ دیں۔ ان کے مطابق حسب معاہدہ فریقین کی افواج کی ہائی کمانیں بیک وقت افواج کے انخلاء کا مفصل پروگرام مرتب کر سکتی تھیں۔ بھارت نے کمیشن کے سامنے نہ تو اپنی طرف سے کوئی تجاویز رکھیں اور نہ ہی پاکستان کی تجاویز کو قبول کیا۔ بھارت کا یہی وہ ابتدائی انکار ہے جو آج تک قائم ہے اور آج بھی کمیشن 13 اگست 1948ء کی قرارداد کا دوسرا حصہ عمل درآمد کے لئے بھارتی حکومت کی رضامندی کا انتظار کر رہا ہے۔

ثالثی کی تجاویز

ابتداء میں یہ سمجھا گیا کہ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کی تیاری کے لئے بھارت کا صلح نامے کے مرحلے میں اپنی فوجیں ہٹانے سے انکار کرنا محض کمیشن کی قرارداد 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی تعبیر کا اختلاف ہے۔ چنانچہ 26 اگست کو کمیشن نے تجویز کیا کہ دونوں حکومتیں کمیشن کی قرارداد منظور شدہ 13 اگست کے حصہ دوم پر عمل درآمد کے سلسلے میں تمام اختلافات ثالثی کے لئے پیش کر دیں۔ ثالث ان اختلافات کا تصفیہ کرے گا اور اس کا فیصلہ دونوں فریقوں کے لئے قابل قبول ہوگا۔

کمیشن نے اپنی تجویز میں ناظم رائے شماری ایڈمرل نمٹز کو ثالث بھی نامزد کر دیا۔ برطانیہ کے وزیراعظم ایٹلی اور امریکہ کے صدر ٹرومین نے دونوں ممالک کے وزراء اعظم کے نام ایک مشترکہ پیغام میں اپیل کی کہ وہ کمیشن کی اس تجویز کو منظور کر لیں۔ لیکن پاکستان کی اس تجویز کو غیر مشروط طور پر تسلیم کر لینے کے باوجود بھارت نے اسے مسترد کر دیا۔

اس کے بعد جب کمیشن کی جگہ سلامتی کونسل کی طرف سے سر اوون ڈکسن اقوام متحدہ کے نمائندے کی حیثیت سے برصغیر آئے اور ان کی کوششیں بھی فوجوں کے انخلاء کے بارے میں تصفیہ کرانے میں ناکام ہو گئیں تو سلامتی کونسل نے اپنی قرارداد منظور شدہ 20 مارچ 1951ء کے ذریعے فریقین کو ہدایت کی کہ وہ تمام اختلافات میں ثالثی کو تسلیم کریں۔ سلامتی کونسل نے اپنی قرارداد میں کہا:

''سلامتی کونسل فریقین کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے نمائندے سے مذاکرات کے دوران اگر مکمل طور پر کسی متفقہ نتیجے پر نہ پہنچ سکیں تو تمام متنازعہ امور میں ثالثی قبول کر لیں۔''

پاکستان نے سلامتی کونسل کی اس قرارداد کو تسلیم کر لیا لیکن بھارت نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔

1957ء میں ایک بار پھر سلامتی کونسل کی طرف سے ثالثی کی تجویز دونوں ممالک کے سامنے رکھی گئی۔ کونسل نے اپنی ایک قرارداد منظور شدہ 21 فروری 1957ء کے مطابق سویڈن کے سفارت کار مسٹر یارنگ (JARRING) کو برصغیر روانہ کیا تاکہ وہ سلامتی کونسل اور کمیشن کی سابقہ قراردادوں کی روشنی میں مسئلے کے حل کے لئے دونوں ممالک سے بات چیت کریں۔ اس موقع پر بھارت نے ایک قدم اور پیچھے ہٹ کر یہ سوال کھڑا کر دیا کہ کمیشن کی 13 اگست 1948ء کی قرارداد کے دوسرے حصے پر عمل درآمد کا وقت ابھی نہیں آیا۔ اس لئے کہ پاکستان نے مذکورہ قرارداد کے پہلے حصے پر بھی ابھی عمل نہیں کیا ہے۔ قرارداد کے پہلے حصے میں جنگ بند کرنے' ایسے اقدامات سے اجتناب کرنے' جن سے دونوں میں سے کسی کی افواج متعینہ ریاست جموں وکشمیر کی عسکری قوت میں اضافہ ہوتا ہو اور ساز گار حالات پیدا کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ مسٹر یارنگ نے بھارت کے اس اعتراض کے جواب

کشمیری بزدل

مہاراجہ ہری سنگھ نے فوج میں زیادہ تر جموں' چھمب اور کانگڑہ کے ہندو سپاہی بھرتی کئے' تاکہ کسی وقت اگر کشمیری مسلمان بغاوت کریں تو آسانی سے کچلا جا سکے۔ اس کے انگریز وزیر نے مشورہ دیا کہ ریاستی عوام سے بھی ایک کمپنی فوج تیار کر لی جائے تو مہاراجہ نے صاف انکار کرتے ہوئے مضحکہ خیز لہجے میں کہا: ''کشمیری بزدل ہوتے ہیں' یہ فوج کے قابل نہیں''۔

میں یہ تجویز پیش کی:

حصہ اول کی تنفیذ پر جو تعطل پیدا ہو چکا تھا' اسے ختم کرنے کے لئے میں نے دونوں حکومتوں سے دریافت کیا کہ آیا وہ اس سوال کو ثالث کے سپرد کرنے کو تیار ہیں کہ حصہ اول پر عمل درآمد ہوا ہے یا نہیں؟ چونکہ مجھے اس بات کا پہلے سے علم تھا کہ حکومت بھارت مجموعی طور پر مسئلہ کشمیر پر ثالثی کے اصول کا اطلاق کرنے کے بارے میں منفی رویہ اختیار کرتی ہے اس لئے یہ بات میں نے اس کے سامنے واضح کردی کہ میری تجویز اس نوعیت کی نہیں ہے۔ جس طرح کہ پہلے پیش کی جاتی رہی ہیں۔ ثالثی کی جو تجویز میرے پیش نظر ہے اس کا مقصد بعض حقائق کی تنقیح اور تعیین کے سوا کچھ نہیں۔

پاکستان نے اس تجویز کو غیر مشروط طور پر مان لیا لیکن بھارت نے اسے بھی ماننے سے انکار کردیا۔

دیکھا جائے تو ثالثی کا اصول بجائے خود بھارت کے لئے کبھی بھی قابل قبول نہیں رہا۔ بھارت کے لئے جو امر ناقابل قبول ہے وہ مسئلہ کشمیر پر بھی اس اصول کا اطلاق ہے۔ مسئلہ کشمیر کے علاوہ بھارت نے اس اصول کو تسلیم بھی کیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے۔ پاکستان کے ساتھ نہری پانی کے تنازعے میں بھارت نے عالمی بینک کے صدر مسٹر یوجین بلیک کی ثالثی کو تسلیم کیا۔ پھر 1964ء میں رن کچھ کی لڑائی کے بعد جنگ بندی کا سمجھوتہ ہوا اس میں تنازعہ رن کچھ کے تصفیے کے لئے باہمی مذاکرات کی ناکامی کی صورت میں ثالثی کی دفعات شامل کی گئیں۔

ثالثی کا طریقہ اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ 33 میں مسائل کے پرامن حل کے لئے آخری طریقے کے طور پر مذکور ہے اور خود بھارت کے دستور کی دفعہ 51 میں یہ بات موجود ہے کہ "مملکت کو بین الاقوامی تنازعات کو ثالثی کے ذریعے حل کرنے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔" پھر ایک موقع پر — تقسیم سے قبل — جب نہرو متحدہ ہندوستان پر اصرار کر رہے تھے تو ہندو مسلم تعلقات کے بارے میں انہوں نے دوسری تجاویز کے ساتھ ایک تجویز یہ بھی پیش کی تھی کہ "ہندو مسلم تنازعات" "لیگ آف نیشنز" یا کسی بین الاقوامی عدالت انصاف کے سامنے یا کسی اور غیر جانبدار ادارے کے سامنے ثالثی کے لئے پیش کئے جائیں جس میں فریقین رضامندی کا اظہار کریں۔"

لیکن مسئلہ کشمیر پر جب اس اصول کا اطلاق کا سوال آیا تو کہہ دیا گیا کہ کشمیر ایک سیاسی مسئلہ ہے اس پر ثالثی نہیں ہوسکتی۔ 30 مارچ 1951ء کو سلامتی کونسل نے ثالثی کی جو قرارداد منظور کی وہ اگرچہ پورے مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کے لئے نہ تھی بلکہ محض چند اختلافی امور سے متعلق تھی لیکن پنڈت نہرو نے جس غصہ کے ساتھ اس پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا وہ کشمیر کے بارے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کے لئے کسی مزید ثبوت کی حاجت نہیں چھوڑتا۔

"کسی تنظیم اور کسی ملک کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کشمیر میں بھارت کی سرگرمیوں میں مداخلت کی جرات کرے۔ ہم کشمیر کے بارے میں کسی قسم کی لغویت برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ (یعنی سلامتی کونسل کی قرارداد) لغو اور واہیات ہے۔"

فوجوں کے انخلاء کے لئے دوسری تجاویز

1949ء میں جب کمیشن فریقین میں صلح نامہ کرانے میں ناکام ہو گیا تو سلامتی کونسل نے اپنے صدر جنرل میک ناٹن سے درخواست کی کہ وہ دونوں حکومت سے بات چیت کرکے "مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے کوئی ایسی بنیاد تلاش کریں جس پر دونوں کو اطمینان ہو۔" جنرل میک ناٹن نے بھارت کے موقف کو متعدد رعایات دیتے ہوئے اپنی تجاویز پیش کیں۔ پاکستان نے ان تجاویز کو منظور کر لیا۔ جبکہ بھارت نے ان میں ایسی ترامیم پیش کیں جو جنرل میک ناٹن کی مجوزہ اسکیم کے عین برعکس تھیں۔

جنرل میک ناٹن ناکام ہو کر لوٹے تو سلامتی کونسل نے سر اوون ڈکسن کو اقوام متحدہ کے نمائندے کی حیثیت سے برصغیر بھیجا۔ سر ڈکسن نے بھارت کے اعتراضات کو دور کرنے کے لئے یہ تجویز پیش کی۔ "فوجوں کے انخلاء کے لئے پہلا قدم یہ اٹھانا چاہئے کہ کسی مقررہ دن کو پاکستان کی باقاعدہ افواج پیچھے ہٹنا شروع ہو جائیں اور اس مقررہ دن کے کچھ دن بعد جنگ بندی لائن کی دونوں جانب دیگر کارروائیاں عمل میں آئیں اور جہاں تک ممکن ہو یہ کارروائیاں ایک ساتھ روپذیر ہوں۔" گویا تجویز کسی لحاظ سے بھی کمیشن کی قرارداد کی اسپرٹ کے مطابق نہ تھی اور اس وجہ سے پاکستان کو اس پر متعدد اعتراضات تھے لیکن فوری تصفیے کی خاطر پاکستان نے اسے بھی تسلیم کر لیا۔ لیکن بھارت نے مسترد کر دیا۔

سر اوون ڈکسن کے بعد ڈاکٹر فرینک گراہم اقوام متحدہ کی طرف سے مامور ہوئے۔ ڈاکٹر گراہم نے آزاد فوج کے غیر مسلح کئے جانے اور انہیں ختم کرنے کے سلسلے میں بھارت کے اعتراض دور کرنے کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ فوجوں کے انخلاء کے دونوں مرحلوں' ایک وہ جو صلح نامہ سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا جو رائے شماری سے متعلق ہے' کو ملا کر ایک ہی مسلسل عمل بنا دیا جائے۔ یعنی ایک طرف تو پاکستانی افواج ہٹائی جائیں اور آزاد افواج کو غیر مسلح اور منتشر کر دیا جائے اور دوسری طرف بھارتی افواج میں وسیع پیمانے پر تخفیف کی جائے اور مہاراجہ کی افواج غیر مسلح اور منتشر کیا جائے۔ ان تجاویز کی توثیق سلامتی کونسل نے بھی اپنی 10 نومبر 1951ء کی قرارداد میں کر دی۔

کشمیر کی جھیل

کشمیر کی جھیل سے پانی ہزار ہا سال سے خارج ہو رہا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس مستقل روانی میں کسی بزرگ یا رشی کا ہاتھ ہے' جیسا کہ عام کشمیری خیال کرتے ہیں' یا بارہ مولا کے پہاڑ نے پانی خود کاٹ کر اسے گزرنے کا راستہ پیدا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہلم سے لے کر بارہ مولا تک کا یہ کٹاؤ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے بھی ہزار ہا سال پہلے کا ہے۔

پاکستان نے اس تجویز کو منظور کر لیا لیکن بھارت نے ایک بار پھر ڈاکٹر گراہم کی تجویز میں بھی اس طرح کی ترامیم پیش کیں جو اسے مسترد کرنے کے مترادف تھیں۔

ڈاکٹر گراہم نے بھارت کی مجوزہ ترامیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک اور تجویز پیش کی کہ فوجوں کے انخلاء کے مرحلے کے خاتمے پر جنگ بندی لائن کے دونوں طرف فوجوں کی تھوڑی تعداد باقی رہنے دی جائے اور اس کا آخری فیصلہ ناظم رائے شماری پر چھوڑ دیا جائے۔

پاکستان نے اس تجویز کو بھی منظور کر لیا بلکہ ساتھ ہی یہ تجویز بھی پیش کی کہ اس میں یہ بات بھی شامل کر دی جائے کہ اگر اس کی تعبیر میں فریقین کے درمیان کوئی اختلاف رونما ہو تو اقوام متحدہ کے نمائندے کی تعبیر ہی آخری سمجھی جائے گی اور وہ دونوں ملکوں کے لئے قابل قبول ہوگی۔

بھارت کا موقف یہ تھا کہ فوجوں کے انخلاء کے بعد بھی بھارت کی 28,000 فوج ریاست میں رہے گی۔ جبکہ چھ ہزار ملیشیا فوج اس کے علاوہ ہوگی۔ جنگ بندی لائن کی دوسری طرف بھارت کی تجویز کے مطابق صرف چار ہزار پولیس فورس باقی رہنے دی جائے اور یہ چار ہزار بھی نصف مسلح اور نصف غیر مسلح افراد پر مشتمل ہو اور نصف کا تعلق آزاد کشمیر تحریک سے ہو اور باقی نصف تعداد کو اقوام متحدہ کا نمائندہ بھارتی حکام کی مدد سے منتخب کرے۔ ظاہر ہے کہ بھارتی تجاویز فوجوں کے انخلاء کا حقیقی مقصد پورا کرنا تو کجا اسے شکست دینے کے مترادف تھیں۔ گراہم نے اس کے جواب میں 16 ستمبر 1952ء کو ترمیم شدہ تجاویز پیش کیں۔ ان تجاویز کے مطابق پاکستان کو چھ ہزار اور بھارت کو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں فوج رکھنے کی اجازت دی گئی۔ گو پاکستان کے مقابلہ میں بھارتی افواج کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن مسئلہ کے حل کے لئے پاکستان نے ڈاکٹر گراہم کی اس تجویز کو بھی منظور کر لیا۔ بھارت نے ان تجاویز کے جواب میں یہ کہا کہ 21 ہزار سے کم فوج رکھنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے اور مزید یہ کہ ان 21 ہزار میں ملیشیا شامل نہیں ہوگی۔ بھارتی حکومت نے یہ بھی کہا کہ بھارت اس

وقت تک اپنی فوجیں واپس بلانا شروع نہیں کرے گا جب تک کہ آزاد کشمیر کی افواج کو مکمل طور پر غیر مسلح اور منتشر نہ کر دیا جائے۔

بھارت نے فوجوں کے انخلاء کے مسئلے پر جو تعطل پیدا کر دیا تھا اس کے پیش نظر یہ مسئلہ ایک بار پھر سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلامتی کونسل نے اپنی 23 ستمبر 1952ء کی قرارداد میں ڈاکٹر گراہم کی تجاویز کی توثیق اور اس اصول سے اتفاق کیا کہ فوجوں کے انخلاء کے بعد جنگ بندی لائن کی پاکستانی جانب 3 ہزار سے 6 ہزار تک اور بھارتی مقبوضہ علاقے میں 12 ہزار سے 18 ہزار تک سے زائد فوج نہیں رہنی چاہئے۔ پاکستان نے سلامتی کونسل کی قرارداد منظور کر لی لیکن بھارت نے اسے بھی مسترد کر دیا۔

متبادل حل — 2 دسمبر 1957ء

2 دسمبر 1957ء کو یارنگ مشن کی ناکامی کے بعد سلامتی کونسل نے ڈاکٹر فرینک گراہم کو ایک بار پھر اس کام پر مامور کیا کہ وہ 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قراردادوں پر عمل درآمد کی کوئی صورت نکالنے کے لئے برصغیر جا کر دونوں ملکوں سے مذاکرات کریں اور سفارشات پیش کریں۔

ڈاکٹر گراہم نے حسب ذیل 5 تجاویز دونوں ملکوں کے سامنے رکھیں:

(1) دونوں ملک امن کو قائم رکھنے کا اعلان کریں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو صورتحال کو خراب کرنے کا باعث بنے۔ دونوں ملک ایسے حالات پیدا کرنے میں مدد دیں جو حالات کو خوشگوار طور پر جاری رکھنے میں ممد ہوں۔

(2) جنگ بندی لائن کا احترام کرنے کا اعلان کیا جائے۔

(3) اس مسئلے پر بہت جلد غور کیا جائے کہ پاکستانی افواج کے خالی کئے جانے والے علاقے کا انتظام کون کرے گا۔ اس امکان کا جائزہ بھی لیا جائے کہ ریاست کے تحفظ کے لئے پاکستانی فوجوں کے انخلاء کے بعد اقوام متحدہ کی فوجیں اس علاقے میں بھیجی جا سکتی ہیں یا نہیں!

(4) استصواب کی جو شرائط کمیشن کی قراردادوں میں طے کی گئی ہیں ان کی متعین تعبیرات پر دونوں ممالک اتفاق کر لیں۔

(5) دونوں ممالک کے وزراء اعظم کی ایک کانفرنس اقوام متحدہ کے نمائندے کی نگرانی میں منعقد کی جائے۔

پاکستان نے پانچوں تجاویز منظور کر لیں جبکہ بھارت نے سب کی سب مسترد کر دیں۔

اس طرح فوجوں کے انخلاء کے اس متبادل طریقہ کار کو بھی رد کر کے بھارت نے پرامن حل کی ساری راہیں مسدود کر دیں۔

(12) استصواب کے بھارتی وعدے

❁ پاکستان کے ممتاز انگریزی زبان کے صحافی عزیز بیگ صاحب نے اپنی تصنیف ''کشمیر: پابہ زنجیر'' (مطبوعہ 1956ء) میں لکھا:

''سلامتی کونسل میں کشمیر کا مسئلہ پہلی بار پیش ہونے سے ''یارنگ رپورٹ'' پر بحث کے وقت تک بھارت نے اپنے اصل موقف سے منحرف ہونے کے لئے ہر حکمت عملی اور ہر حیلے سے کام لیا۔ اس شاطرانہ سخن سازی کا واضح مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ استصواب رائے کو معرضِ التوا میں ڈالا جائے۔ سلامتی کونسل کی تمام قراردادوں کا بنیادی مقصد چونکہ صرف یہی ہے کہ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے جلد منعقد کرنے کے لئے فضا سازگار بنائی جائے۔ اس لئے یہ دیکھنا نامناسب نہ ہوگا کہ بھارت ان قراردادوں کا کس حد تک پابند ہے اور ماضی میں اس کے اور اس کے لیڈروں نے جموں اور کشمیر کے عوام سے استصواب رائے کا عہد پورا کرنے کے لئے کیسے اور کتنے بین الاقوامی مواعید کئے ہیں۔''

بھارت کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 27 اکتوبر 1947ء کو مہاراجہ کے خط کا جو جواب بھیجا تھا' اس میں بھارتی حکومت کی جانب سے کہا گیا تھا:

''اپنی اس پالیسی کے مطابق کہ اگر کسی ریاست کے الحاق کا سوال متنازعہ فیہ بن جائے تو اس کا فیصلہ متعلقہ ریاست کے عوام کی مرضی کے مطابق کیا جائے' میری حکومت کی خواہش یہ ہے کہ کشمیر میں جیسے ہی امن وامان بحال ہو جائے اور اس کی سرزمین حملہ آوروں سے پاک ہو جائے' ریاست کے الحاق کا فیصلہ عوام کی مرضی معلوم کر کے کیا جائے۔''

نہرو شاید اس وضاحت سے بھی مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً ہی برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر ایٹلی کے نام ایک تار بھیجا۔ جس میں انہوں نے لکھا:

'میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ موجودہ ہنگامی حالات میں کشمیر کی امداد کرنے کا مقصد کسی طرح بھی یہ نہیں ہے کہ ریاست پر دباؤ ڈال کر اس کا بھارت سے الحاق کرایا جائے۔ ہم اپنی اس رائے کا بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ کسی بھی متنازعہ علاقے یا ریاست کے الحاق کا سوال اس کے عوام کی مرضی کے مطابق ہونا چاہئے اور ہم اس اصول پر بدستور قائم ہیں۔''

یہ تار موصول ہونے پر برطانوی وزیراعظم نے اپنے ہائی کمشنر متعینہ پاکستان کی وساطت سے وزیراعظم پاکستان کو ایک پیغام بھیجا جو حسب ذیل ہے:

''مجھے بھارت کے وزیراعظم کا ایک پیغام موصول ہوا جس میں کہا گیا ہے کہ کشمیر میں ایک سنگین صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے — انہوں نے مزید لکھا ہے کہ وہ اس بات کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ موجودہ ہنگامی حالات میں کشمیر کی امداد کرنے کا مقصد کسی طرح بھی یہ نہیں ہے کہ ریاست پر دباؤ ڈال کر اس کا بھارت سے الحاق کرایا جائے۔''

دوسرے ہی دن مسٹر نہرو نے وزیراعظم لیاقت علی خاں کے نام حسب ذیل تار روانہ کیا:

''میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ بھارتی حکومت نے جو کارروائی کی ہے' وہ حالات سے مجبور ہو کر اور اس لئے کی ہے کہ سری نگر کے لئے سنگین خطرہ بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ بھارتی حکومت کی ہرگز یہ خواہش نہیں ہے کہ کشمیر سے حملہ آوروں کو نکال دینے اور امن و امان کی بحالی کے بعد وہ ریاست کے معاملات میں کسی طرح کی کوئی مداخلت کرے۔ الحاق کے سلسلہ میں بھی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ یہ اس شرط پر قبول کیا گیا ہے کہ اس کے بارے میں عوام کی رائے اور منظوری حاصل کی جائے گی۔ بھارتی حکومت کسی پر کوئی فیصلہ مسلط نہیں کرنا چاہتی اور وہ عوام کی خواہشات کا احترام کرے گی۔ لیکن ان کی خواہش اس وقت تک معلوم نہیں کی جا سکتی جب تک امن و امان قائم نہ ہو جائے۔''

اسی سال 31 اکتوبر کو بھارتی وزیراعظم نے پاکستان کے وزیراعظم کے نام ایک اور تار روانہ کیا:

''ہم نے بھارت سے کشمیر کا الحاق مہاراجہ کی حکومت اور ریاست کی ایک ایسی تنظیم کی درخواست پر قبول کیا تھا جو عوام میں سب سے زیادہ نمائندہ اور مقبول عام ہے اور جس میں مسلمانوں کی غالب اکثریت شامل ہے۔ اس

کے باوجود یہ الحاق اس شرط پر منظور کیا گیا تھا کہ کشمیر کی سرزمین سے حملہ آور جیسے ہی نکال دیئے جائیں اور ریاست میں امن و امان بحال ہو جائے۔ عوام خود الحاق کے سوال کا فیصلہ کریں۔ انہیں اختیار حاصل ہے کہ وہ جس مملکت سے چاہیں الحاق کا فیصلہ کریں۔''

''ہم یقین دلا چکے ہیں کہ امن بحال ہوتے ہی اپنی فوجیں کشمیر سے واپس بلا لیں گے اور ریاست کے الحاق کا فیصلہ خود اس کے عوام پر چھوڑ دیں گے۔ یہ یقین دہانی محض آپ کی حکومت کے ساتھ نہیں بلکہ خود کشمیری عوام اور پوری دنیا کے ساتھ ایک عہد کی حیثیت رکھتی ہے۔''

مسٹر نہرو نے اس کے تین دن بعد قوم کے نام ایک پیغام نشر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ''کشمیر کے الحاق کا مسئلہ طے کرنے کے لئے بھارتی حکومت کسی بین الاقوامی تنظیم مثلاً اقوام متحدہ کی نگرانی میں رائے طلبی کے لئے تیار ہے۔ ہم اعلان کر چکے ہیں کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ بالآخر اس کے عوام ہی کریں گے۔''

اس کے دوسرے ہی دن مسٹر نہرو نے مسٹر لیاقت علی خاں کے نام ایک تار میں اپنی یقین دہانی کا اعادہ کیا:

''میں آپ کی توجہ اپنی کل شام کی نشری تقریر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنی حکومت کی پالیسی بیان کر دی ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ ہم کشمیر پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہماری خواہش یہ ہے کہ آخری فیصلہ خود کشمیری عوام ہی کریں۔ میں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم اس پر بھی رضامند ہو گئے ہیں کہ کوئی بین الاقوامی تنظیم مثلاً اقوام متحدہ رائے طلبی کی نگرانی کرے۔ حملہ آوروں کو جیسے ہی واپس بلا لیا جائے گا۔ کشمیر میں ہماری فوجوں کی موجودگی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔''

بھارت کے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے **1951**ء کے موسم گرما میں ایران میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''بھارتی حکومت خود اپنی مرضی سے اور کسی دوسرے کی تحریک کے بغیر ایک سے زائد بار اعلان کر چکی ہے کہ وہ کشمیری عوام کی خواہشات کا احترام کرے گی...... ہم ہمیشہ کہتے ہیں کہ اس کا فیصلہ کشمیر کے عوام ہی کریں گے کہ وہ بدستور ہمارے ساتھ رہیں گے یا پاکستان سے الحاق کریں گے۔''

اس کے بعد حفاظتی کونسل اور اس کے نمائندوں کو یکے بعد دیگرے یقین دلایا گیا کہ بھارت کبھی کشمیر میں استصواب رائے کے وعدے سے منحرف نہیں ہوگا نہ اس کے راستے میں حائل ہوگا۔

الحاق کے سوال کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے مقبوضہ کشمیر میں جب ایک نام نہاد دستور ساز اسمبلی طلب کی گئی اور پاکستان نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو اقوام متحدہ میں بھارت کے مستقل مندوب مسٹر بی۔ این۔ راؤ نے یقین دلایا کہ ''ان کی حکومت کی رائے یہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی اگر چاہے تو الحاق کے متعلق رائے ظاہر کر سکتی ہے لیکن وہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔''

بعد میں ایک اور بھارتی مندوب نے بھی اسی یقین دہانی کا اعادہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جہاں تک بھارتی حکومت کا تعلق ہے کشمیر کی دستور ساز اسمبلی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ حفاظتی کونسل میں زیر غور مسئلہ پر بے جا اثر ڈالے یا اس کے راستے میں حائل ہو۔''

انہی بیانات پر یقین کر کے حفاظتی کونسل نے **30** مارچ **1951**ء کو ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا:

''یہ کہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی سفارش کے مطابق دستور ساز اسمبلی طلب کرنے کا فیصلہ یا کسی ایسی کارروائی کی کوشش' جو مجوزہ اسمبلی' پوری ریاست یا اس کے کسی حصہ کی آئندہ نوعیت یا الحاق کے سلسلہ میں کرے مذکورہ بالا اصول کے مطابق ریاست کے فیصلہ کے مترادف نہیں ہوگی۔''

یو۔ پی کونسل (ایوان بالا) کی رکن بیگم اعزاز رسول نے **8** ستمبر **1951**ء کو آل انڈیا ریڈیو سے ایک تقریر نشر کرتے ہوئے کہا:

''بعض حلقوں میں یہ الجھن پیدا ہو گئی ہے کہ کشمیر کی دستور ساز اسمبلی کے انتخابات صرف اس لئے منعقد کئے جا رہے ہیں کہ ریاست میں آزادانہ استصواب رائے کی نوبت نہ آنے پائے۔ یہ ایک بالکل غلط اور گمراہ کن خیال ہے جیسا کہ خود ہمارے وزیراعظم شری جواہر لال نہرو پارلیمنٹ میں اعلان کر چکے ہیں۔ کشمیر کی دستور ساز اسمبلی صرف قانون سازی کے لئے قائم کی جا رہی ہے تاکہ ریاست کا نظم ونسق زیادہ خوش اسلوبی سے چلایا جا سکے۔ اس اسمبلی کا ریاست کے مستقبل اور الحاق کے بارے میں عوام کی رائے کے اہم اور فیصلہ کن مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

20 اگست **1953**ء کو نئی دہلی میں بھارت اور پاکستان کے وزرائے اعظم نے حسب ذیل مشترکہ بیان جاری کیا:

''ہم نے کشمیر کے تنازعہ پر خاصی تفصیل سے تبادلہ خیالات کیا۔ یہ ہماری قطعی رائے ہے کہ اس مسئلہ کو ریاستی عوام کی خواہشات کی مطابق اس طرح طے کیا جائے کہ ان کی فلاح و بہبود کو فروغ پہنچے اور ریاستی عوام کی زندگی میں کم سے کم رخنہ اندازی ہو۔ عوام کی خواہشات معلوم کرنے کا سب سے زیادہ قابلِ عمل ذریعہ یہ ہے کہ ایک آزادانہ اور غیر جانب دارانہ استصواب رائے نہ ہو سکنے کے باعث اس مقصد کے حصول کا کام آگے نہیں بڑھ سکا۔ وزرائے اعظم متفق ہیں کہ ان مبادیاتی مسائل پر سمجھوتے کے لئے انہیں ان پر براہ راست غور وخوض کرنا چاہئے۔ ہمیں پہلے ان سمجھوتوں کو عملی جامہ پہنانا ہوگا۔ اس کے بعد ہمارا آئندہ اقدام ایک ناظم استصواب کا تقرر ہوگا۔''

مزید برآں نہرو اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے ان مبادیاتی مسائل پر سمجھوتوں کے لئے ایک میعاد بھی مقرر کر دی اور اس پر رضامند ہو گئے کہ اپریل **1954**ء کے آخر تک ناظمِ استصواب مقرر کر دیا جائے۔

بھارت چونکہ اپنے غیر مبہم اعلانات' سرکاری بیانات اور تاروں کے ذریعہ یقین دہانیوں کے ذریعہ وعدہ کر چکا تھا کہ جموں اور کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ جمہوری اصولوں کے مطابق اقوام متحدہ کی نگرانی میں استصواب رائے سے کیا جائے گا۔ اس لئے یہ المیہ اور بھی اندوہ ناک بن گیا ہے کہ وہ اپنے واضح موقف سے منحرف ہو گیا ہے۔ اپنے تمام مقدس مواعید کو پسِ پشت ڈال کر مسٹر نہرو اب یہ کہنے لگے ہیں کہ کشمیر' قانونی اور حقیقی طور پر بھارت کی ملکیت ہے۔ قانون میں اگر قبضہ ہی سب کچھ ہے تو کشمیر ''قانونی'' طور پر بھارت ہی کا حصہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ نہرو ''حقیقی طور پر'' اس پر قابض ہیں۔ ''شریف صورت لٹیرے'' مینن نے حفاظتی کونسل کو صرف یہ بتانے کے لئے کہ کشمیر بھارت کا حصہ بن چکا ہے' **80** ہزار الفاظ استعمال کئے اور نو گھنٹے تک تقریر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بھارت کے صدر راجندر پرشاد نے بھی یہ اعلان کر دیا ہے کہ **27** اکتوبر **1947**ء کو مہاراجہ کی جانب سے الحاق کی پیشکش منظور کرنے کے بعد ریاست جموں و کشمیر بھارت کا حصہ بن گئی۔ کیا بدعہدی کی اس سے بھی زیادہ شرمناک مثال دی جا سکتی ہے؟ کیا جمہوریت کی طاقتوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ گستاخانہ رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے؟ بدلے ہوئے اور تغیر پذیر حالات کے باوجود بھارت ہمیشہ یہ تسلیم کرتا رہا تھا کہ ''ریاست میں امن و امان بحال ہوتے ہی'' جموں و کشمیر کے عوام الحاق کا سوال طے کرنے کا حق استعمال کریں گے۔ ریاست میں اگر ''امن و امان'' قائم ہو چکا ہے تو کیوں نہ استصواب رائے منعقد کرایا جائے اور بھارت سے ریاست کے نام نہاد الحاق کے دس سال بعد بھی امن و امان بحال نہیں ہو سکا تو نہرو کو اس پر مزید قابض رہنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اس کا واحد علاج استصواب رائے ہے۔

(13) بوگرا نہرو مذاکرات (1953)

اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ 33 مسائل کے پرامن حل کے لئے جو طریق کار تجویز کرتی ہے اس میں باہمی مذاکرات و گفت و شنید کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کے لئے سب سے پہلے اسی طریقے کو آزمانے کی کوشش کی۔ مسئلہ کشمیر کے بالکل ابتدا ہی میں یعنی 28 اکتوبر 1947ء کو گورنر جنرل پاکستان قائداعظم مرحوم نے پنڈت نہرو کو لاہور آنے کی دعوت دی تھی۔ قائداعظم کو امید تھی کہ دونوں ممالک کے سربراہ باہمی گفت و شنید سے مسئلہ کے پرامن حل کی کوئی راہ نکال لیں گے۔ مذاکرات کے لئے 29 اکتوبر کا دن مقرر ہوا لیکن جیسا کہ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے' بھارتی قیادت کی طرف سے عدم تعاون کی بناء پر مذاکرات منعقد نہ ہو سکے۔

قائداعظم کی مصالحانہ کوششوں کی ناکامی کے بعد وزیراعظم لیاقت علی خان نے بھی پنڈت نہرو کو براہ راست مذاکرات کی دعوت دی۔ پھر جب 13 اگست 1947ء اور 5 جنوری 1948ء کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کی تعبیر پر اختلافات رونما ہوئے تو ایک بار پھر وزیراعظم لیاقت علی خان نے پنڈت نہرو کو براہ راست گفت و شنید کے ذریعے ان اختلافات کے دور کرنے کی دعوت دی۔ لیاقت علی خان نے نہرو کی اس تجویز کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ بھارت اور پاکستان میں کشمیر سمیت جتنے متنازعہ مسائل ہیں انہیں دونوں ممالک کے سربراہ باہمی مذاکرات کے ذریعے حل کی کوشش کریں' اگر مذاکرات ناکام ہو جائیں تو مصالحت اور مصالحت کی ناکامی کی صورت میں کسی تیسرے فریق کو ثالث مقرر کیا جائے۔ لیاقت مرحوم نے لکھا کہ اگر بھارت مسائل کے حل کے لئے اس طریق کار پر اتفاق کر لیتا ہے تو پاکستان کو بھارت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ پنڈت نہرو نے اپنے جواب میں اس کا اعتراف تو کیا کہ مسائل کے پرامن حل کے یہی تین طریقے ممکن ہیں لیکن انہوں نے مذاکرات اور مصالحت کی کوششوں کی ناکامی کی صورت میں "تمام مسائل ثالثی کے اصول کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح لیاقت علی کی یہ کوشش بھی ناکام بنا دی گئی۔

جون 1953ء میں وزیراعظم پاکستان مسٹر محمد علی وزرائے دولت مشترکہ کی کانفرنس میں شرکت کے لئے جب لندن گئے تو وہاں مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے پنڈت نہرو سے بھی ملاقات کی۔ ملاقات میں یہ طے پایا کہ دونوں وزراء اعظم کمیشن اقوام متحدہ برائے ہندو پاک کی تعبیرات سے متعلقہ اختلافات کا تصفیہ کرنے کے لئے باہم مذاکرات جاری رکھیں گے۔

دوسری ملاقات 25-26 اور 27 جولائی 1953ء کو کراچی میں ہوئی۔ تین دن کے مذاکرات کے بعد جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا وہ کئی لحاظ سے کم از کم اپنے الفاظ کی حد تک امید افزا تھا۔ سرکاری حلقوں کی طرف سے تو اس تاثر کا اعلان بھی کر دیا گیا کہ پنڈت نہرو آئندہ مسئلہ کشمیر کے حل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ کراچی کی ملاقات میں گویا بات چیت عمومی نوعیت ہی کی رہی اور دہلی کے دوسرے راؤنڈ کے لئے لائحہ عمل ہی طے کیا گیا' لیکن سرکاری حلقوں میں عام تاثر یہی پایا جاتا تھا کہ مذاکرات نتیجہ خیز ثابت ہوں گے۔

برصغیر کے محب امن عناصر تو بوگرا نہرو مذاکرات سے یہ امیدیں باندھ رہے تھے کہ اچانک 8 اگست 1953ء کو مقبوضہ کشمیر میں شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے خلاف مقبوضہ کشمیر میں مظاہر کرنے والوں پر اندھا دھند گولیاں چلائی گئیں' اور ریاست کے جیل خانے حریت پسندوں سے بھر دیئے گئے۔ آزاد کشمیر اور پاکستان میں اس کے خلاف جو ردعمل ہوا وہ قدرتی تھا۔ آزاد کشمیر اور پاکستان کی رائے عامہ کی طرف سے پوری شدت کے ساتھ حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ آزادی کشمیر کے لئے فوری طور پر کوئی عملی قدم اٹھائے۔ محمد علی بوگرا نے جو عملی قدم اٹھایا' وہ یہ تھا کہ پنڈت نہرو کو ایک ٹیلی گرام کے ذریعے مقبوضہ کشمیر میں نازک صورتحال پر غور کرنے اور مسئلہ کشمیر کا پرامن حل تلاش کرنے کے لئے مذاکرات کی دعوت دی اور اپنی طرف سے یہ تجویز کیا کہ 10 اگست کو دہلی میں ملاقات ہونی چاہئے۔ پنڈت نہرو نے جواب میں ستمبر کے پہلے ہفتے تک ملاقات کو ملتوی کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ سری نگر میں موجودہ ہنگامی اور جوش و خروش کی فضا میں مذاکرات کا انعقاد مناسب نہ ہوگا۔

مسٹر نہرو نے اپنے خط میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ ملاقات میں کشمیر کے اندرونی معاملات زیر بحث نہیں آئیں گے کیونکہ "کشمیر کے اندرونی معاملات میں خود بھارت بھی مداخلت نہیں کرتا۔" ریاست داخلی حیثیت سے خود مختار ہے اس لئے شیخ عبداللہ کی گرفتاری اور اس سے پیدا شدہ صورتحال مذاکرات میں موضوع نہیں بن سکتی۔

16 اگست کو دہلی میں دونوں وزراء اعظم کی جو کانفرنس ہوئی اس میں تو بھارت کی طرف سے متروکہ جائیدادوں اور مشرقی پاکستان کی سرحدوں سے متعلق امور پر ہی بات چیت کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی لیکن بعد میں مسئلہ کشمیر پر بھی بات چیت کچھ آگے بڑھی۔ ملاقات کے بعد جو مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا' اس میں کہا گیا کہ "مسئلہ کشمیر ریاست کے عوام کی مرضی سے حل کیا جائے گا۔" مشترکہ اعلامیہ میں یہ بھی قرار پایا کہ دونوں ممالک 1954ء میں ناظم رائے شماری کا تقرر بھی کر دیں گے اور جن امور پر ابھی تک اختلاف باقی ہیں' انہیں اپریل 1954ء سے قبل ماہرین کی کمیٹیوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔

دہلی ملاقات میں پنڈت نہرو نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ایک نئی تجویز پیش کی کہ پوری ریاست کو ایک اکائی قرار دے کر جغرافیائی اور مذہبی بنیادوں پر ریاست کی حلقہ بندی کر دی جائے اور مختلف علاقوں میں الگ الگ استصواب کرایا جائے اور الگ الگ فیصلے کئے جائیں۔ پاکستان کی طرف سے گو بعد میں اس تجویز کو مسترد کر دیا گیا لیکن اس امر کی شہادتیں موجود ہیں کہ

جانوروں کے نام پر

کشمیریوں میں بعض قوموں' ذاتوں اور گوتوں کے نام مدت دراز سے جانوروں کے نام پر رکھے جاتے ہیں' اور اس کثرت سے کہ شاید اس معاملے میں دنیا کی کوئی قوم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چند ناموں کے ساتھ اُن کی قومیت ملاحظہ کیجئے:

غلام احمد کاؤ (کوا)
شام لال ککر (مرغ)
خواجہ عبدالرزاق کھر (گدھا)
سکندر رام طوطہ (طوطا)
خواجہ محمد شعبان گاڑہ (مچھلی)
غلام قادر ذلر (مکڑی)
رزاق نول (نیولا)
سیف الدین کچلو (بکرا)
شردانند کوتر (کبوتر)
محمد کانز (چڑا)
خواجہ سعد الدین شال (گیدڑ)
احمد کریم داند (بیل)
غلام علی بلبل (بلبل)
خواجہ غلام حسن گگر (چوہا)
شام لال ست نت (ہدہد)
عبدالقادر ردونٹھ (اونٹ)

وزیراعظم بوگرا نے دہلی میں پنڈت نہرو کی اس تجویز پر غور کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

بھارت نے دہلی مذاکرات میں دوسرا مطالبہ یہ کیا کہ امریکہ کے ایڈمرل نمٹز کو ہٹا کر کسی دوسرے شخص کو ناظم رائے شماری مقرر کیا جائے۔ کہا گیا کہ بھارت مسئلہ کشمیر میں کسی امریکی کو مداخلت کی دعوت دے کر اسے عالمی سرد جنگ کا ایک حصہ بنانا پسند نہیں کرتا' اس لئے ناظم رائے شماری کسی غیر جانبدار ملک سے لیا جائے۔ اصل میں بھارت کی اس تجویز کا مقصد مسئلہ کشمیر پر روس کی ہمدردی اور حمایت حاصل کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ روس اس وقت تک غیر جانبدار تھا اور بھارت کا مقصد یہ تھا کہ روس کھل کر بھارت کے موقف کی تائید کرنا شروع کر دے۔ چنانچہ روس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے بھارت نے امریکہ اور روس کے درمیان کوریا کے مسئلہ پر جو سخت اختلافات پیدا ہو چکے تھے' ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

اسی دوران میں بھارتی صدر نے مقبوضہ کشمیر کا دورہ کیا اور ریاست میں ایک تقریر کے دوران صاف صاف اعلان کیا کہ کشمیر بھارت کا ایک لازمی جزو ہے اور اسے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ مقبوضہ کشمیر کے وزیراعلیٰ بخشی غلام محمد نے رنبیر سنگھ پورہ میں ایک تقریر میں استصواب کے ہر امکان کو کلی طور پر مسترد کر دیا۔ پھر انہی دنوں میں جبکہ دونوں وزرائے اعظم ریاست میں مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے استصواب عام کے طریق کار پر مراسلت کر رہے تھے' بھارتی حکومت نے ریاست پر اپنے کنٹرول کو مزید وسعت دینے کے لئے متعدد اقدامات کئے اور بھارتی دستور کی دفعہ 370 کی مزید دفعات ریاست پر نافذ کر دی گئیں۔ بھارت کے مرکزی الیکشن کمیشن کے اختیارات ریاست کشمیر تک وسیع کر دیئے گئے اور کشمیر ہائی کورٹ کو بھارت کی دوسری ہائی کورٹس کے ساتھ ملا دیا گیا۔

یہ ساری باتیں جو مذاکرات و مراسلت کے دوران کی گئیں' ظاہر کرتی تھیں کہ گفت و شنید محض تاخیری حربے کے طور پر کی جارہی ہے' ورنہ بھارت کے پیش نظر اس سے کوئی ٹھوس نتائج حاصل کرنا ہرگز نہیں ہے۔ لارڈ برڈ ووڈ بوگرا' نہرو مذاکرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اگر مذاکرات اس نہج پر جاری رہتے جس پر کہ پاکستان انہیں جاری رکھنا چاہتا تھا تو محض باتیں راستے میں ہرگز رکاوٹ نہ بنتیں۔''

قدرت کی فیاضی

''کشمیر کو قدرت نے بے حد حسین اور دلکش بنایا ہے۔ یقیناً کسی زمانے میں یہاں مہذب اور متمدن انسان پیدا ہوئے ہوں گے اور بلاشبہ اس کے رفیع الشان پہاڑوں میں مردانہ جذبات رکھنے والی خوبصورت اور نازک اندام نسلیں رہی ہوں گی۔ یونان جو اپنے حسن کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے' اُس نے خوبصورت یونانی پیدا کئے۔ کشمیر تو یونان سے بھی زیادہ حسین ہے۔ یہاں بھی وہی نیلا آسمان اور سنہری کرنیں ہیں۔ یہاں کے پہاڑ یونان کے پہاڑوں سے کہیں زیادہ پُرشکوہ ہیں۔ گو کشمیر میں یونان کی طرح سمندر نہیں' لیکن دریا' وادیاں' جھیلیں اور پہاڑ ہیں' جن میں برف جمی رہتی ہے' جو بذاتِ خود ایک روح پرور نظارہ ہے''۔

(مشہور مورخ سرفرانسس ینگ ہسبنڈ)

(14) کشمیر: بھارتی آئین میں (1954)

18 جولائی 1947ء کو آزادی ہندوستان ایکٹ نافذ ہوا۔ اس ایکٹ کی دفعہ نمبر 1 کے تحت 15 راگست 1947ء کو ہندوستان میں بھارت اور پاکستان دو آزاد اور خودمختار ملک قائم ہوئے۔ 15 راگست 1947ء کو اسی دفعہ کے تحت یوم تاسیس قرار دیا گیا ہے۔ اسی قانون کے تحت صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا اہتمام ہوا اور اس طرح صوبہ سرحد رائے شماری میں کامیابی کی بنا پر پاکستان میں شامل ہوا۔ مذکورہ ایکٹ کی دفعہ 3 کے تحت صوبہ آسام کے ضلع سلہٹ میں بھی رائے شماری کرائی گئی لوگوں نے اپنی آزادانہ مرضی سے پاکستان میں شمولیت اختیار کی۔

ہندوستان کی ریاستوں کے مستقبل کے متعلق بھی آزادی ہند ایکٹ کی دفعہ نمبر 2(4) میں ذکر موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ ریاستیں اپنی مرضی اور خواہش سے پاکستان یا بھارت میں سے کسی ایک کے ساتھ شمولیت اختیار کر سکتی ہیں۔ اسی قانون کی دفعات نمبر 3 اور 4 کے تحت صوبہ بنگال' صوبہ آسام اور صوبہ پنجاب کی تقسیم کی گئی۔ ان تینوں صوبوں کی تقسیم صرف اور صرف مذہبی بنیادوں پر کی گئی۔ مسلم اکثریتی علاقوں کو پاکستان میں شامل کیا گیا اور ہندو اکثریتی علاقے انڈیا یا بھارت بن گئے۔ مذکورہ ایکٹ کی دفعہ 2(4) میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ الحاق یا شمولیت کا اختیار صرف اور صرف ریاستوں کو دیا گیا ہے۔ یہ اختیار ریاستی حکمرانوں کو ہرگز نہ ملا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس قسم کا فیصلہ کرتے وقت ہر ریاست کے مخصوص حالات' واقعات اور مذہب کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

ریاست جموں و کشمیر میں مسلمان غالب اکثریت میں تھے۔ اسی وجہ سے ریاست جموں و کشمیر کو یہ اختیار ملا تھا کہ وہ پاکستان یا بھارت میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہو۔ غیر مسلم مہاراجہ کشمیر کو یہ ہرگز اختیار نہ دیا گیا تھا کہ وہ کشمیریوں کی مرضی' خواہش اور ''ہندوستان کی تقسیم کے فارمولا'' کے خلاف اپنی ریاست کا الحاق بھارت کے ساتھ کرے۔ یہ بھارت کا دعویٰ ہے کہ مہاراجہ نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق 26 راکتوبر 1947ء کو بھارت کے ساتھ کر دیا تھا۔ تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مہاراجہ نے کبھی ریاست کا الحاق بھارت کے ساتھ نہیں کیا تھا۔

مہاراجہ 25 راکتوبر 1947ء کو سری نگر میں موجود تھا۔ 26 راکتوبر 1947ء کو وہ آدھی رات کے بعد جموں پہنچا۔ اس طرح تاریخ کے مطابق جموں میں 26 راکتوبر کی رات کو مہاراجہ نے اپنی کابینہ کا اجلاس صلاح و مشورہ کے لئے نہ بلایا تھا نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ 26 راکتوبر کو ہندوستان کے دارالحکومت نیو دہلی سے کوئی ہندوستانی الحاق کے مسئلہ پر مہاراجہ سے گفت و شنید کرنے کے لئے جموں آئے۔ نیو دہلی میں ہندوستانی حکام نے مہاراجہ کی رضامندی کے بغیر جعلسازی سے الحاق کی دستاویزات تیار کیں تاکہ ریاست جموں و کشمیر میں بھارتی افواج کی مداخلت کا قانونی جواز بنایا جاسکے۔ ایک معروف انگریز مؤرخ الاسٹیئر لیمب کے مطابق یہ دستاویزات Document Laundring کے زمرے میں آئیں گی۔ دوسرے الفاظ میں یہ دستاویزات غیر آئینی اور غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہیں۔ آج تک ان دستاویزات کو کسی بھی فورم پر ان کی اصلی شکل و صورت میں پیش نہیں کیا گیا ہے۔ ایک الزام کے مطابق پاکستان نے ان اصلی دستاویزات کو چوری کر کے اسلام آباد میں اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے۔ ہندوستانی قیادت نے بالکل ایسے ہی کیا اور رات کو انہوں نے الحاق کی جعلسازی سے دستاویزات تیار کیں۔

بے حسی اور بے ضمیری کا پہلا عملی مظاہرہ تو اس وقت ہوا جب بھارت کا آئین 26 نومبر 1949ء کو نافذ ہوا۔ اس آئین کے آرٹیکل 370 میں خاص طور پر ریاست جموں و کشمیر کا ذکر ہوا ہے۔ اس آرٹیکل کی کلاز (سی) میں کہا گیا ہے کہ آئین کے آرٹیکل نمبر 1 کا بھی نفاذ ریاست جموں و کشمیر پر ہو گا۔ آرٹیکل نمبر 1 کے مطابق انڈیا (یعنی کہ بھارت) ریاستوں کی ایک یونین ہوگی جن کی تفصیل آئین

کے پہلے شیڈول میں درج کی گئی ہے۔ شیڈول نمبر 1 میں بھارتی یونین کی کل ریاستوں کی تعداد 25 دی گئی ہے۔ ان 25 ریاستوں میں پندرھویں ریاست جموں وکشمیر کو بھارتی یونین کا ایک لازمی حصہ ظاہر کیا گیا ہے۔ 15 نمبر پر ریاست جموں وکشمیر کی مزید وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ 26 نومبر 1949ء کو آئین کے نفاذ سے قبل جتنے بھی علاقے ریاست جموں وکشمیر میں شامل تھے' وہ تمام علاقہ جات ریاست کے لازمی حصے تصور ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان بھی بھارتی یونین کا حصہ تصور ہوں گے۔

بھارتی آئین کے تحت ریاست جموں وکشمیر کو باقاعدہ بھارتی پارلیمنٹ میں نمائندگی دی گئی ہے۔ بھارتی آئین کے تحت ہی مقبوضہ کشمیر میں تمام ریاست جموں و کشمیر بشمول آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو ایک یونٹ تصور کرتے ہوئے وہاں انتخابات کرائے جاتے ہیں۔ انہی انتخابات کے نتیجہ میں مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی معرض وجود میں آتی ہے۔ اکثریتی جماعت وہاں اپنی حکومت بھارتی آئین کے تحت بناتی ہے۔

بھارتی آئین کے تحت ریاست کشمیر کا گورنر بھی مرکزی حکومت نامزد کرتی ہے۔ آئین کے آٹھویں شیڈول میں "کشمیری زبان کو" علاقائی زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ بھارتی آئین کے تحت بھارتی سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار کو ریاست جموں وکشمیر تک وسیع کر دیا گیا ہے' دوسرے الفاظ میں ریاست جموں وکشمیر بھارتی یونین کا اسی طرح ایک لازمی حصہ ہے، جس طرح کہ اس کی دیگر 24 ریاستیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھارتی راہنما ریاست جموں وکشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دیتے ہیں۔

ریاست جموں وکشمیر کے معاملات کو چلانے کے لئے بھارتی قیادت نے انتہائی ہوشیاری سے اپنے آئین میں جو آرٹیکل نمبر 370 رکھا ہوا ہے وہ دراصل ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی غلامی کی ایک مکمل ضمانت ہے۔ دنیا کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مہاراجہ کشمیر نے ریاست کا الحاق بھارت کے ساتھ 26 اکتوبر 1947ء کو کر دیا تھا۔ لہٰذا ریاست جموں وکشمیر کے متعلق کسی قسم کا جھگڑا باقی نہیں رہا ہے۔ یہ سب کچھ بھارت نے ایک گہری سازش کے تحت کیا ہے۔ شروع شروع میں تقریباً 10 سال تک بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو بار بار یہ کہتے رہے کہ ریاست جموں وکشمیر متنازعہ علاقہ ہے اور یہ کہ اس کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے عوام ہی اپنی آزادانہ مرضی اور خواہش سے کریں گے۔ اب بھارت کو چاہئے کہ وہ بذات خود کشمیریوں سے کئے گئے دھوکے اور فریب کو خود ختم کریں اور خود ہی وہ کشمیریوں سے کئے گئے وعدے کے مطابق ان کو حق خودارادیت دیں۔ صرف اور صرف ایسا کرنے سے ہی جنوبی ایشیا میں امن کا قیام ممکن ہو سکے گا۔ بھارت اگر دل سے پاکستان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو پھر اسے مسئلہ کشمیر کو انصاف کی بنیاد پر حل کرنا ہوگا۔ کشمیر مال غنیمت نہیں ہے جس کو "کچھ لو اور کچھ دو" کی بنیاد پر تقسیم کر لیا جائے۔ آرٹیکل نمبر 370 کی بنیاد ہی دھوکہ اور فریب پر رکھی گئی ہے۔ ایسی آئینی شق کی بین الاقوامی قانون کی نظر میں کوئی حیثیت نہ ہے۔ اسی لئے بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے کہا تھا کہ ریاست جموں وکشمیر ایسی جائیداد نہیں جس کو آپس میں بانٹ لیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا تھا کہ "کشمیری جو بھی اپنے مستقبل کے متعلق فیصلہ دیں گے اس کو میں دل و جان سے قبول کروں گا۔ اگر کشمیری بھارت کے ساتھ شامل نہ ہوں گے تو ان کے اس فیصلہ سے مجھے دلی اور دماغی کوفت تو ضرور ہوگی مگر میں کھل کر اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی بھی کشمیریوں کے فیصلے کو کچلنے کے لئے ان کے خلاف فوج کشی کا حکم نہ دوں گا"۔ (جسٹس راجہ افراسیاب خان)

ریڈنگ روم

فتح کدل ریڈنگ روم کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ محمد رجب بٹ نے مولوی بشیر احمد نامی ایک شخص سے مل کر سری نگر کے وسط میں ایک چھوٹا سا کمرہ کرایے پر لیا۔ یہ آپس میں مل بیٹھنے کا ایک بہانہ تھا۔ کچھ اخبارات بھی یہاں منگوائے جانے لگے۔ چند دنوں کے بعد یہ کمرہ چھوڑ کر محلہ سید علی اکبر میں ایک شکستہ مکان کرایے پر لیا جس کے ایک حصے میں ڈاک خانے کا ایک ملازم رہائش پذیر تھا' یہاں جب بھی نوجوان جمع ہوتے' ملکی حالات پر تبصرہ کرتے اور گھنٹوں ڈوگرہ خاندان کو صلواتیں سناتے۔ اس دوران انہوں نے محسوس کیا کہ ریڈنگ روم کے ساتھ ایک خفیہ تنظیم کی بھی شدید ضرورت ہے۔

(15) جیل سے شیخ عبداللہ کا خط (1957)

آزادیٔ ہند کے وقت شیخ عبداللہ ڈوگرا راج کے خلاف اپنی تحریک "کشمیر چھوڑ دو" کے سلسلے میں جیل میں تھے۔ پنڈت نہرو نے انہیں رہائی دے کر مقبوضہ کشمیر کا وزیراعظم مقرر کر دیا۔ شیخ صاحب نے اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق کشمیریوں کی رائے شماری کا مطالبہ کیا تو پنڈت نہرو نے انہیں گرفتار کر کے نظر بند کر دیا اور چار سال تک مسلسل نظر بند رکھا۔ شیخ صاحب نے جیل سے ایک خفیہ خط اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے صدر کے نام لکھا تھا جس کا اُردو ترجمہ ہدیہ قارئین ہے:

❁ اقوام متحدہ کی حفاظتی کونسل کے معزز ارکان! تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر کا نو سال پرانا مسئلہ بہت جلد آپ کے روبرو پیش ہونے والا ہے اور غالب امکان ہے کہ آپ اس پر پوری سنجیدگی سے غور کریں گے تاکہ یہ قضیہ قطعی طور پر طے کیا جا سکے۔ یہ ایک قدرتی امر تھا کہ میں اس اہم موقع پر خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اس مسئلہ کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتا اور یہ واضح کرتا کہ اس کو فوراً حل کرنا اور میری ریاست کے باشندوں کی طویل روحانی اذیت کو ختم کرنا کتنا ضروری ہے' مگر ایسا ممکن نہیں ہے۔ آپ کو غالباً اس کا علم ہے کہ ریاست کے ایک نظر بندی کیمپ میں میری قید کو تین سال ہو رہے ہیں' جہاں 9 اگست 1953ء کو حکومت کا تختہ الٹ کر مجھے محبوس کر دیا گیا تھا۔ اس لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ میں آپ کی خدمت میں یہ مکتوب بھیج دوں اور آپ سے یہ استدعا کروں کہ اس میں جو حقائق بیان کئے گئے ہیں' ان پر پوری توجہ سے غور کیا جائے۔

2۔ میں بیس سال سے ریاست جموں وکشمیر میں مطلق العنانی اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ کے خلاف عوام کی زبردست جدوجہد کی رہنمائی کرتا رہا ہوں۔ اس تحریک کا بنیادی اور اہم ترین اصول یہ تھا کہ حاکمیت صرف عوام کو حاصل ہونی چاہئے۔ ہماری تحریک کئی آزمائشوں اور پُرآشوب ادوار سے گزری ہے۔ ہمارے بہت سے رفقاء نے اپنے محبوب مقصد کے لئے اپنی جانیں تک قربان کر دیں اور دوسرے متعدد ساتھیوں نے طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں۔ برصغیر کی المناک تقسیم کے وقت فرقہ وارانہ فسادات کے شعلے اگرچہ پورے ملک میں بھڑک اٹھے تھے اور بہت سی انسانی جانیں تلف ہو گئی تھیں مگر ریاست جموں و کشمیر نے امن وسکون کا دامن ہم سے نہیں جانے دیا اور ہم فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم رکھنے کی کوشش میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ بدقسمتی سے ہندوستان کی تقسیم کے اثرات سے کشمیر پوری طرح محفوظ نہ رہ سکا اور 1947ء میں شمال مغرب کی جانب سے اس پر قبائلیوں نے حملہ کر دیا۔ اس حملے سے گھبرا کر کشمیر کے مہاراجہ نے بھارت سے

فوجی مداخلت کی درخواست کی۔

3۔ بھارت کی فوجی مداخلت کے لئے چونکہ کوئی قانونی جواز مہیا کرنا ضروری تھا' اس لئے مہاراجہ بھارت سے الحاق کی دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے مجبور ہوگیا۔ تاہم بھارت نے اس الحاق کو صرف عارضی قرار دیا اور یہ اعلان کیا کہ ریاست کے مستقبل کا آخری فیصلہ عوام کے آزادانہ استصواب رائے سے کیا جائے گا۔ 27 اکتوبر 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جو اس وقت بھارت کے گورنر جنرل تھے' مہاراجہ کی جانب سے الحاق کی پیشکش کا جواب دیتے ہوئے ایک خط میں لکھا...... "کشمیر میں جیسے ہی امن وامان بحال ہوگیا اور ریاست کی سرزمین حملہ آوروں سے صاف ہوگئی۔ ریاست کے الحاق کا فیصلہ کرنے کیلئے عوام کی رائے دریافت کی جائے گی"۔

4-2 نومبر 1947ء کو بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک نشری تقریر میں اعلان کیا "ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم اس بحرانی دور میں اور کشمیری عوام کو اپنی رائے ظاہر رکنے کا پورا موقع دیئے بغیر کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں جو قطعی اور آخری ہو...... الحاق کا فیصلہ لازمی طور پر ریاست کے عوام کی جانب سے ہونا چاہئے...... ہم اس فیصلے سے نہ منحرف ہوسکتے ہیں' نہ کبھی اس سے انحراف کریں گے"۔

5۔ بھارت کی جانب سے اقوام متحدہ اور کشمیری عوام دونوں سے بار بار وعدہ کیا جاچکا ہے کہ صرف عوام ہی ایک غیر جانب دار استصواب رائے کے ذریعہ الحاق کا فیصلہ کرسکتے ہیں اور بھارت کشمیر میں ہمارے حق خود ارادیت کے محافظ اور علم بردار کی حیثیت سے داخل ہوا تھا اور اسی حیثیت سے اس نے ہماری مدد سے حملہ آوروں کو باہر نکال دیا۔

6-13 ' اگست 1948ء اور پھر 5 جنوری 1949ء کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے بھارت اور پاکستان نے دو تاریخی قراردادیں منظور کیں۔ جن میں دونوں ملکوں کے باضابطہ سمجھوتے بھی شامل تھے اور دونوں ملک اس پر متفق تھے کہ الحاق کا فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں آزادانہ اور غیر جانب دارانہ استصواب رائے کے ذریعہ کیا جائے گا۔ کشمیری عوام سے یہ بین الاقوامی مواعید قطعی اور غیر مبہم ہیں۔

7۔ ریاستی حکومت کو آئینی شکل دینے کی غرض سے 1951ء میں بھارتی مقبوضہ کشمیر میں ایک دستور ساز اسمبلی طلب کی گئی۔ پاکستان کو شک ہوا کہ اس دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ الحاق کا فیصلہ کرکے شاید استصواب رائے کی نوبت ہی نہ آنے دی جائے۔ چنانچہ اس نے حفاظتی کونسل میں اس اقدام پر سخت اعتراض کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ مجوزہ اسمبلی کو الحاق کا فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اقوام متحدہ میں بھارتی وفد کے قائد سر بی۔ این۔ راؤ نے 12 مارچ 1951ء کو حفاظتی کونسل میں تقریر کرتے ہوئے اس اسمبلی کا مقصد پوری طرح واضح کردیا اور غیر مبہم اعلان کیا کہ جہاں تک الحاق کا سوال ہے' یہ اسمبلی الحاق کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کرے گی اور اس سلسلہ میں ان کی حکومت نے جو مواعید کئے تھے ان کی وہ بدستور پابند رہے گی۔ اسی بین الاقوامی وعدے کی بنا پر حفاظتی کونسل نے اپنے فیصلے کا ان الفاظ میں اعلان کیا "اسمبلی نے اگر پوری ریاست کے الحاق یا اس کی آئندہ حیثیت کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش کی تو اسے مذکورہ بالا اصول کے تحت (جو حفاظتی کونسل کی مارچ 1951ء کی قرارداد میں بیان کیا گیا ہے) فیصلہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ فروری 1955ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے بھارتی پارلیمنٹ میں بعض سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ کشمیر اسمبلی نے اگر الحاق کے متعلق کوئی فیصلہ دیا تو وہ یک طرفہ ہوگا۔ اس لئے ریاست کے مستقبل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

7۔ دریں اثنا حفاظتی کونسل نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ دونوں حکومتوں کو براہِ راست گفت وشنید کے ذریعے اس مسئلہ کو پرُامن طور پر حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

8۔ نیشنل کانفرنس کے لیڈر کی حیثیت سے اپنی تنظیم کی مجلس عاملہ کے مشورے اور مجلس عاملہ کی نامزد کردہ اعلیٰ سطح کی کمیٹی کی منظوری حاصل کرنے کے بعد میں نے کشمیر کا مسئلہ عوام کی خواہشات کے مطابق حل کرنے کے لئے متبادل تجاویز کی ایک فہرست مرتب کی اور جولائی 1953ء کے اوائل میں انہیں بھارتی وزیراعظم کے پاس بھیج دیا تاکہ بھارت اور پاکستان کے وزرائے اعظم کی آئندہ گفتگو کے وقت تنازعے کے پرُامن تصفیے سے متعلق ہمارا نقطہ نظر ان سے پنہاں نہ رہنے پائے۔ بدقسمتی سے بھارت نے اس پر پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا اور ہمارے خلاف ہوگیا۔

9۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے اور میرے حامیوں کے خلاف ایک گہری سازش کا جال بچھا گیا۔ بدقسمتی سے کشمیر کا مسئلہ پاکستان اور بھارت کے تعلقات کی کشیدگی کا بنیادی اور سب سے بڑا سبب ہے اور ان کے درمیان اگر کوئی تصادم ہوا تو ریاست کشمیر کا اس کی زد میں سب سے پہلے آنا بالکل ناگزیر ہے۔ جب تک یہ جھگڑا قطعی اور دوستانہ طور پر حل نہیں کیا جاتا' ریاست کے اندر پرُامن ترقی ناممکن ہے۔ یہ بہت وزنی حقائق ہیں جنہیں کوئی ایسا شخص جسے ریاست کا مفاد عزیز ہو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں کچھ عرصے تک زور دیتا رہا تھا کہ پاکستان سے

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیراہتمام قرآن اکیڈمی کے

رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لئے طالبانِ قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں:

☆ واضح رہے کہ یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم ازکم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کرچکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کردی جائے ـــــ تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جاسکتا ہے۔

☆ کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر سے ہوگا اور کورس کا دورانیہ نو ماہ ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور (فون:03-5869501)

courses@tanzeem.org

اس کا فیصلہ جلد کیا جائے۔ بھارت اس نقطہ نظر کے خلاف تھا اور میرے ساتھ اس کی ناراضگی، نے بتدریج واضح دشمنی کی شکل اختیار کر لی۔

10۔ ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے اپنے شرمناک مقاصد حاصل کرنے کے لئے بھارت نے اپنی صفوں میں افتراق اور فرقہ پرستی کے بیج بوئے اور ریاستی عوام کو بددیانتی پر مائل کرنا شروع کر دیا۔ یہ سازش 9 اگست 1953ء کو عروج پر پہنچ گئی اور میری حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اسمبلی میں عدم اعتماد کی کسی تحریک کی منظوری کے بغیر صدر ریاست نے غیر قانونی اور غیر آئینی حکم کے ذریعہ رات گئے مجھے اور میری کابینہ کو برطرف کر دیا۔ مجھے اور میری کابینہ کے ایک وزیر کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور میں مسلسل تین سال سے محبوس ہوں۔ میرے اوپر نہ تو کوئی مقدمہ چلایا گیا ہے نہ کوئی الزام عائد کیا گیا ہے۔

11۔ میری گرفتاری کے ساتھ ہی میرے ہزاروں حامی اور شریک کار بھی جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے۔ ان میں نائب وزراء' اعلیٰ عہدوں پر مامور گزیٹڈ افسر' معزز تاجر' وکیل' اسمبلی کے ارکان اور دوسرے سربر آوردہ افراد شامل تھے۔ پوری وادی۔ کے عوام کی بے ساختہ بغاوت کو کچلنے کے لئے ہر طرح کے جابرانہ اقدامات کیئے گئے۔ بھارت کی مرکزی ریزرو پولیس' فوج' رضا کار فوج اور سپیشل پولیس کو پوری آزادی دے دی گئی کہ وہ جسے چاہیں گولی مار دیں اور نہتے عوام پر ہر طرح کے مظالم توڑیں۔ لوگوں کو اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے ہزاروں افراد کو زدوکوب کیا گیا یا انہیں جیلوں میں بھوکا مارا گیا۔ جو لوگ ہلاک ہوئے ہیں ان کی تعداد سرکاری طور پر صرف 36 بتائی گئی ہے۔ مگر عام اندازے کے مطابق اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس ظلم وستم کا نشانہ حاملہ عورتوں اور بچوں کو بھی بنایا گیا' لیکن اس کی کوئی عدالتی تحقیقات نہیں کی گئیں۔ اسمبلی کے بیس سے زائد ارکان کو کسی طرح کا الزام لگائے بغیر نظر بند کر دیا گیا اور بہت سے لوگ اپنے گھروں میں قید کر دیئے گئے۔

12۔ انہی لرزہ خیز حالات میں اسمبلی کا ایک اجلاس طلب کیا گیا تا کہ حکومت کا تختہ الٹنے کی کارروائی کی منظوری لی جائے اور نئی حکومت پر اعتماد کا ووٹ حاصل کیا جائے۔ میں نے جیل ہی سے بھارت کے صدر اور وزیراعظم' نیز اسمبلی کے سپیکر سے تار کے ذریعہ درخواست کی کہ مجھے ایوان میں حاضر ہونے اور جمہوری اصولوں کے مطابق عدم اعتماد کی تحریک کا سامنا کرنے کی اجازت دی جائے لیکن یہ درخواست قابل اعتنا نہیں سمجھی گئی۔ اس طرح اسمبلی کے ارکان کے سینے پر ابھرا ہوا پستول رکھ کر اور پوری وادی میں قتل عام کر کے اور عوام کو دہشت زدہ کر کے ایک ایسی حکومت کے لئے اعتماد کا ووٹ حاصل کر لیا گیا جو بھارتی سنگینوں کے بل پر برسر اقتدار آئی تھی۔ جمہوریت کے ساتھ اس سے بڑی دغابازی ناقابل قیاس ہے! یہ کہنے کی شاید کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اخلاقی' قانونی اور آئینی حیثیت سے اس پرفریب اقدام کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔

13۔ اس طرح بھارت نے ساز باز کر کے کشمیر میں ان تمام لوگوں کو اپنے راستے سے ہٹا دیا جو اس کے خیال میں اس کے کشمیر دشمن عزائم کی تکمیل میں حائل ہو سکتے تھے پھر اس نے اسمبلی میں توثیق کرالی۔ اس کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ عوام کے ساتھ دغابازی' ان کے حق خود ارادیت سے غداری اور بین الاقوامی مواعید اور معاہدوں کی سنگین خلاف ورزی ہے۔

14۔ مارچ 1956ء میں بھارت کے وزیراعظم نے ایک اعلان میں کہا ہے کہ کشمیر میں استصواب رائے خارج از بحث ہے۔ اس اعلان سے دنیا بھر کے ضمیر کو زبردست صدمہ پہنچا ہے اور کشمیری عوام دم بخود ہو کر رہ گئے ہیں کیونکہ ان سے ان گنت وعدے کیئے جا چکے تھے کہ ایک آزادانہ اور غیر جانب دارانہ استصواب رائے کے ذریعہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں گے۔

اس قلابازی کے حق میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ پاکستان جنوب مشرقی ایشیا کی دفاعی تنظیم (سیٹو) اور معاہدہ بغداد میں شریک ہو گیا ہے اور اس نے امریکہ سے فوجی امداد حاصل کر لی ہے۔ اس دلیل کی لغویت بالکل واضح ہے۔ پاکستان نے کچھ بھی کیا ہو یا کچھ بھی کرے' اسے کشمیریوں کی خود ارادیت اور اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کے حق سے محروم کرنے کا جائز سبب نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے علاوہ بھارت کے وزیراعظم اس اندیشے کی جانب بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ کشمیریوں نے اگر پاکستان کے حق میں رائے دی تو بھارت میں فرقہ وارانہ جذبات مشتعل ہو جائیں گے اور اس کی مسلم اکثریت کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہ دلیل بھی بہت کمزور ہے۔ کیا بھارت کی سیکولرازم اتنی سطحی ہے کہ کشمیری عوام جیسے ہی اپنا حق خود ارادیت بروئے کار لائیں گے' یہ ایک ریت کے گھروندے کی طرح گر پڑے گی۔ کیا بھارت کی نام نہاد سیکولر جمہوریت میں مسلم اقلیت کے ساتھ منصفانہ سلوک کے لئے کشمیریوں کو یرغمال کے طور پر رکھا جائے گا؟ بھارت نے کشمیریوں سے بار بار وعدہ کیا تھا کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ وہ خود ایک آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے ذریعہ کریں گے۔ کیا یہ وعدہ صرف اس صورت میں پورا ہونا تھا کہ بھارت کے حق میں فیصلہ یقینی ہو؟

15۔ بھارت نے بار بار یہ دعویٰ کیا ہے کہ کشمیر بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے اور وہاں سیاسی تذبذب کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ حقیقت اس دعوے کے عین برعکس ہے۔ کشمیر پر آج کل انسانیت سوز اور وحشیانہ قوانین کے ذریعے حکومت کی جا رہی ہے' جن کے باعث ریاست کی تمام معاشرتی اور سیاسی زندگی مفلوج اور تمام ترقی مسدود ہو کر رہ گئی ہے۔ بھارتی جمہوریہ کے صدر کی منظوری کے بعد ریاست میں انسداد نظر بندی کا غیر آئینی قانون نافذ کر دیا گیا ہے جس کے باعث تمام شہری آزادیاں ختم ہو گئی ہیں۔ اس قانون کے تحت کسی شخص کو مقدمہ چلائے بغیر نظر بند رکھا جا سکتا ہے۔ اس کی رو سے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کو اس کی نظر بندی کا سبب بھی بتلایا جائے۔ اس وحشیانہ قانون کو بڑی آزادی سے وقتاً فوقتاً استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے تحت با عزت شہریوں اور سیاسی کارکنوں کو نظر بند کر دیا گیا ہے اور اس کے لئے یہ عذر پیش کیا گیا ہے کہ انہوں نے اسمبلی میں حزب اختلاف کی تائید کے لئے اپنے استحقاق کے مطابق عوام کی تنظیم کی تھی۔ ایوان کے جن ارکان نے حزب مخالف میں شریک ہونے کا ارادہ بھی ظاہر کیا' انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ بعض حالات میں اس وحشیانہ قانون کی مدد سے اسمبلی کے ارکان کو استعفیٰ پر مجبور کیا گیا اور ایسی مثالیں بہت سی موجود ہیں کہ ارکان کو کھلم کھلا یہ دھمکی دی گئی کہ انہوں نے حکمران پارٹی کی حمایت نہ کی تو انہیں فوجداری کے جھوٹے مقدموں میں ماخوذ کر لیا جائے گا۔

کشمیر کے جو معزز شہری حکمران پارٹی سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کرتے انہیں غنڈے لوٹ لیتے ہیں' ان کی توہین کرتے ہیں یا انہیں بر سر عام زدوکوب کرتے ہیں ایسے غنڈوں کی تنظیم کے لئے بھارت کا روپیہ بے دریغ خرچ کیا جا رہا ہے۔ بھارت سے خطیر رقم سود پر حاصل کر کے عوامی زندگی میں بددیانتی کو فروغ دیا جا رہا ہے اور اس طرح عوام کا ضمیر خریدنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن یہ حقیقت بڑی اطمینان بخش ہے کہ ان تمام ناپاک ذرائع کے استعمال کے باوجود عوام کا دامن بے داغ ہے' انہوں نے ابھی تک ظالموں کی اطاعت قبول نہیں کی بلکہ ایک آواز ہو کر بھارت'

مسجد حضرت بل

حضرت بل کی خوبصورت مسجد جہاں آنحضور ﷺ کا موئے مبارک محفوظ ہے۔ جھیل ڈل کے کنارے نسیم باغ کے ایک گوشے میں تعمیر کی گئی ہے۔ 1044ء میں آنحضور ﷺ کا یہ موئے مبارک عرب سے ایک بزرگ سید عبداللہ ہندوستان لائے تھے۔ ان دنوں ہندوستان کے تخت پر شاہجہاں جلوہ افروز تھے۔ اس کے بعد جب اورنگ زیب عالمگیر کا عہد حکومت شروع ہوا تو سرور ﷺ کائنات کی یہ متبرک نشانی خواجہ نور الدین عشائی کے ذریعے وادئ کشمیر میں پہنچائی گئی اور یہاں کے مسلمانوں نے حضرت بل کے مقام پر ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کر کے اسے یہاں محفوظ کر لیا۔ ہر جمعے کے دن بعد از نماز دیدار کرایا جاتا ہے۔

پاکستان اور اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں اور انہیں آزادانہ طور پر اور جمہوری اصولوں کے مطابق اپنا حق خودارادیت استعمال کرنے کا موقع دیں۔

بھارتی پریس قریب قریب کسی استثناء کے بغیر استصواب رائے کے تمام رجحانات کا مخالف ہے۔ کوئی اخبار اگر کشمیری عوام سے بھارت کا وعدہ پورا کرنے کی حمایت کرتا ہے یا کشمیر کے موجودہ نظم ونسق پر نکتہ چینی کرتا ہے تو اسے فوراً رشوت دے کر اس کا منہ بند کر دیا جاتا ہے یا اسے ڈرایا دھمکایا اور ریاست میں اس کا داخلہ بند کر دیا جاتا ہے۔ غیر ملکی نامہ نگاروں کو کشمیر میں داخلے کی بڑی مشکل سے اجازت ملتی ہے اور کسی صحافی کو اگر وادی کشمیر میں جانے کا موقع بھی مل جائے تو اس کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ اصل حالات اور حقائق کا مشاہدہ نہ کر سکے۔ وادی کے گرد عملی طور پر ایک آہنی پردہ پڑا ہوا ہے۔ کشمیر کا کوئی شہری یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ کسی سیاح سے ملاقات کر کے اسے اپنی داستان غم بیان کر سکے کیونکہ وہ خفیہ پولیس اور اس کی ایذا رسانیوں کے ڈر سے ہر وقت سہما رہتا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی شخص ان حقائق کی تردید نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی غیر جانب دار ادارہ ان حالات کی تحقیقات کرے تو کشمیریوں کے غصہ کا روح فرسا آتش فشاں پھٹ پڑے گا۔ لیکن صحیح حالات صرف غیر جانب دار تحقیقات کے بعد منظر عام پر آ سکتے ہیں۔ سری نگر اور جموں کے حالیہ بلدیاتی انتخابات نے کشمیر کی برسر اقتدار پارٹی کے ظالمانہ اور پرُفریب حربوں کا قطعی ثبوت مہیا کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی تنظیموں اور ایسی سیاسی جماعتوں نے جن میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے۔ ان انتخابات کا بائیکاٹ کیا تاہم حزب مخالف کی بعض تنظیموں نے حکمران پارٹی کا مقابلہ کیا۔ ریاست کے اندر اور باہر کے ہندو پریس نے ان انتخابات کے متعلق حیرت انگیز حقائق کا انکشاف کیا ہے اور بتایا ہے کہ حکمران پارٹی نے کس طرح بددیانتی سے کام لیا ہے۔ فرضی ووٹ ڈلوائے اور طرح طرح کی بدعنوانیاں روا رکھیں۔ یہی قابل اعتراض ذرائع اختیار کر کے حکمران پارٹی نے سری نگر میونسپل کارپوریشن کی تمام نشستوں پر قبضہ کر لیا ہے اور جموں کارپوریشن میں اکثریت حاصل کر لی ہے۔

16۔ کشمیری عوام آج کل ناقابل بیان آلام و مصائب سے دوچار ہیں۔ ان حالات میں کوئی اقتصادی یا سیاسی ترقی ممکن نہیں ہے۔ کشمیر اس برصغیر کے سیاسی جسم کا رستا ہوا ناسور بن گیا ہے اور اس نے پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں بے انتہا تلخی پیدا کر دی ہے۔ سیز فائر لائن پر دونوں ملکوں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آراء ہیں اور یہ بارود کا ایک ایسا ذخیرہ ہے جو کسی وقت بھی پھٹ کر ایک تباہ کن جنگ کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ اس کے سنگین نتائج کے تصور ہی سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ اس جنگ کی صورت میں نہ صرف کشمیر صفحۂ ہستی سے نیست ونابود ہو جائے گا بلکہ اس کے نتائج اور بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔ کیا دنیا کا ضمیر اس قدر مردہ ہو چکا ہے کہ وہ بروقت بیدار نہیں ہوگا؟

اقوام متحدہ کا ایک رکن اگر اپنے بین الاقوامی عہد سے اتنی آسانی سے منحرف ہو جائے اور لاکھوں افراد کے انسانی حقوق کو اس بے پروائی سے پامال کر دے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے حفاظتی کونسل کا اثر بالکل ختم ہو جائے گا اور عالمی امن خطرے میں پڑ جائے گا۔

17۔ میں کئی لاکھ کشمیریوں اور برصغیر کے کروڑوں افراد کے امن اور ترقی کے نام پر آپ سب سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ حفاظتی کونسل کے مواعید کی سختی سے حمایت کریں اور اس کے فیصلے کو عملی جامہ پہنائیں۔ میں دنیا کے ان ملکوں سے جنہیں آزادی سے محبت ہے، جو اقوام متحدہ کے منشور پر دستخط کر چکے ہیں اور جنہوں نے منشور کا لفظی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے احترام کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ بین الاقوامی اختلافات اور تنازعات سے بالا ہو کر چالیس لاکھ پامال کشمیریوں کے حق کی متفقہ طور پر ثابت قدمی سے حمایت کریں اور انہیں ایک آزاد اور غیر جانب دار فضا میں اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا موقع دلائیں۔ یہ اپیل میں ان قوموں سے بھی کرتا ہوں جن کے رہنماؤں نے عوام کا حق خودارادیت تسلیم کرانے کے لئے اپنی جانیں تک قربانی کر دی ہیں۔ کشمیری عوام کی روحانی اذیت اور امن کے لئے سنگین خطرے کا صرف اس صورت میں خاتمہ ہو سکتا ہے۔

مخلص

شیخ محمد عبداللہ

(16) بے ضمیری اور بے عملی کا دور (1962)

12 اپریل 1962ء کو ایک بار پھر حکومت پاکستان کی درخواست پر سلامتی کونسل نے مسئلہ کشمیر پر بحث کا آغاز کیا۔ پاکستان کے نمائندے نے پوری تفصیل کے ساتھ اُن تمام کوششوں کا ذکر کیا جو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے کی جا چکی تھیں اور جنہیں بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ پاکستان کے مندوب نے پاک بھارت براہِ راست مذاکرات کی تفصیل بھی سلامتی کونسل کے سامنے رکھی اور مطالبہ کیا کہ اقوام متحدہ ایک بار پھر مسئلے پر غور کر کے اپنی سابقہ قراردادوں پر عمل درآمد کے لئے ٹھوس اقدام کرے۔

اس کے جواب میں ہندوستانی نمائندے مسٹر کرشنا مینن نے پہلی بار پوری صراحت کے ساتھ مسئلے کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ بھارت کو چونکہ 1957ء کے بعد سے روس کی کھلی اور واضح تائید وحمایت حاصل ہو چکی تھی، اس لئے اب اس کے لئے یہ ضروری نہیں رہا تھا کہ وہ الٹی سیدھی تعبیرات کا بہانہ کر کے مسئلے کے حل میں التوا پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ روسی تائید کی شہ پر اب وہ نہایت آسانی کے ساتھ یہ اعلان کرنے کی جرأت بھی کر سکتا تھا کہ ''بھارت سے کشمیر کا الحاق حتمی اور آخری ہے'' اور یہ کہ ''کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے'' جس پر کسی قسم کی گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ 1962ء میں پورے اعتماد کے ساتھ بھارت نے سلامتی کونسل میں یہی موقف اختیار کیا۔

روس کے سوا سلامتی کونسل کے تمام ارکان نے بھارت کے اس موقف کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بھارت کے وہ تمام مواعید یاد دلائے جو استصواب سے متعلق اس نے سلامتی کونسل کے پلیٹ فارم پر کئے تھے، لیکن روسی ویٹو نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہر اُس قرارداد کو منظور ہونے سے روک دیا۔ سلامتی کونسل میں جو بھی کوئی ٹھوس تجویز پیش ہوتی تھی، حتیٰ کہ امریکا اور برطانیہ کی تائید سے پیش کی جانے والی اس مضمون کی نہایت بے ضرر قرارداد بھی، کہ بھارت اور پاکستان مسئلے کے حل کے لئے براہ راست مذاکرات کریں، روسی ویٹو کا شکار ہو گئی۔ روس نے اس مرتبہ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کو جو نقصان پہنچایا، وہ 1957ء کے ویٹو کے نقصانات سے بھی بڑھ کر تھا۔ 1962ء کے روسی ویٹو کے بعد بھارت نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنے آئین میں بعض ترامیم کے ذریعے ریاست کو دیگر بھارتی صوبوں کی طرح ایک عام صوبہ قرار دینے کے اقدامات کا آغاز کیا۔

1963ء سے 1964ء تک رسول کریم ﷺ کے موئے مبارک کی گمشدگی سے پیدا ہونے والی صورتِ حال سے مقبوضہ کشمیر میں بغاوت کی جو لہر اٹھی، اور اسے دبانے کے لئے بھارتی حکومت نے پولیس اور فوج کے ذریعے ریاستوں میں مسلمانوں پر جو ظلم وتشدد کا بازار گرم کیا، اس پر غور کرنے کے لئے مسئلہ پاکستان نے سلامتی کونسل کے اجلاس میں پیش کیا۔

1964ء تک پہنچتے پہنچتے بین الاقوامی سیاست میں

زمین اور آسمان کی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ 1962ء کی چین بھارت جنگ کے بعد ''مغرب اور مشرق'' دونوں ہی بھارت کی ''زلف گرہ گیر کے اسیر'' ہو چکے تھے۔ چنانچہ پاکستان کے نقطہ نظر سے سلامتی کونسل کا یہ اجلاس مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ کے انتہائی مایوس کن رویے کو ظاہر کرتا ہے۔ پاکستان کی بہترین کوششوں کے باوجود پاکستان کے ''دوست'' بھارت کی اس خواہش کی مزاحمت بھی نہ کر سکے کہ کونسل کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ بھارت اس اجلاس میں اپنے سیاسی و سفارتی اثر و رسوخ کے عروج پر تھا اور بڑی طاقتوں کی عالمی پالیسیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ یہ اجلاس پاکستان کے نقطہ نظر سے اس لئے ناکام ثابت ہوا کہ سلامتی کونسل کے کئی ارکان کی اس بات کے جواب میں کہ بھارتی حکومت ریاست کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے جو کچھ کر رہی ہے' وہ اقوام متحدہ کی سابقہ قراردادوں کی روشنی میں قانونی اور اخلاقی لحاظ سے درست نہیں ہے' بھارتی نمائندے مسٹر چھاگلا نے صاف صاف کہا کہ بھارتی حکومت ریاست کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے جو کچھ ممکن ہو سکا' کرے گی اور اس بات سے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

پاکستان نے پہلے تو اس امر کی سر توڑ کوشش کی کہ کوئی ایسی قرارداد منظور ہو جائے جس میں اقوام متحدہ کے ''کمیشن برائے ہندو پاکستان'' کی سابقہ قراردادوں کی توثیق کی گئی ہو اور حق خود ارادیت کی بنیاد پر مسئلے کے حل کا اعادہ کیا گیا ہو۔ جب یہ کوششیں ناکام ہوئیں تو اسی پر اکتفا کر لیا گیا کہ اس مضمون کی کوئی قرارداد منظور نہ ہو' کم از کم پیش تو ہو جائے۔ روس اگر اسے ویٹو بھی کر دیتا ہے پھر بھی ارکان کی اکثریت کا ووٹ بہت بڑا اخلاقی اثر اپنے اندر رکھتا ہے' لیکن روس اور مغربی ممالک کے بھارت نواز رویے نے یہ بات بھی بننے نہ دی اور پاکستان سلامتی کونسل سے بے نیل و مرام لوٹ آیا۔

اقوام متحدہ کی اس بے حسی' بھارت کی اس ہٹ دھرمی اور بڑی طاقتوں کی اس خود غرضانہ پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسئلہ کشمیر پر سلامتی کونسل کا اگلا اجلاس منعقد ہوا تو برعظیم پاک و ہند آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔

نشاط باغ

یہ باغ شہنشاہ جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ باغ میرا کدل سے سات میل کے فاصلے پر چشمہ شاہی کے قریب واقع ہے۔ صدر دروازے سے داخل ہو کر سنگ مرمر کے کچھ زینے طے کرنے پڑتے ہیں۔ سنگ مرمر کے حوضوں میں فوارے لگائے گئے ہیں۔ اس باغ کا ہر گوشہ زرین زمانے کو آواز دیتا ہے جب شہنشاہ جہانگیر اپنی حسین و جمیل ملکہ نور جہاں کے ساتھ اس کی روشوں میں محو گل گشت ہوتا تھا۔

بھارت کو اگر بھاری فوجی و اقتصادی امداد دی جائے تو وہ چین کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

چنانچہ مغربی ممالک پر یہی ردعمل ہوا۔ امریکہ اور برطانیہ نے چند دیگر یورپی ممالک کو اپنے ساتھ ملایا اور بھارت کی فوجی امداد کی ترسیل شروع کر دی۔ پاکستان میں اس امداد کے خلاف جو شدید ردعمل ہوا' وہ قدرتی بات تھی۔ پاکستان کا موقف یہ تھا کہ جب تک مسئلہ کشمیر حل طلب ہے اس وقت تک بھارت کو فوجی امداد دینا پاکستان کے لئے خطرے سے خالی نہیں۔ حکومت پاکستان نے مغربی ممالک پر اپنے اس خدشے کا اظہار کر دیا کہ بھارت اس پوزیشن میں نہیں کہ وہ چین پر حملہ کر سکے اور نہ ہی چین بھارت کو فتح کرنے کا کوئی ارادہ رکھتا ہے اس لئے یہ اسلحہ لازماً ہمارے خلاف ہی استعمال کیا جائے گا۔ پاکستان کو یہ شکایت بھی تھی کہ ہم مغربی ممالک کے ساتھ چونکہ دفاعی معاہدوں میں شریک ہیں' اس لئے ایک ایسے ملک کو جس کے ساتھ ہمارے تعلقات اچھے نہیں ہیں' اسلحہ دیتے وقت ہم سے مشورہ لیا جانا چاہئے تھا۔ قوم کے جذبات کا اندازہ کرتے ہوئے صورت حال پر غور کرنے کے لئے قومی اسمبلی کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ اجلاس کی خفیہ نشست میں وزیر خارجہ محمد علی بوگرا مرحوم نے ایوان کے سامنے امریکہ اور بھارت کے خفیہ معاہدے کی نقول پیش کر دیں جو 1961ء میں طے پا چکا تھا۔ اس معاہدے کے سامنے آ جانے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بھارت پاکستان سے بہت پہلے فوجی معاہدوں میں شریک ہو چکا ہے اور اس کی غیر جانبداری ایک ڈھونگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس معاہدے کے انکشاف سے پنڈت نہرو کی یہ گھسی پٹی دلیل بھی رد ہو گئی کہ پاکستان چونکہ فوجی معاہدوں میں شریک ہو چکا ہے اور حالات تبدیل ہو چکے ہیں اس لئے کشمیر میں رائے شماری ممکن نہیں۔

پاکستان کے پیہم احتجاجات پر خود مغربی ممالک کی رائے عامہ نے بھارت پر یہ زور دینا شروع کر دیا کہ وہ امداد کا استحقاق ثابت کرنے کے لئے مسئلہ کشمیر کا حل تلاش

(17) بھٹو سورن سنگھ مذاکرات (1963)

❀ یہ دسمبر 1962ء کا ذکر ہے۔

امریکی وزیر خارجہ مسٹر ایوریل ہیری مین اور برطانوی سیکرٹری امور خارجہ مسٹر ڈنکن سینڈز کی مشترکہ کوششوں سے صدر ایوب اور پنڈت نہرو مسئلہ کشمیر اور دوسرے متنازعہ فیہ امور پر وزارتی سطح پر مذاکرات شروع کرنے پر رضامند ہو گئے۔ یہ مذاکرات چھ مختلف شہروں میں منعقد ہونے کے بعد ٹوٹ گئے۔ مذاکرات کا اس طرح ناکام ہو جانا کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی' ان کے آغاز ہی میں اس طرح کی پیشین گوئیاں منظر عام پر آنا شروع ہو گئی تھیں کہ مذاکرات کا سلسلہ بغیر کسی نتیجے پر پہنچے کے ٹوٹ جائے گا اور دونوں ملکوں کے تعلقات کی نوعیت میں تلخی کا عنصر شدید تر ہو جائے گا۔ مذاکرات کے دوران کئی بار جو ڈیڈ لاک پیدا ہوا' وہ مذکورہ بالا پیشین گوئیوں کے ثبوت کے لئے کافی تھا مگر اس کے باوجود ایک کے بعد دوسرا اور حتی کہ چھ دور منعقد کئے گئے اور آخر کار فریقین نے اس بات پر ''اتفاق'' کر لیا کہ مسئلہ کشمیر پر ان میں ''اتفاق'' نہیں ہو سکا۔

مذاکرات شروع کرانے کی سازش میں امریکہ' برطانیہ اور بھارت برابر کے شریک تھے۔ قرائن و شواہد صاف بتا رہے ہیں تھے کہ بھارت سرے سے مسئلے کا حل چاہتا ہی نہیں اور امریکہ اور برطانیہ کو کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر برصغیر کے اسٹیج پر مذاکرات کے چھ ایکٹ کا یہ ڈرامہ کھیلا گیا تو اس کی چند وجوہات تھیں۔

چین اور بھارت کے سرحدی جھگڑے میں بھارت نے جس بزدلی کا مظاہرہ کیا اور اس کی فوج نے جس کم ہمتی سے چینی سرحدی محافظوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے امریکہ اور برطانیہ نے اسے اپنے لئے ایک بہت بڑا چیلنج سمجھا۔ بھارت کی شکست کا مطلب یہ تھا کہ ایشیا میں مغربی ممالک کا اثر و رسوخ ختم ہو جائے اور چین سارے ایشیا پر چھا جائے۔ معمولی سی پیش قدمی کے بعد جس کا مقصد شاید بھارت کی عسکری پوزیشن کا پول کھولنا تھا' چین نے غیر مشروط طور پر جنگ بندی کا اعلان کر دیا اور اپنی فوجیں پیچھے ہٹا لیں۔ جنگ بندی کے ساتھ ہی وزیر اعظم چین نے پنڈت نہرو کو بات چیت کے ذریعے سرحدی تنازعہ حل کرنے کی دعوت دی لیکن پنڈت نہرو نے چینی وزیر اعظم کی اس دعوت کی یوں توجیہہ کی جیسے چین مزید جنگی تیاریوں کے بعد دوبارہ حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور دوسری طرف اپنی ملکی سرگرمیوں کا رخ کچھ اس انداز سے موڑا کہ امریکہ اور برطانیہ اس دھوکے میں آ جائیں کہ

کرنے کی کوشش کرے اور اپنی حکومتوں سے یہ مطالبہ کیا کہ بھارت کو اس وقت تک طویل المیعاد فوجی امداد نہ دی جائے جب تک وہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے مذاکرات کا یہ ڈھونگ رچایا گیا تا کہ یہ ظاہر ہو سکے کہ بھارت بھی دل و جان سے مسئلے کے حل کا خواہاں ہے۔ اس تیر سے دوسرا شکار جو پیش نظر تھا' وہ یہ تھا کہ پاکستان میں مغربی ممالک کے خلاف جو شدید غم و غصے کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے اسے بھی کسی حد تک دور کیا جا سکے۔

اس سلسلے میں بھارت کو ڈپلومیسی کے تمام گر سکھائے گئے اور مبہم' غیر نتیجہ خیز اور ناقابل قبول تجاویز پیش کرنے کو کہا گیا اور بھارت کی نمائندگی کے لئے اس شخص کو چنا گیا جو بہت بڑا ڈپلومیٹ اور مضبوط ترین اعصاب کا مالک تھا۔ تجویز یہ تھی کہ مذاکرات کو اتنا طول دیا جائے جتنا دیا جا سکتا ہے۔ اس عرصے میں امریکی کانگریس سے صدر کینیڈی بھارت کی امداد کے لئے رقم منظور کرلیں گے اور پاکستان کو بھی کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے سے روکا جا سکے گا۔ بعد میں اگر مذاکرات ناکام ہو گئے' جس کا انہیں پورا پورا یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ تو دو طرفہ الزام تراشی میں یہ پتہ چلانا مشکل ہو گا کہ ناکامی کی ذمہ داری کس فریق پر ہے۔ اس طرح بھارت کے سر سے بین الاقوامی رائے عامہ کی مخالفت کا بوجھ بھی اتر جائے گا اور اسے امداد مہیا کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ ان مذاکرات کے خلاف ملک میں شدید ردعمل پیدا ہوا اور صدر ایوب نے جہاں ایوب نہرو مشترکہ اعلامیہ کو "تاریخی دستاویز" قرار دیا تھا وہاں حزب اختلاف کے رہنماؤں نے اسے "تاریخی سادہ لوحی" سے تعبیر کیا۔

ایوب نہرو مشترکہ اعلامیہ کئی لحاظ سے پاکستان کے موقف کے مطابق نہ تھا۔ اس اعلامیہ میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے بات چیت کا تو ذکر موجود تھا لیکن پاکستان کا یہ موقف شامل نہ تھا کہ بات چیت کی بنیاد استصواب عام ہی ہوگی۔ دوسری طرف اس میں کشمیر سے متعلقہ اقوام کی سابقہ قراردادوں کا بھی ذکر نہ تھا اور یہ بات ایک طرح سے اقوام متحدہ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کے مترادف تھی۔ اعلامیہ میں بات چیت کے لئے جو طریق کار وضع کیا گیا تھا' وہ کئی لحاظ سے ناقص' مبہم اور غیر نتیجہ خیز مذاکرات کے امکانات کو سامنے لاتا تھا۔ اس میں نہ تو وہ وقت کا تعین تھا اور نہ ہی اس امر کی تصریح کی گئی تھی کہ اگر مذاکرات کے دوران فریقین میں اختلافات رونما ہوئے تو متنازعہ امور میں مصالحت کنندہ کون ہوگا؟ مشترکہ اعلامیہ کا ابہام اور بعض اہم ترین امور کے بارے میں خاموش ہونا' جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے محض اتفاق نہ تھا بلکہ امریکہ' برطانیہ اور بھارت کی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا۔

امریکہ اس امر سے اچھی طرح واقف تھا کہ موجودہ حالات میں جبکہ بھارت کو امریکی فوجی امداد کی ترسیل کی وجہ سے پاکستان میں اس کے خلاف ایک شدید ردعمل پایا جاتا ہے' حکومت پاکستان بہ آسانی ان مذاکرات پر رضامند نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کو مذاکرات پر آمادہ کرنے اور بھارتی سازش کے جال میں پھنسانے کے لئے مشترکہ اعلامیے پر دستخط سے قبل امریکی اخباروں میں یہ خبر شائع کرائی گئی کہ امریکہ نے پاکستان کے دو اہم ترقیاتی منصوبوں کے لئے امداد دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ خبر پھیلائی گئی کہ امریکہ نے مشرقی پاکستان کے سیلاب زدگان کے لئے دس ہزار ٹن غلہ دینے کا جو وعدہ کیا تھا' اس سے وہ منحرف ہو گیا ہے۔ یہ بھی کہا جانے لگا کہ امریکہ نے امداد بند کر دی تو سندھ طاس کا منصوبہ مکمل نہ ہو سکے گا۔ سرکاری حلقوں میں یہ بات پھیلائی گئی کہ اگر امریکی امداد بند ہوگئی تو حکومت پاکستان کے تیس فیصد ملازمین بیکار ہو جائیں گے۔

ان نفسیاتی حربوں اور مالی امداد کی بلیک میلنگ سے امریکہ اور برطانیہ کے نمائندوں نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور پاکستان کی طرف سے بھارت کو اطمینان دلانے کے لئے ایک ایسے اعلامیے پر دستخط کروا لئے جو کم از کم مذاکرات کے دوران عملاً ایک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تھا۔ امریکہ اور برطانیہ کو اس امر سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ ان مذاکرات کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے یا نہیں' بلکہ وہ خوب جانتے تھے کہ بھارت ان مذاکرات کو نتیجہ خیز نہیں ہونے دے گا۔ ان کی خواہش تو یہ تھی کہ بس مذاکرات ہو جائیں۔ ان مذاکرات میں بقول مسٹر ڈنکن سینڈز خواہ صدر ایوب اور نہرو کے درمیان موسم پر ہی بات چیت کیوں نہ ہو۔

ملکی حلقوں میں اس "اعلان" کے خلاف بڑا شدید ردعمل ہوا۔ یہ کہا گیا کہ "اس اعلان کا مقصد پاکستان کو غیر جانبدار ممالک خصوصاً چین کی نظروں میں بے نقاب کرنا تھا۔ عوامی لیگ کے حسین شہید سہروردی نے کراچی کے ایک جلسہ عام میں اس پر شدید تنقید کی اور کہا کہ جب تک نہرو کشمیر میں استصواب رائے کی یقین دہانی نہیں کراتے اور شیخ عبداللہ کو رہا نہیں کرتے اس وقت تک کسی قسم کے مذاکرات نہ کئے جائیں۔ ان دنوں قومی اسمبلی کا ہنگامی اجلاس بھی راولپنڈی میں ہو رہا تھا۔ اسمبلی میں اس امر پر سخت اعتراض کیا گیا کہ اسمبلی کو اعتماد میں لئے گئے بغیر حکومت نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے۔ جماعت اسلامی کے مسٹر اختر الدین احمد نے اس اعلامیہ کو ورسیلز کے اس معاہدے سے تشبیہ دی جس پر جرمنی نے جنگ عظیم میں شکست کھانے کے بعد دستخط کئے تھے۔ "نوائے وقت" کے پارلیمانی نمائندے کی رپورٹ کے مطابق اسمبلی کے ممبروں پر "مشترکہ اعلان بم بن کر گرا...... عام اور فوری تاثر یہ تھا کہ پاکستان اپنے مغربی حلیفوں کے جس دباؤ کی اب تک مدافعت کر رہا تھا بالآخر اس کے سامنے جھک گیا ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے' یہ غیر مشروط سمجھوتہ اس بات کی علامت تھی کہ پاکستان بالکل بے بس ہے اور اس کے لیڈر کوئی آزاد اور باوقار موقف اختیار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

پاکستان کے سرکاری حلقے اپنے بیانات میں ان مذاکرات کے بارے میں بے حد پرامید نظر آ رہے تھے لیکن عین اس روز جب صدر ایوب نے مشترکہ اعلانیہ کو "تاریخی دستاویز" قرار دیا' دلی میں پنڈت نہرو نے لوک سبھا میں یہ اعلان کر دیا کہ مشترکہ اعلامیہ کے باوجود بھارت کشمیر میں موجودہ نظام کو درہم برہم کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ پنڈت نہرو کا یہ اعلان مذاکرات کو بے معنی بنانے کے مترادف تھا اور اس کا صاف صاف مطلب یہ تھا کہ وہ کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان کے ساتھ کوئی رعایت کرنے کو تیار نہیں ہیں لیکن پاکستان کی طرف سے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کی گئی کہ پنڈت نہرو نے یہ بات یا تو "مذاکرات میں سودا بازی کی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے کہی ہے یا پھر لوک سبھا کے ممبروں سے واہ واہ حاصل کرنے کے لئے' لیکن پنڈت نہرو نے اپنا اصل مدعا واضح کر دینے میں کوئی دیر نہ کی اور اس کے بعد مسلسل اپنے بیانات اور تقریروں میں انہوں نے یہ بات صاف کر دی کہ وہ کشمیر میں کسی "بڑی تبدیلی" کے روادار نہیں ہوں گے۔

24 دسمبر کو ایک پریس کانفرنس میں ایک بار پھر صدر ایوب نے "کسی اور حل" والی بات دہرائی۔ "نوائے وقت" نے "کسی اور حل" کے امکان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> "ہمارے خیال میں پاکستان کی طرف سے "کوئی اور حل" کا اشارتاً اور مشروط ذکر بھی نامناسب ہے...... "کوئی اور حل" میں سودے بازی بھی مضمر ہے لیکن ہم اہل کشمیر کے بارے میں کسی سودے بازی کا تصور بھی نہیں کر سکتے"۔

یہ تھا وہ پس منظر جس میں 27 دسمبر 1962ء کو راولپنڈی میں وزارتی کانفرنس' بغیر کسی ایجنڈے کے شروع ہوئی' بھارتی وفد کی قیادت سردار سورن سنگھ نے اور پاکستانی وفد کی قیادت ذوالفقار علی بھٹو نے کی۔ سردار سورن سنگھ نے کانفرنس میں بھارت کی یہ پرانی لائن سامنے رکھی کہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے متعلق سوچنے سے قبل ہمیں دوسرے بہت سے کام کرنے ہوں گے۔ پہلے تو دونوں ملکوں کے درمیان خیر سگالی کی فضا قائم کرنی ہوگی اور پھر ایک باضابطہ

عاہدے میں اپنی اس خواہش کا اظہار کرنا ہوگا کہ ہم ایک سرے کے ساتھ پُرامن طور پر رہیں گے...... مسٹر بھٹو نے و اس بات پر زور دیا کہ خیر سگالی کی فضا مسئلہ کشمیر کے حل سے مشروط ہے' لیکن کانفرنس کے اختتام پر جو مشترکہ علامیہ جاری کیا گیا اس میں سردار سورن سنگھ کا یہ موقف ناف تسلیم کر لیا گیا تھا۔ مشترکہ اعلامیہ میں دونوں ملکوں کے رہنماؤں' حکام' پریس اور ریڈیو سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ شمیر کے مسئلہ پر اختلافات ختم کرنے کے لئے دوستانہ حول پیدا کرنے میں مدد دیں۔ اعلامیہ میں یہ بھی قرار پایا کہ بات چیت کا اگلا راؤنڈ 15 جنوری کو دلی میں ہوگا۔

تین ہفتے بعد جب دلی میں کانفرنس کا دوسرا دور روع ہوا تو بھارت کا رویہ خاصا سخت ہو چکا تھا۔ اس وقت ف چونکہ وہ ہنگامی صورتِ حال باقی نہیں رہی تھی جس سے ور ہو کر بھارت مذاکرات پر آمادہ ہوا تھا اور پاکستان کی رف سے کسی فیصلہ کن اقدام کے خدشات بھی دور ہو چکے ے۔ اس لئے دہلی کانفرنس میں بھارت نے کشمیر کے ئے ''دوسرے امور'' پر بات چیت کرنے پر زور دیا۔ ت چیت ناکام ہو رہی تھی کہ حسب معمول ''دوست لک'' آگے بڑھے اور انہوں نے دونوں ممالک کو کرات جاری رکھنے پر آمادہ کر لیا۔

دلی کانفرنس تک تو تقسیم کشمیر کا فارمولا پاکستانی عوام نظروں سے اوجھل رہا لیکن کانفرنس جب کراچی میں رے راؤنڈ میں داخل ہوئی تو یہ ''راز'' راز نہ رہ سکا۔ اچی کانفرنس کے آغاز سے ایک دن قبل پاکستان پریس ی ایشن نے خبر دی کہ پاکستان بعض شرائط کے تحت م کشمیر کی تجویز منظور ہونے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ پاکستان طرف سے جو شرائط پیش کی جا رہی تھیں وہ یہ تھیں:

1۔ تقسیم کے دوران آبادی اور مسلمانوں کی اکثریت ہمیت دی جائے۔

2۔ پاکستان کے اقتصادی اور دفاعی مفادات یال رکھا جائے۔

3۔ کشمیری باشندوں کے لئے قابل قبول ہو۔

اگلے دن ایک سرکاری ترجمان نے بھی اس خبر کی ق کر دی۔ پاکستان تنازعہ کشمیر پر بھارت سے سمجھوتہ نے کی خواہش میں اس قدر آگے بڑھ چکا تھا کہ ایک ع کے مطابق اگر بھارت مذکورہ بالا تینوں نکات پر اس ضمن کر دیتا تو پاکستان جموں اور وادی کے کچھ علاقے ت کے قبضے میں رہنے دیئے جانے پر آمادہ ہو چکا تھا۔

تقسیم کشمیر پر بحث کے دوران بھی جو تعطل رونما ہوا' وہ جہ سے تھا کہ بھارت سری نگر سمیت وادی کے ایک بڑے حصے سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا اور دوسری ف حکومت پاکستان جس تقسیم کو قبول کرنے پر آمادہ تھی کے مطابق ہندو اکثریت کے علاقے کو چھوڑ کر ساری وادی پاکستان کو ملتی تھی۔ لیکن کراچی کانفرنس کے دوسرے دن سردار سورن سنگھ نے کچھ اور ''گراؤنڈ کور'' کر لی اور ''نوائے وقت'' نے سفارتی ذرائع کے حوالے سے خبر دی کہ پاکستان اب اس بات پر بھی رضامند ہو گیا ہے کہ وہ وادی سے تو دست بردار نہیں ہوگا لیکن بھارت اگر وادی کو پاکستان کے حوالے کر دے تو ایک غیر تحریری معاہدے کے تحت بھارت کو چین سے لڑائی کی صورت میں اسی طرح وادی کے راستے لداخ تک رسائی کی سہولتیں مل سکتی ہیں جس طرح اسے آسام کے لئے مشرقی پاکستان کے راستے فوجی نقل و حمل کی سہولتیں دی جا سکتی ہیں۔ پاکستان کے اس قدر آگے بڑھ آنے کا بھی کوئی ٹھوس نتیجہ نہ نکلا اور بھارت ''سیز فائر لائن'' میں معمولی رد و بدل سے آگے بڑھنے کو تیار نہ ہوا۔

کراچی کانفرنس میں تقسیم کا ایک امریکہ کا تیار کردہ منصوبہ بھی ابتدائی غور و خوض کے لئے پیش ہوا۔ اس منصوبے کے مطابق جسے برطانیہ کی تائید بھی حصہ تھی...... وادی کا ایک بہت بڑا حصہ جس میں سری نگر بھی شامل تھا' بھارت کے پاس رہتا۔ یعنی جنوبی حصہ مکمل طور پر بھارت کے قبضے میں ہو اور شمالی حصے کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ جموں سے 20 میل شمال اور سری نگر سے مشرق تک کا تمام علاقہ بھارت کو مل جائے جس میں چھوٹی چھوٹی کئی جھیلیں شامل ہیں۔ پاکستان کے حصے میں صرف ولر جھیل' دریائے جہلم کا منبع اور وادی کا شمال مغربی حصے آئے۔ جموں اور اودھم پور کے شہر اور ریاست کا جنوبی مشرقی علاقہ بھی بھارت کے پاس رہے۔

رائے عامہ کے بروقت اور بھرپور اظہار نے تقسیم کشمیر کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی ناکام بنا دیا اور حکومت یہ جرأت نہ کر سکی کہ رائے عامہ کے اس شدید دباؤ کو نظر انداز کر کے اس سمت میں کوئی قدم اٹھا سکے۔

انہی دنوں میں پاک چین سرحدی سمجھوتے کا اعلان کر دیا گیا تھا' اس لئے کلکتہ کانفرنس میں سردار سورن سنگھ نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور پاکستانی وفد کو اصل مسئلہ سے ہٹا کر پاک چین سرحدی سمجھوتے پر بحث میں الجھانے کی کوشش کی۔ کانفرنس میں زیادہ وقت اسی موضوع پر وضاحت طلبیوں اور جوابی وضاحتوں کے تبادلے ہوتے رہے۔

کلکتہ کے بعد میں دہلی کانفرنس میں بات چیت کو ناکامی سے بچانے کے لئے امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے یہ تجویز دونوں ملکوں کے سامنے رکھی گئی کہ وہ مذاکرات میں کسی مصالحت کنندہ کو شامل کر لیں تاکہ متنازعہ فیہ امور فیصلہ کیا جا سکے۔ بھارت نے جلد ہی تقریباً غیر مشروط طور پر اس تجویز کو مان لیا۔ اس کے برعکس پاکستان مبہم اور غیر مشروط ثالثی کے حق نہ تھا۔

بھارت کی طرف سے غیر مشروط طور پر ثالثی پر رضامند ہو جانا اس کے سابقہ رویے کی روشنی میں سیاسی مبصرین کے لئے ناقابل فہم تھا۔ مسئلہ کشمیر کے آغاز میں جب پاکستان اور بھارت کے درمیان کمیشن اقوام متحدہ برائے ہندوستان کی قرارداد 13 اگست 1948ء کی دفعات کی تعبیرات کے بارے میں اختلاف رونما ہوا تو یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ان تعبیری اختلافات کے تصفیے کے لئے دونوں ممالک ثالثی پر رضامند ہو جائیں۔ لیکن بھارت نے کسی بھی ملک' ادارے یا فرد کی ثالثی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد پنڈت نہرو جنوری 1951ء میں دولت مشترکہ کی ثالثی کی تجویز کو اور پھر 30 مارچ 1951 کی سلامتی کونسل کی اس قرارداد کو بھی مسترد کر چکے تھے جس میں مسٹر گراہم کو پورے مسئلہ کشمیر پر نہیں بلکہ صرف فوجوں کے انخلاء کے بارے میں ثالثی کرانے کو کہا گیا تھا۔ پنڈت نہرو نے اس موقع پر کہا تھا کہ وہ کشمیر کی قسمت کا فیصلہ کسی تیسرے فریق کے سپرد نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد 1960ء میں جب عالمی بنک کے مسٹر یوجین بلیک اور مسٹر ریلیف کی مصالحتی کوششوں سے دونوں ملکوں میں نہری پانی کا سمجھوتہ طے پایا تو یہ تجویز سامنے آئی کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے بھی دونوں ممالک مسٹر یوجین بلیک یا مسٹر ریلیف کی مصالحانہ خدمات حاصل کر لیں۔ لیکن بھارت نے اس موقع پر بھی اس تجویز کو مسترد کر دیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بھارت کے اس سابقہ رویے کی روشنی میں 1963ء میں غیر مشروط طور پر اس کے مصالحت پر رضامند ہو جانے کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے۔ عام خیال یہی ہے کہ بھارت ثالثی کی تجویز پر رضامندی کا اظہار کرنے سے قبل امریکی اور برطانوی منصوبہ بازوں سے اس بارے میں مکمل افہام و تفہیم کر چکا تھا اور ان تینوں ملکوں میں' پاکستان سے بالا ہی بالا' ثالثی کے طریقہ کار اور دائرہ کار کے بارے میں کوئی متعین سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ بھارت نے امریکہ اور برطانیہ سے کشمیر کے بارے میں اپنے بنیادی موقف پر اطمینان حاصل کرنے سے قبل ثالثی کی کسی تجویز کو قبول کر لیا ہوگا۔ اس بات کا پورا پورا امکان ہے کہ پاکستان کے موقف کو کمزور کرنے اور کشمیر پر بھارت کے قبضے کو کسی نہ کسی صورت میں

باغ پری محل

چشمہ شاہی سے ڈیڑھ میل دور جھیل کے جنوبی پہلو پر ایک بہت بڑی قدیم عمارت کے کھنڈر موجود ہیں' جسے کشمیر پری محل کہتے ہیں۔ اس عمارت کے بارے میں تمام مورخوں نے لکھا ہے کہ یہ دارا شکوہ نے فلکیات کے مشاہدے کے لئے رصدگاہ بنوائی تھی۔ اس عمارت کے گنبد اور چھت کے کچھ حصے باقی ہیں۔

برقرار رکھنے کے سلسلے میں ان تینوں ملکوں میں پوری پوری انہام وتفہیم ہو چکی ہوگی۔

پاکستان نے ان مذاکرات کے آغاز سے اختتام تک ایک ہی جرأت مندانہ اقدام کیا۔ اور وہ اس غیر مشروط مصالحت کو مسترد کر دینے کا اقدام تھا۔ پاکستان کی طرف سے مصالحت کی تجویز پیش کرنے والوں سے حسب ذیل دو وضاحتیں طلب کی گئیں اور اعلان کیا گیا کہ اگر ان دو امور پر پاکستان کو مطمئن کر دیا گیا تو اسے مصالحت کنندہ کے تقرر پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

1۔ یہ واضح کر دیا جائے کہ کون کون سے امور مصالحت کنندہ کو سونپے جائیں گے۔

2۔ نیز یہ مصالحت کنندہ کو اپنی کوششوں کے لئے کتنی مدت دی جائے گی۔

امریکی نمائندوں نے جو پاکستان کے ہاتھ مصالحت کی یہ تجویز بڑی ہوشیاری سے بیچنے کی کوشش کر رہے تھے' ان امور کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ چنانچہ پاکستان نے اس مبہم تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔

چھٹا دور جب دہلی میں شروع ہوا تو سیاسی مبصرین کا خیال یہ تھا کہ اب کوئی معجزہ ہی کانفرنس کو ناکامی سے بچا سکتا تھا۔ جیسا کہ سب کو توقع تھی اس کانفرنس کے بارے میں کوئی معجزہ رونما نہ ہوا۔

اور آخر 16 مئی 1963ء کو دہلی کے مشترکہ اعلامیہ میں ''بڑے افسوس کے ساتھ'' یہ اعلان کیا گیا کہ بات چیت ناکام ہوگئی ہے' اس لئے فی الحال ایوب' نہرو ملاقات نہیں ہوسکتی۔ پاکستانی وفد کے قائد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے کانفرنس کی ناکامی کے بعد دہلی میں اپنی پریس کانفرنس میں کہا......''میں آج بہت زیادہ مایوس ہوا۔ اور یہ کہ......'' اب کسی شکل میں بات چیت جاری نہیں رہے گی۔

(18) پاک بھارت جنگ (ستمبر 1965)

ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ دراصل 1948ء کی جنگ بندی (سیز فائر) ہی کا ایک حصہ تھی' جسے اقوام متحدہ نے ریاست جموں وکشمیر میں رائے شماری کرانے کے وعدے پر عارضی سیز فائر لائن پر دونوں ممالک کو متفق کر کے ختم کرا دیا تھا۔

بھارت نے سیز فائر کے بعد اقوام متحدہ میں اور اقوام متحدہ سے باہر رائے شماری کو روبہ عمل لانے والی ہر پیشکش اور ہر تجویز کو کسی نہ کسی طرح مسترد کر دیا اور مسئلہ کشمیر کے پُر امن تصفیے کے تمام راستے مسدود کر دیے۔ 1948ء سے 1965ء تک ریاست کشمیر سے متعلق بھارتی حکومت کے تمام تر اقدامات اس مقصد کی تکمیل پر منتج ہوتے تھے کہ استصواب کے حق میں بلند ہونے والی ہر آواز کو دبایا جائے اور ریاست کو بین الاقوامی معاہدوں اور وعدوں کے باوجود بھارت کے ایک عام صوبے کی حیثیت دی جائے۔

1964ء میں بھارت کے وزیر داخلہ گلزاری لال نندہ نے بھارتی آئین کی جملہ دفعات کو بتدریج تمام ریاست جموں وکشمیر پر عائد کرنے کا ایک تفصیلی منصوبہ پیش کیا تا کہ ریاست کو ملک کے دیگر عام صوبوں کی سطح پر لایا جا سکے۔ اس کے بعد مئی 1965ء میں شیخ محمد عبداللہ کو' جو استصواب کی بنیاد پر مسئلہ کشمیر کے حل پر زور دے رہے تھے' ایک بار پھر جیل میں ڈال دیا گیا۔ شیخ عبداللہ کی گرفتاری نے بغاوت کی دبی ہوئی چنگاریوں میں ایک بار پھر آگ بھر دی اور حریت پسند عناصر جو شیخ عبداللہ کی مساعی سے توقعات وابستہ کئے بیٹھے تھے' اس بات کا احساس کرنے لگے کہ اس مسئلے کے پُر امن حل کی کوئی راہ باقی نہیں رہی ہے۔ یکم جولائی 1965ء کو مسٹر گلزاری لال نندہ نے اعلان کیا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے اور اس پر کسی قسم کی بات چیت اور بحث مباحثہ نہیں ہوسکتا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو کشیدگی گزشتہ چند برسوں سے بڑھ رہی تھی' اس نے ایک دھماکے کی صورت اختیار کر لی اور جموں وکشمیر کے عوام نے بھارتی استعمار کے خلاف ہتھیار اٹھا لئے۔

ریاست میں بغاوت اور سول نافرمانی کی تحریک تو 5 جون 1965ء ہی سے شروع ہو چکی تھی' جب مختلف مذہبی اور سیاسی تنظیموں کے اشتراک سے ایک ''مجلس عمل'' قائم کی گئی تھی۔ 9 جولائی 1965ء کو وادی کے ایک لیڈر میر واعظ محمد فاروق نے صاف صاف کہہ دیا کہ کشمیری عوام بھارت کو ریاست سے نکال کر ہی دم لیں گے۔ اس اعلان کی عملی تعبیر دنیا کے سامنے اس وقت آئی جب 8 اگست 1965ء کو مقبوضہ کشمیر میں ''انقلابی کونسل'' قائم ہوئی۔ انقلابی کونسل نے کشمیری عوام کی طرف سے اُن تمام معاہدوں سے برأت کا اعلان کیا جو مقبوضہ کشمیر کی کٹھ پتلی حکومتوں اور حکومت بھارت کے درمیان اب تک ہوئے تھے۔ انقلابی کونسل نے اعلان کیا کہ جب تک مقبوضہ کشمیر سے بھارتی افواج کو نہیں دیا جاتا' کشمیریوں کی جنگ جاری رہے گی۔

انقلابی کونسل کی آواز پر مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں لبیک کہا اور وہ منظم ہو کر آزادی کی اس تحریک میں شا گئے۔ آزاد کشمیر کے علاقوں سے بھی کچھ کشمیری' تح آزادی میں حصہ لینے کے لئے سیز فائر لائن عبور کر کے جنگ میں شریک ہو گئے۔ بھارتی حکومت نے الزا کہ پاکستان اپنی باقاعدہ فوج کے مسلح افراد کو ریاست تخریبی سرگرمیوں کے لئے بھیج رہا ہے۔ اس الزام کو بنی کر بھارت نے ریاست میں اپنی فوج کی تعداد کئی گنا دی اور مقامی باشندوں پر ظلم وتشدد کی انتہا کر دی۔

بھارت نے دنیا کو باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ عوامی بغاوت نہیں' بلکہ پاکستان کی پیدا کردہ شورش لیکن جب یہ ''شورش'' بھارت کی پوری فوجی قوت باوجود دبائی نہ جا سکی تو بھارت نے بدحواسی کے عالم میں تصادم کا رخ ہی بدل دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سے قبل مئی 1965ء میں بھارت نے کشمیر میں کارگل سنٹر میں کئی اہم فوجی چوکیوں پر قبضہ تھا' جنہیں اقوام متحدہ کی مداخلت پر اُس نے خالی کرد اب اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے بار پھر سیز فائر لائن کر کے کارگل اور درہ حاجی پیر کی چوکیوں پر قبضہ کر لیا اور اس کے ساتھ ساتھ اوڑی پونچھ علاقے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

بھارتی پروپیگنڈے کی لائن یہ تھی کہ بھارت پاک کی ان چوکیوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے' جہاں سے پاکستا افراد کو ریاست میں تخریبی سرگرمیوں کیلئے بھیج ر حالانکہ بھارتی حملے کی شدت اور اس کی فوجی تیاریوں صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے پیش نظر محض چوکیاں بلکہ پورے آزاد کشمیر پر قبضہ کرنا ہے۔

اس صورت حال میں جوابی کارروائی کی ضر محسوس کرتے ہوئے آزاد کشمیر کی فوج نے پاکستانی فو مدد سے سیز فائر لائن عبور کی اور بھمبر سیکٹر میں آگے بڑ چھمب جوڑیاں کا علاقہ بھارت کے قبضہ سے آزاد کر اسی روز انڈین ایئر فورس بھی جنگ میں شریک ہو گئی ا ستمبر کو عین اس روز جب سلامتی کونسل نے فریقین جنگ بند کرنے کا مطالبہ کیا' بھارت نے اعلانِ جنگ بغیر بین الاقوامی سرحدوں کو پھلانگتے ہوئے لاہور اطراف سے حملہ کر دیا۔ دو تین بعد بھارت نے لاہو علاوہ سیالکوٹ اور راجستھان' دو محاذ کھول دیے۔

جنگ ابھی کشمیر ہی کی سرحدوں تک محدود تھی کہ کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اوتھان نے صدر ایو وزیر اعظم شاستری کے نام ایک جیسے پیغام میں کشمیر

فائر لائن کے احترام کی اپیل کی۔ 4 ستمبر کو جب پاکستان چھمب جوڑیاں فتح کر چکا تھا' سلامتی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اس میں دونوں ملکوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ فوری طور پر جنگ بند کر دیں اور سیز فائر لائن کی دونوں طرف اپنے اپنے مسلح افراد کو واپس بلا لیں۔ 6 ستمبر کو جب بھارت نے اس اپیل کے جواب میں پاکستان پر بھی حملہ کر دیا تو سلامتی کونسل نے ایک اور قرارداد منظور کی' جس میں دونوں حکومتوں سے جنگ بند کرنے کو کہا گیا۔ اس قرارداد میں سیکرٹری جنرل اوتھان سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ ''ہر ممکن کوشش سے' کونسل کی ان قراردادوں پر عمل درآمد کرانے کی سعی کریں۔

مسٹر اوتھان نے ان قراردادوں کی تعمیل کے لئے برعظیم کا دورہ کیا۔ 9 ستمبر سے 12 ستمبر پاکستان میں اپنے قیام کے دوران میں اوتھان نے صدر ایوب اور وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو سے بات چیت کی اور 13 ستمبر سے 15 ستمبر تک نئی دہلی میں بھارتی لیڈروں سے تبادلۂ خیال کیا۔ 12 ستمبر کو دونوں ملکوں کے سربراہوں کے نام ایک پیغام میں اوتھان نے اپیل کی کہ دونوں ممالک غیر مشروط طور پر 14 ستمبر تک جنگ بندی کا اعلان کریں۔ 13 ستمبر کو صدر ایوب نے اوتھان کی اس اپیل کے جواب میں کہا کہ ''پاکستان جنگ بندی کے خلاف نہیں ہے...... لیکن جنگ بندی بامقصد ہونی چاہئے...... جس کے ذریعے تنازعہ کشمیر کے مکمل حل کے لئے ایک خودکار نظام رائج کیا جانا چاہئے...... یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جب بھارت اور پاکستان کی افواج مکمل طور پر ریاست جموں وکشمیر سے فوراً ہٹالی جائیں اور اقوام متحدہ کی جانب سے افریشائی ممالک پر مشتمل ایک فوج تیار کی جائے جو ریاست میں امن وامان بحال رکھے اور تین ماہ کے اندر اندر ریاست میں استصواب کرائے''۔ وزیراعظم شاستری نے اپنے جواب میں غیر مشروط جنگ بندی پر رضامندی کا اظہار کیا۔

14 ستمبر کو اوتھان نے جنگ بندی کے لئے ایک اور اپیل کی۔ اس دوران میں چونکہ چین بھی بھارت کی بعض سرحدی خلاف ورزیوں کی بناء پر ایک نہایت سخت الٹی میٹم دے چکا تھا' اس لئے اقوام متحدہ میں جنگ بندی کی کوشش تیز کر دی گئیں۔ اوتھان کی 14 ستمبر کی اپیل کے جواب میں وزیراعظم شاستری نے اپنے اس موقف کا اعادہ کیا کہ جونہی پاکستان جنگ بندی پر اپنی رضامندی کا اظہار کرے گا بھارت بھی جنگ بند کر دے گا۔ 15 ستمبر کو دونوں سربراہوں کے نام اپنے تیسرے خط میں اوتھان نے دونوں لیڈروں کو باہمی اختلافات کے تصفیے کے لئے ملاقات کا مشورہ دیا۔ 15 ستمبر کو صدر ایوب نے اس کے جواب میں ایک بار پھر اپنے اس موقف کو دہرایا کہ جنگ بندی کی ہر تجویز کو مسئلہ کشمیر کے حل سے شروع ہونا چاہئے۔

اوتھان نے واپس جا کر سلامتی کونسل کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اقوام متحدہ کے آرٹیکل 40 کے تحت دونوں ملکوں کو جنگ بند کرنے کا ''حکم'' دیا جائے اور آرٹیکل 39 کے تحت حکم عدولی کرنے والے فریق کے خلاف کارروائی عمل میں لائی جائے۔

18 ستمبر سے 22 ستمبر تک سلامتی کونسل کے تمام مباحث میں اکثر ارکان نے اصل مسئلہ جنگ بندی کو قرار دیا اور جنگ بندی کے علاوہ کسی دوسرے مسئلے کو زیر بحث لانے سے انکار کر دیا۔ البتہ اردن' آیوری کوسٹ' اور کسی حد تک فرانس اور نیدر لینڈ کا موقف یہ تھا کہ کونسل کو موجودہ جنگ کے اصل سبب...... مسئلہ کشمیر...... کے حل کے لئے کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہئے اور جب تک مسئلہ کشمیر کے حل اور تصفیے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا' جنگ بندی موثر اور مستقل نہیں ہو سکتی' لیکن سیکرٹری جنرل اوتھان نے سلامتی کونسل کے لئے تیار کردہ اپنی رپورٹ میں جنگ کے اصل سبب کے بارے میں جو تجویز پیش کی تھی' وہ یہ تھی کہ بھارتی اور پاکستانی سربراہوں کا اجلاس کسی ایسے تیسرے ملک میں منعقد کیا جائے جو انہیں قبول ہو اور اس سلسلے میں اگر ضرورت محسوس کی جائے تو سلامتی کونسل کی ایک کمیٹی بھی معاونت کے لئے قائم کی جا سکتی ہے۔

پاکستانی مندوب مسٹر ایس ایم ظفر نے اوتھان کی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ سیکرٹری جنرل کی رپورٹ میں نہ تو مسئلہ کشمیر کا ذکر کیا گیا ہی اور نہ ہی اقوام متحدہ کی سابقہ قراردادوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مسٹر ظفر نے سلامتی کونسل کی کمیٹی سے متعلق تجویز کے بارے میں کہا کہ اگر کمیٹی قائم کر دی جائے تو اسے واضح طور پر جموں وکشمیر سے متعلق پاک بھارت مواعید پر عمل درآمد کی نگرانی کی ہدایت ملنی چاہئے۔

مسٹر ظفر نے غیر مشروط جنگ بندی کی تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> ''ہم پر حملہ کا گیا ہے۔ ہم سے جنگ بندی کا مطالبہ دراصل ہم سے جارحیت کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے کا مطالبہ ہے۔ اس مطالبے کا مفہوم یہ ہے کہ ہم ان پچاس لاکھ کشمیری بھائیوں کو قربانی کی بھینٹ چڑھا دیں جن سے ہم نے یہاں اقوام متحدہ میں کھڑے ہو کر یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ آزادانہ رائے شماری کے ذریعے کریں گے۔''

لیکن یہ ساری جذباتی باتیں کچھ کام نہ دے سکیں۔ 20 ستمبر کو سلامتی کونسل کے مختلف ممبروں کی غیر رسمی گفتگو کے بعد امریکہ اور روس کی رضامندی سے نیدرلینڈ نے ایک قرارداد پیش کی جس میں بھارت اور پاکستان سے 22 ستمبر کو فائر بندی اور فائر بندی کے فوراً بعد اپنی اپنی مسلح افواج کو 5 اگست 1965ء سے قبل کے مقامات پر واپس بلانے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس قرارداد میں کونسل نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ ''موجودہ تصادم کی تہہ میں جو سیاسی مسئلہ ہے اس کے تصفیے کے لئے اعانت کی خاطر قدم اٹھائے جائیں گے۔''

قرارداد پر ووٹنگ سے قبل جواب دہی کا حق استعمال کرتے ہوئے پاکستانی مندوب مسٹر ظفر نے ممبروں سے اپیل کی کہ وہ اس قرارداد کے خلاف ووٹ دیں' کیونکہ اس میں اصل مسئلہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مسٹر ظفر نے کہا کہ ''سلامتی کونسل واضح اور غیر مبہم طور پر یہ فیصلہ کرے کہ کشمیری عوام کو حق خودارادیت دینا لازمی امر ہے...... اگر موجودہ تصادم کے بنیادی سبب کو دور نہ کیا گیا تو ایک اور وسیع تر جنگ کا بھڑک اٹھنا لازمی ہے۔'' مسٹر ظفر نے اس موقع پر ایک بار پھر پاکستان کی طرف سے حسب ذیل چار نکاتی فارمولا پیش کیا:

(1) جنگ بندی

(2) جنگ بندی کے فوراً بعد پاکستان اور بھارت ریاست جموں وکشمیر سے اپنی تمام افواج واپس بلالیں...... پاکستان نے آزاد کشمیر سے بھی اپنی افواج واپس بلانے کی پیشکش کر دی۔

(3) ریاست کی حفاظت کے لئے اقوام متحدہ کی فوج ریاست میں بھیجی جائے۔

(4) اور تین ماہ کے اندر اندر اقوام متحدہ کی زیر نگرانی رائے شماری کرائی جائے۔

لیکن اقوام متحدہ کے سامنے اصل مسئلہ کشمیر کا نہیں بلکہ جنگ بندی کا تھا۔ چنانچہ جب رائے شماری ہوئی تو قرارداد صفر کے مقابلے میں دس ووٹوں سے منظور ہو گئی۔ صرف ایک ووٹ نہیں ڈالا گیا جو اردن کا تھا۔ اردن کے نمائندے نے بعد میں قرارداد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اس میں توازن اور حقیقت پسندی کا فقدان ہے۔''

بھارت نے تو 20 ستمبر کی قرارداد منظور کر لی لیکن پاکستان کی طرف سے 22 ستمبر کو کونسل میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اس قرارداد پر شدید مایوسی کا اظہار کیا اور اعلان کیا کہ پاکستان ایک ہزار سال تک جنگ لڑے گا۔ لیکن اسی ہزار سالہ عزم والی تقریر کے دوران ہی انہیں راولپنڈی سے صدر ایوب کا پیغام موصول ہوا جس میں 20 ستمبر والی قرارداد کو ''غیر تسلی بخش'' قرار دینے کے

اسلحے کی پوجا

مہاراجہ ہری سنگھ نے قانون اسلحہ پاس کیا تو ڈوگروں اور راجپوتوں کو اسلحہ رکھنے کی کھلی اجازت دے دی اور مسلمانوں کے لئے اسلحہ رکھنا ممنوع قرار دے دیا اور جواز یہ پیدا کیا کہ راجپوت چونکہ اسلحے کی پوجا کرتے ہیں' اس لئے ان کو اجازت دی گئی ہے۔

فوجیں صرف پاک بھارت سرحدوں سے واپس بلائی جائیں گے اور کشمیر کی سرحدوں پر بھارتی فوجیں بدستور موجود رہیں گی۔ شاستری جی نے یہ بھی کہا کہ بھارت اوڑی پونچھ کا مفتوحہ علاقہ بھی واپس نہیں کرے گا۔

اصل میں بات یہ تھی کہ بھارت تاشقند میں مسئلہ کشمیر پر بات چیت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا مگر تاشقند میں ''مذاکرات'' بہرحال ہونے تھے' اس لئے تاشقند مذاکرات کے مرکزی موضوع ــــ مسئلہ کشمیر ــــ سے صرف نظر کرنے کی ایک ہی ترکیب تھی اور وہ یہ کہ فوجوں کی واپسی کا مسئلہ تاشقند کانفرنس کا مرکزی موضوع بن کر رہ جائے۔ اقوام متحدہ میں مقیم ''پاکستان ٹائمز'' لاہور کے نمائندے مسٹر ایچ کے برکی کی اطلاع یہ تھی کہ بھارت کے ان تاخیری حربوں کے بارے میں ''روس کا رویہ بھی'' غیر ہمدردانہ نہیں ہے'' مسٹر کوسیگن کو وزیراعظم شاستری کے بیانات سے اندازہ ہو چکا تھا کہ تاشقند میں بھارت مسئلہ کشمیر پر بات چیت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ روسی لیڈر قدرتی طور پریشان تھے کہ کہیں تاشقند کانفرنس بالکل ہی فلاپ نہ ہو جائے۔ اگر صرف فوجوں کی واپسی ہی تاشقند میں طے ہو جاتی ہے تو روسی لیڈر دنیا کے سامنے ایک یہی ''کارنامہ'' تاشقند کانفرنس کی کامیابی کے ثبوت کے طور پر پیش کر سکتے تھے۔

یہ تو تھی مسئلہ کشمیر پر گفت و شنید سے بچنے کے لئے بھارت کی منفی حکمت عملی (STRATEGY)۔ مثبت طور پر بھارت اس کانفرنس سے جو نتائج حاصل کرنے کا خواہش مند تھا وہ تو تھے:

1۔ فوجوں کی واپسی

2۔ دونوں ملکوں میں تعلقات کی بحالی

3۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ــــ یا معاہدہ سے کم درجے کی کوئی اور دستاویز جس میں دونوں ملک یہ عہد کریں کہ وہ تنازعات کے حل کے لئے آئندہ طاقت استعمال نہیں کریں گے۔

4۔ آزاد کشمیر سے جو مجاہدین آزادی اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کے لئے مقبوضہ کشمیر گئے تھے' ان کی واپسی اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا معاہدہ۔

چنانچہ تاشقند جانے سے ایک دن قبل وزیراعظم شاستری نے انڈیا سوویٹ کلچرل سوسائٹی کے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

> ''میں صدر ایوب سے تاشقند میں درخواست کروں گا کہ اب ہندوستان اور پاکستان کے مابین دوبارہ جنگ نہ ہو اور صدر ایوب ہندوستان سے بھی جنگ نہ کرنے کا یا اسی قسم کا کوئی دوسرا دوستانہ معاہدہ کر لیں۔''

تاشقند کانفرنس کے پہلے دن وزیراعظم شاستری نے اپنی افتتاحی تقریر میں زیادہ تر اسی نکتے پر زور دیا اور کہا:

> ''ہمیں دراصل آج اس مسئلے کا سامنا ہے کہ آیا ہم تنازعات کے حل کا طریقہ طاقت کو سمجھتے ہیں یا ہمیں یہ فیصلہ اور اعلان کر دینا چاہئے کہ طاقت کبھی استعمال نہ کی جائے گی۔''

گزشتہ 18 سال سے بھارت کی مسلسل یہ کوشش رہی ہے کہ پاکستان سے جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی کوئی صورت نکل آئے۔ سب سے پہلے یہ پیشکش مسٹر نہرو نے وزیراعظم لیاقت علی خان کے سامنے رکھی تھی جسے انہوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ جب تک بھارت کشمیری عوام کو حق خود ارادیت دینے پر تیار نہیں ہوتا اس وقت تک ہم اسے اس طرح کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتے۔ محمد علی بوگرا اور چودھری محمد علی کی وزارتوں کے دوران بھی مسٹر نہرو نے یہی تجویز پیش کی تھی جسے مسترد کر دیا گیا تھا۔ بھٹو سورن سنگھ مذاکرات میں بھی یہ بات سامنے آئی تھی۔ لیکن پاکستان کی طرف سے اپنے اس موقف کا اعادہ کیا گیا تھا کہ امن کی ہر ضمانت سے پہلے مسئلہ کشمیر کا حل لازمی ہے۔ خود صدر ایوب نے بھی تاشقند جانے سے قبل امریکہ کے دورے کے دوران جنرل اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر بھارت مسئلہ کشمیر کے متعلق کسی باعزت اور قابل قبول سمجھوتے پر رضامند ہو جائے تو دونوں ممالک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔ لیکن بھارت جنگ نہ کرنے کے معاہدے کو مسئلہ کشمیر کے حل سے مشروط کرنے پر تیار نہ تھا۔ چنانچہ بھارت مثبت طور پر تاشقند کانفرنس سے جو فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ یہی تھا کہ مسئلہ کشمیر حل ہو یا نہ ہو' بہرحال پاکستان اس کا پابند ہو جائے کہ وہ بھارت سے جنگ کبھی نہ کرے گا۔ اس کی نگاہ میں اس کانفرنس کی اصل کامیابی کا معیار یہی تھا کہ پاکستان تنازعات کے حل کے لئے طاقت استعمال نہ کرنے کی ضمانت دے دے جس کے معنی لازمی طور پر یہ تھے کہ پرامن طور پر بھارت کشمیر کا مسئلہ حل نہ ہونے دے اور طاقت کے ذریعہ سے اس کو حل کرانے کی ہر کوشش سے پاکستان دستبردار ہو جائے۔

30 ستمبر کو رائٹر نے نئی دہلی کے سرکاری حلقوں کے حوالے سے جو خبر دی' اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بھارت کانفرنس کو کس حیثیت سے لے رہا ہے۔ خبر میں کہا گیا تھا کہ وزیراعظم شاستری یہ واضح کر چکے ہیں کہ کشمیر بھارت کا حصہ ہے اس لئے کشمیر پر کسی بات چیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ــــ یہ بات تاشقند کانفرنس کے دعوت نامے سے پہلے ہی پاکستان کو بتا دی گئی تھی۔ اگر کشمیر پر گفتگو کا سوال پیدا نہیں ہوتا تو پھر تاشقند مذاکرات کا موضوع کیا ہوگا؟ بھارت یہ سمجھتا ہے کہ دونوں ملکوں کو جنگ نہ کرنے کا عہد کر لینا چاہئے۔

4 جنوری کو کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے وزیراعظم شاستری نے کہا:

> ''یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی کہ چیئرمین کوسیگن کے طلب کردہ اس اجلاس میں تنازعات کے حل کے لئے طاقت کے استعمال کے خلاف سمجھوتہ ہو جائے۔''

انہی شواہد کی بنیاد پر ملک کے اکثر اخبارات کی رائے یہ تھی کہ یہ کانفرنس مسئلہ کشمیر کے حل میں قطعاً معاون ثابت نہ ہوگی۔ خود پریس ٹرسٹ کے اخبارات کے دو مشہور کالم نگاروں نے مذاکرات کو سعی لاحاصل قرار دیا۔ ''پاکستان ٹائمز'' کے کالم نگار مسٹر عبدالمجید نے لکھا:

> ''بھارتی وزیراعظم کی طرف سے روسی مصالحت کا عملی جواب کچھ ہی کیوں نہ ہو' بھارت کے موقف اور رویئے میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی اور اس کے عزائم اس کے حکمرانوں کے حالیہ بیانات کے بعد ڈھکے چھپے نہیں رہے۔''

''مارننگ نیوز'' کراچی کے نمائندے مقیم دہلی مسٹر ثانی مسکر نہاس نے جو دوران جنگ دہلی میں موجود تھے' لکھا:

> ''کیا پاکستان لال بہادر شاستری سے گفت و شنید کر سکتا ہے؟ ــــ یہ سوال مجوزہ تاشقند کانفرنس کے پیش نظر بے حد اہم ہے۔ بھارت کے ساتھ ماضی میں کئے جانے والی مذاکرات کے تجربے کی روشنی میں پاکستان کی طرف سے ایک ہی جواب ممکن ہے اور وہ ہے ''نہیں''۔

خود صدر ایوب بھی کشمیر سے متعلق بھارتی رویئے سے یقیناً ناواقف نہیں رہے ہوں گے' پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تاشقند کس مقصد کی خاطر جا رہے تھے؟

''امریکی رہنماؤں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ بھارت اور پاکستان کے درمیان تمام تر اختلافات کی بنیاد۔ یعنی مسئلہ کشمیر ــــ کو سلامتی کونسل کی 20 ستمبر اور 5 نومبر کی قراردادوں کے مطابق حل کرانے میں مدد دیں گے۔

حضوری باغ

یہ باغ میرا کدال سے دو میل مغرب کی طرف سڑک کے کنارے پر ہے۔ دوسرے باغوں کی طرح اس کی چاردیواری میں بھی چنار کے بوڑھے درخت چاروں طرف کھڑے ہیں۔ غروب آفتاب کے وقت لاہور کے حضوری باغ کی طرح یہاں بھی خوب رونق رہتی ہے۔ شعروادب سے تعلق رکھنے والے حضرات شعرو سخن کی محفلیں گرم کرتے ہیں۔ اکثر سیاح یہاں خیمے بھی لگا لیتے ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ باغ بھی شاہجہاں نے تعمیر کرایا ہوگا۔

روسی لیڈروں نے بھی کہا ہے کہ وہ بھی یہی چاہتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے میں تاشقند جا رہا ہوں۔'' بالفاظ دیگر صدر ایوب کو امریکی اور روسی رہنماؤں کی یہ ضمانت حاصل تھی کہ تاشقند میں مسئلہ کشمیر کے حل کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی یا کم از کم اس مسئلہ کے حل کے لئے کوئی واضح اور نتیجہ خیز طریق کار وضع کر لیا جائے گا۔ وزیراعظم شاستری اور بھارت کے دوسرے رہنماؤں کے غیر دوستانہ اور مایوس کن بیانات کے پیش نظر صدر ایوب کے تاشقند جانے کی تنہا یہی توجیہہ کی جاسکتی ہے۔

مختصراً تاشقند کانفرنس کے بارے میں بھارت، پاکستان اور روس و امریکہ کا موقف یہ تھا:

بھارت کا موقف

کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے لہٰذا اس پر گفتگو نہیں ہوسکتی۔ تاشقند میں گفتگو اگر ہوسکتی ہے تو فوجوں کی واپسی پر، جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر اور داخلی معاملات پر عدم مداخلت پر۔

پاکستان کا موقف

بھارت اور پاکستان کے تمام اختلافات کا اصل سبب مسئلہ کشمیر ہے، تاشقند میں اسی کے حل کے لئے کوشش ہونی چاہئے۔

جنگ نہ کرنے کا معاہدہ اس وقت تک نہ ہوگا جب تک مسئلہ کشمیر کے حل کی کوئی صورت نہ نکل آئے۔

تعلقات کی بحالی اور دوستانہ تعلقات کا انحصار مسئلہ کشمیر کے حل پر ہے۔

روس اور امریکہ کی حکمت عملی

فائر بندی کے انتظامات کو مضبوط بنایا جائے۔

فوجوں کی واپسی جلد عمل میں لائی جائے۔

دونوں ممالک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیں اور مشترکہ ترقیاتی اور دفاعی منصوبوں میں شریک ہو کر چین کے خلاف محاذ قائم کریں۔

کشمیر کے خاردار مسئلے سے جہاں تک ممکن ہو جان چھڑائی جائے۔ شاید روس اور امریکہ کی اسی حکمت عملی کے پس منظر ہی میں تاشقند کانفرنس کے اختتام سے ایک دن قبل روزنامہ ''حریت'' کراچی نے اپنے اداریے میں بڑی مایوسی کے عالم میں یہ جملہ لکھا تھا:

''سب جانتے ہیں کہ ایک اور دھوکا اس ملک کو دیا جانے والا ہے۔''

تاشقند کانفرنس اس فضا میں شروع ہوئی تو مبصرین کم از کم مسئلہ کشمیر سے متعلق اس کے نتائج سے مایوس ہو چکے تھے۔

4 جنوری کو کانفرنس کی افتتاحی تقاریر بھی اس امر کی نشاندہی کر رہی تھیں کہ مسٹر کوسیگن، وزیراعظم شاستری اور صدر ایوب اپنی اپنی جگہ اس کانفرنس سے کیا نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کیا توقعات باندھے بیٹھے ہیں۔

مسٹر کوسیگن نے کہا:

''ہم نہیں چاہتے کہ دونوں ملکوں میں پھر جنگ کی نوبت آئے۔''

وزیراعظم شاستری نے کہا:

''ہمیں دراصل آج اس مسئلہ کا سامنا ہے کہ آیا ہم تنازعات کے حل کا طریقہ طاقت کو سمجھتے ہیں یا ہمیں یہ فیصلہ اور اعلان کر دینا چاہئے کہ طاقت کبھی استعمال نہ کی جائے گی۔''

صدر ایوب نے کہا:

''ہم ان اُصولوں پر، جن سے دونوں ملکوں نے اتفاق کیا ہے، اپنا بنیادی مسئلہ حل کر لیں اور پھر جنگ کا معاہدہ کر لیں۔''

افتتاحی تقاریر کے بعد اصل مسئلہ ایجنڈے کا تھا۔ پاکستان کا موقف یہ تھا کہ کانفرنس شروع ہونے سے پہلے باقاعدہ ایک ایجنڈا مرتب کر لیا جائے اور اس میں مسئلہ کشمیر سرفہرست ہو۔ بھارت کشمیر پر بات چیت کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ 4، 5، 6 اور 7 جنوری تک اختلافات کا محور ایجنڈے کا مسئلہ ہی رہا۔ بھارت ایجنڈے کی ترتیب میں صرف ایک ہی شق رکھ کر اس پر گفت وشنید کے لئے تیار تھا اور وہ تھی —— ''دونوں ملکوں کے مجموعی تعلقات''۔ پاکستان نے ابتدا میں تو باقاعدہ ایجنڈے کی ترتیب پر زور دیا لیکن کوسیگن کی مداخلت کے بغیر ایجنڈے کے مذاکرات کرنے پر متفق ہو گیا۔ لیکن یہ اتفاق بھی، ظاہر ہے زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکتا تھا۔ پاکستان کے نزدیک پاک بھارت مجموعی تعلقات کا سارا دارومدار مسئلہ کشمیر کے حل پر تھا جب کہ بھارت اس پر گفتگو کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ وزیراعظم شاستری کے بے لچک رویئے کی بناء پر کانفرنس تیسرے دن ہی ایک بہت بڑے بحران کا شکار ہو گئی اور چوتھے دن تو تعطل کھل کر سامنے آ گیا اور جب دونوں ممالک کے سربراہوں میں ملاقات ہی نہ ہو سکی۔

6 جنوری کو مسٹر کوسیگن نے صدر ایوب سے 3 گھنٹے اور وزیراعظم شاستری سے ڈھائی گھنٹے الگ الگ ملاقاتیں کیں۔ روس دراصل دوسرے سیاسی مقاصد کے علاوہ ایک اور وجہ سے بھی تاشقند کانفرنس کی کامیابی کے لئے کوشاں تھا۔ ساری دنیا کی نظریں اس کانفرنس پر لگی تھیں اور اس کی اہمیت کا عالم یہ تھا کہ ''ڈان'' کی اطلاع کے مطابق 150 غیر ملکی اخباری نمائندے 3 جنوری تک تاشقند پہنچ چکے تھے —— گویا روس کا عالمی وقار بھی داؤ پر لگا ہوا تھا۔ چنانچہ اس وقت جب بی بی سی کے نشریئے کے مطابق ''صدر ایوب اور وزیراعظم شاستری تالاب کے کنارے بیٹھے تھے اور ابھی طے نہیں کر پائے تھے کہ کون سی مچھلی پکڑی جائے۔'' مسٹر کوسیگن کی تجویز یہ تھی کہ فوجوں کی واپسی اور جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر گفتگو شروع کر دی جائے۔ جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے تو ایجنڈے میں ذکر کئے بغیر اس پر غیر رسمی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ 7 جنوری کو بھارتی وفد کے ایک ترجمان نے تاشقند میں اعلان کیا کہ وزیراعظم شاستری نے صدر ایوب کو باقاعدہ طور پر جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیشکش کر دی ہے۔

8 جنوری کو پاکستانی وفد کے ترجمان مسٹر الطاف گوہر نے تاشقند میں ایک پریس کانفرنس میں یہ اعلان کر کے پاکستانی اور کشمیری عوام کو مطمئن کر دیا کہ —— ''پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے حل سے قبل جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیشکش مسترد کر دی ہے۔''

8 جنوری تک یہ بات کھل کر سامنے آ چکی تھی کہ کانفرنس ناکام ہو چکی ہے اور موجودہ تعطل کے پیش نظر کانفرنس کے اختتام پر کسی مشترکہ اعلامیہ کا بھی امکان نہیں ہے جب ایجنڈے کی ترتیب پر ہی اختلاف ہو چکا تھا تو ظاہر ہے کہ مشترکہ اعلامیہ کی عبارت پر تو اتفاق ممکن ہی نہ تھا۔ چنانچہ 9 جنوری کو مسٹر الطاف گوہر نے تاشقند میں اخباری نمائندوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''سرکاری بیان (مشترکہ اعلامیہ) کو ٹکٹ کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی اور اس کے بغیر ہم واپس جاسکتے ہیں۔''

9 جنوری تک تاشقند کانفرنس سے متعلق جتنی بھی خبریں مختلف ذرائع سے آ رہی تھیں، وہ اختلافات کی خبریں تھیں اور کسی ایک نکتے پر بھی دونوں فریقوں کے متفق ہو جانے کا امکان نظر نہ آتا تھا۔ 9 جنوری کو ''نوائے وقت'' نے اپنے اداریئے میں لکھا:

''روسی سرزمین پر پاکستان اور بھارت کے رہنماؤں کی جو بات چیت گزشتہ 5 روز سے جاری تھی، وہ اب ناکام ہوتی نظر آتی ہے۔''

اسی روز روزنامہ ''جنگ'' نے اپنے اداریئے میں لکھا:

''اب تو یہ کچھ یقینی سا معلوم ہوتا ہے کہ تاشقند کانفرنس اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے گی۔''

لیکن 9 جنوری کی رات کو نہ معلوم کیسے سارے اختلافات اتفاق میں تبدیل ہو گئے اور دس جنوری کو تاشقند سے وزیراعظم شاستری اور صدر ایوب کے دستخطوں سے ایک ایسا مشترکہ اعلان جاری کر دیا گیا جو اپنے نتائج وعواقب کے اعتبار سے ابھی تک پاکستان کی خارجی اور داخلی سیاست پر اثرانداز ہو رہا ہے اور اس مشترکہ اعلان —— پر —— جسے ''اعلان تاشقند'' کا نام دیا گیا —— مسٹر کوسیگن کے دستخط بطور گواہ کے موجود تھے۔

''اعلان تاشقند کا مکمل اردو ترجمہ یہ ہے''۔

(20) "اعلان تاشقند" (جنوری 1966)

وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے تاشقند میں ملاقات کی۔ بھارت اور پاکستان کے باہمی تعلقات کی موجودہ صورتحال پر بحث کرنے کے بعد وہ ان ممالک کے درمیان نارمل اور پرامن تعلقات کی بحالی اور ان کے عوام کے درمیان افہام وتفہیم اور دوستانہ تعلقات کی ترقی کے مضبوط عزم کا اعلان کرتے ہیں۔ ان (سربراہوں) کا خیال ہے کہ ان مقاصد کا حصول بھارت اور پاکستان کے ساٹھ کروڑ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

(1) وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان اس بات پر اتفاق کا اظہار کرتے ہیں کہ دونوں فریق اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت پاکستان اور بھارت کے درمیان بہترین دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے وہ (اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت) اپنے اس وعدے کا اعادہ کرتے ہیں کہ وہ قوت کا استعمال نہیں کریں گے اور اپنے تنازعات پرامن ذرائع سے حل کریں گے۔

ان کا خیال ہے کہ اس علاقے میں اور بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں ان کے مفادات اور بھارت اور پاکستان کے عوام کے مفادات کو ہرگز تقویت نہیں ملے گی جب تک دونوں ممالک کے تعلقات میں کھچاؤ باقی رہے گا اس پس منظر میں جموں وکشمیر پر بات چیت کی گئی اور دونوں فریقوں نے اپنا اپنا موقف پیش کیا۔

(2) بھارت کے وزیراعظم اور صدر پاکستان اس پر متفق ہیں کہ دونوں ممالک کے تمام مسلح افراد 25 فروری 1966ء سے پہلے پہلے اپنی ان پوزیشنوں پر واپس بلالئے جائیں جہاں وہ 5 اگست 1965ء کو تھے اور یہ کہ دونوں فریق سیز فائر لائن پر سیز فائر کی شرائط کی پابندی کریں گے۔

(3) وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ بھارت اور پاکستان کے باہمی تعلقات کی بنیاد یہ اصول ہونا چاہئے کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔

(4) وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈے کی حوصلہ شکنی کریں گے جو دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات میں ممدومعاون ہو۔

(5) وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ ہندوستانی ہائی کمشنر برائے پاکستان اور پاکستانی ہائی کمشنر برائے بھارت اپنے اپنے عہدوں پر واپس چلے جائیں گے اور دونوں ممالک کے سفارتی مشن حسب معمول اپنا اپنا کام بحال کر دیں گے۔ سفارتی تعلقات میں دونوں حکومتیں وی آنا کنونشن 1961ء کی پابندی کریں گی۔

(6) وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے بھارت اور پاکستان کے درمیان اقتصادی اور تجارتی تعلقات' مواصلات اور ثقافتی تبادلوں کی بحالی پر نیز موجودہ معاہدوں پر عملدرآمد کے لائحہ عمل پر بھی غور کرنے پر اتفاق کیا۔

(7) وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ اپنے اپنے متعلقہ حکام کو جنگی قیدیوں کے تبادلے کے بارے میں احکامات جاری کریں گے۔

وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں فریق مہاجرین کی بے دخلی اور غیرقانونی داخلے کے مسائل پر گفت وشنید جاری رکھیں گے۔ انہوں نے اس پر بھی اتفاق کیا کہ دونوں فریق ایسے حالات پیدا کریں گے جن میں عوام کے اخراج کو روکا جا سکے۔ انہوں نے اس پر بھی اتفاق کیا کہ اس جنگ کے نتیجے میں دونوں فریقوں نے جو مال اور دیگر واصلات حاصل کئے ہیں' ان کی واپسی کے لئے بھی گفت وشنید کی جائے۔

(8) وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں فریق ان مسائل پر گفت وشنید کرنے کے لئے جو ان سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں' اعلیٰ اور دیگر سطحوں پر آپس میں ملاقات کرتے رہیں گے۔ دونوں فریقوں نے اس ضرورت کے احساس کا بھی اظہار کیا کہ مشترکہ انڈین پاکستانی تنظیمیں بنائی جائیں جو اپنی حکومتوں کو اس امر پر مشورے دیں کہ مزید اقدامات کون سے اٹھائے جانے چاہئیں۔

وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان' سوویت یونین کے لیڈروں' سوویت حکومت اور ذاتی طور پر چیئرمین آف دی کونسل آف منسٹرز آف دی یو ایس ایس آر کے لئے اس امر پر گہری تحسین اور تشکر کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے اس قابل اطمینان فیصلے پر منتج ہونے والی ملاقات کے انعقاد میں نہایت تعمیری' دوستانہ اور شریفانہ انداز میں حصہ لیا۔

وہ ازبکستان کے دوست عوام اور حکومت کا بھی نہایت خلوص سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے شاندار استقبال اور مہمان نوازی کا ثبوت دیا۔ وہ چیئرمین آف دی کونسل آف منسٹرز آف دی یو ایس ایس آر کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی بطور گواہ اس اعلان پر دستخط ثبت کریں۔

وزیراعظم بھارت	صدر پاکستان
لال بہادر شاستری	محمد ایوب خان

اعلان تاشقند کے بعد

''اعلان تاشقند'' کی شق نمبر 9 کے تحت وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس امر پر اتفاق کیا کہ دونوں فریق ان مسائل پر گفت وشنید کرنے کے لئے جو اس سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں' اعلیٰ اور دیگر سطحوں پر آپس میں ملاقات کرتے رہیں گے۔''

اس شق کا مطلب بھارت نے یہ لیا کہ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے اور اگر کبھی کوئی شدید مسئلہ لاحق ہوا تو پاکستان سے براہ راست مذاکرات کا جو اصول طے ہو چکا ہے' اس کے تحت ملاقاتوں کا سلسلہ کافی ہے۔

داروغہ باغ

سری نگر سے 18 میل دور جھیل مانسبل کے قریب مغل باغات کے آثار ملتے ہیں۔ ان میں داروغہ باغ زیادہ مشہور ہے۔ یہ باغ ملکہ نور جہاں نے جھیل مانسبل کی سیر کے لئے ایک خوشنما محل کی شکل میں تعمیر کرلیا تھا۔ جب وہ جھیل کی موجوں سے لطف اٹھانے کے لئے اس طرف آتی تھی تو اس محل میں قیام کرتی تھی اور کئی کئی دن تک جھیل کے کنارے محوگل گشت رہتی تھی

دعائے مغفرت

لاہور کے رفیق تنظیم اسلامی اور رکن مرکزی انجمن خدام القرآن' محمد سلیم الدین خواجہ کا نوجوان صاحبزادہ اور ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب کا بھتیجا ایک حادثہ میں انتقال فرما گئے ہیں۔ رفقاء و احباب اور قارئین ندائے خلافت سے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور لواحقین کے لئے صبر جمیل کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

(21) "شملہ معاہدہ" (جولائی 1972)

1971ء کی پاک بھارت جنگ' بھارت کی فوجی مدد سے بنگلہ دیش کا قیام' نوے ہزار جنگی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ' ان تمام مسائل پر گفتگو کے لئے شملہ میں بھارت کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی اور پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو میں مذاکرات ہوئے' جس کے نتیجے میں جولائی 1972ء میں "شملہ معاہدہ" ہوا جس کا ترجمہ یہ ہے:

(1) پاکستان اور بھارت کی حکومتیں باہمی طور پر پائی جانے والی کشیدگی کو ختم کرنے والی باہمی دوستی و یگانگت کی فضا کو پروان چڑھانے کا عہد کرتی ہیں تاکہ دونوں ممالک کے مابین مستقل طور پر امن قائم ہو جائے اور ان کے ذرائع و وسائل عوام کی فلاح و بہبود پر صرف ہو سکیں۔ اس مقصد کے لئے پاکستان اور بھارت کی حکومتیں مندرجہ ذیل نکات پر اتفاق رائے کا اظہار کرتی ہیں۔

(الف) دونوں ممالک کے تعلقات اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق استوار ہوں گے۔

(ب) دونوں ممالک باہمی تنازعات کو پرامن طریقے سے دوطرفہ مذاکرات یا کسی بھی ایسے طریقے سے جس پر دونوں اتفاق کرلیں' حل کریں گے۔

جب تک باہمی تنازعات کا حتمی فیصلہ نہیں ہو جاتا' دونوں ممالک کے درمیان واقع سرحدوں پر کسی بھی ملک کی طرف سے کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ نیز دونوں ممالک ایسی کارروائیوں کی حوصلہ شکنی کریں گے' جو ان کے مابین خوشگوار تعلقات کو متاثر کرتی ہیں۔

(ج) دونوں ممالک کے مابین اچھے تعلقات برقرار رکھنے کے لئے دونوں ممالک کی جانب سے اس اصول کی پابندی کی جائے گی کہ آپس میں پرامن طور پر رہا جائے۔ نیز دونوں ممالک ایک دوسرے کی سالمیت اور علاقائی خودمختاری کا احترام کریں گے اور ایک دوسرے کے اندرونی مسائل میں دخل نہیں دیں گے۔

(د) گزشتہ پچیس سال سے دونوں ممالک کے مابین جھگڑے کا سبب بننے والے مسائل کو حتمی طور پر حل کیا جائے گا۔

(ہ) دونوں ممالک ایک دوسرے کی ملکی سالمیت اور علاقائی خودمختاری کے تحفظ کا عہد کرتے ہیں۔

(ر) دونوں ممالک اقوام متحدہ کے منشور کے تحت ایک دوسرے کے خلاف طاقت کے استعمال کی دھمکی سے گریز کریں گے۔

(2) دونوں حکومتیں اپنے اپنے دائرہ کار میں ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کو بند کردیں گی اور تعلقات کو فروغ دینے کی معلومات کے تبادلے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

(3) دونوں ممالک کے مابین بتدریج تعلقات بہتر بنانے کے لئے درج ذیل نکات پر اتفاق کیا جاتا ہے۔

(الف) دونوں ممالک کے مابین ٹیلی مواصلات' ڈاک' ٹیلی گرام اور سفری سہولیات بہتر بنائی جائیں گی۔

(ب) ایک ملک کے شہریوں کو دوسرے ملک کے سفر کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

(ج) دونوں ممالک کے درمیان تجارتی اور اقتصادی تعاون کی راہیں استوار کی جائیں گی۔

(د) سائنس اور ثقافت کے شعبوں میں تعاون کو فروغ دیا جائے گا۔

(4) مستقل امن کے حصول کی خاطر دونوں حکومتیں یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ:

(الف) دونوں ممالک اپنی اپنی افواج کو بین الاقوامی طور پر مسلمہ سرحدوں پر واپس پہنچائیں گے۔

(ب) ریاست جموں و کشمیر میں دونوں فریق اس کنٹرول لائن کا احترام کریں گے جو 17 دسمبر 1971ء کو جنگ بندی کے موقعے پر قائم ہوئی۔

دونوں میں کوئی فریق موجودہ صورت حال کو کسی بھی طرح کے اختلافات کی بناء پر یا قانونی تعبیرات کے سہارے بدلنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ نیز دونوں فریق کنٹرول لائن کو بدلنے کی کسی بھی کوشش یا طاقت کے استعمال سے اجتناب کریں گے۔

(ج) فوجیوں کے پیچھے ہٹانے کا عمل اس معاہدے پر عملدرآمد کی تاریخ سے شروع ہو جائے گا۔

(5) یہ معاہدہ دونوں ممالک کے دستوری تقاضوں پر عملدرآمد کے بعد ضروری دستاویزات کی تصدیق اور تبادلے کے دن نافذ العمل متصور ہوگا۔

(6) دونوں ممالک کی سربراہان باہمی طور پر اتفاق رائے سے دوبارہ ملاقات کریں گے۔ اس کے علاوہ دونوں ممالک کے نمائندے بھی وقتاً فوقتاً آپس میں ملتے رہیں گے تاکہ تعلقات معمول پر لانے کا عمل جلد شروع ہو سکے اور امن کے حصول کی کوششیں تیز ہو سکیں۔ جنگی قیدی رہا ہو سکیں۔ ایک ملک میں پھنسے ہوئے دوسرے ملک کے شہری اپنے ملک میں واپس جا سکیں۔ کشمیر کا مسئلہ حتمی طور پر حل ہو سکے اور دونوں ممالک کے مابین سفارتی تعلقات بحال ہو سکیں۔"

"معاہدۂ شملہ" میں تنازعہ کشمیر سے متعلق شق نمبر 2 کے بارے میں پروفیسر سیف الدین ترابی نے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا:

"معاہدہ شملہ کے اس متن کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہندوستان کے ان دعوؤں کو دیکھا جائے' جن کے مطابق وہ پاکستان پر شملہ معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام لگاتا ہے تو اس کے پروپیگنڈے کی قلعی کھل جاتی ہے۔ دراصل بھارت اس معاہدے کی من مانی تعبیر کر رہا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس معاہدے کو پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی صحیح تعبیر کی جائے۔"

معاہدہ شملہ کے حوالے سے ہندوستان کی حکومت کے پروپیگنڈہ کا تمام تر انحصار شملہ معاہدہ کی شق نمبر 1 کی دفعہ ب کی اس عبارت پر ہے۔

"دونوں ممالک آپس کے تمام اختلافات کا تصفیہ باہمی مذاکرات اور پرامن ذرائع سے جن پر ان کے مابین اتفاق ہو جائے' کریں گے تاکہ دونوں ممالک کے درمیان کسی بھی مسئلے کا حتمی حل نکل سکے۔ دونوں ممالک موجودہ صورت حال کے بدلنے کی کسی بھی یک طرفہ کوشش کی حوصلہ شکنی کریں گے۔ اس طرح دونوں ممالک کسی بھی ایسی کارروائی یا تنظیم کی حوصلہ افزائی کرنے سے گریز کریں گے جس سے ان ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات خراب ہونے کا خدشہ ہو۔"

اس شق کا سہارا لے کر بھارت یہ پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے کہ اس کی رو سے پاکستان اقوام متحدہ سمیت کسی بھی بین الاقوامی فورم پر بھارت کی واضح رضامندی کے بغیر مسئلہ کشمیر اٹھانے کا حق نہیں رکھتا' جبکہ پاکستان کے نزدیک معاہدہ شملہ کی صحیح تعبیر یہ ہے۔

باغ داراشکوہ

اورنگزیب کے بڑے بھائی داراشکوہ نے دریائے جہلم کے کنارے بمقام بیج بہاڑہ ایک باغ تعمیر کرایا تھا۔ اس باغ کو سیراب کرنے کے لئے نالہ لدر سے ایک نہر کاٹی گئی تھی جواب ٹوٹ پھوٹ چکی ہے۔ باغ کے وسط میں ایک بہت بڑا تالاب تھا جس کے چاروں طرف پھولوں کی خوشنما کیاریاں تھیں اور چاروں طرف ہشت پہلو برج موجود تھے اور خوبصورت فصیل بھی تھی۔ مگر اب نہ تو فصیل ہے اور نہ ہی وہ برج موجود ہے۔

"شملہ معاہدہ کی شق نمبر 1 کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کے ضمن میں اقوام متحدہ کے اصولوں کو مدنظر رکھا جائے گا۔"

معاہدہ شملہ میں واضح طور پر مذکور ہے کہ پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات اقوام متحدہ کے اصولوں کی روشنی میں استوار ہوں گے لہٰذا کسی بھی نوعیت کا معاہدہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر دستخط کرنے والے کسی ملک کو اپنے کسی مسئلے کو اقوام متحدہ میں لے جانے کے بنیادی حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسی سلسلے میں اقوام متحدہ کے چارٹر کی شق نمبر 103 واضح طور پر کہتی ہے:

"اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے درمیان کسی قسم کے اختلافات کی صورت میں حتمی فیصلہ اقوام متحدہ کے چارٹر کی روشنی میں ہوگا۔"

معاہدہ شملہ جموں و کشمیر کو ایک قابل حل مسئلہ قرار دیتا ہے۔ کشمیر کے تنازعے کے بارے میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے 1957ء تک کی مختلف قراردادیں ابھی تک اقوام متحدہ کے ریکارڈ میں موجود ہیں جو کشمیر کے عوام کو یہ حق دیتی ہیں کہ وہ جمہوری طریقے سے رائے شماری کے ذریعے بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کریں۔

اب جبکہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں آج تک کشمیر میں رائے شماری نہیں ہو سکی' تو یہ بات واضح ہے کہ اس مسئلے میں اقوام متحدہ اور اس کی سلامتی کونسل بھی باقاعدہ فریق ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل میں اٹھانے سے پاکستان کو شملہ معاہدے کے تحت کسی طرح بھی منع نہیں کیا جا سکتا اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

(1) یہ مسئلہ ابھی تک سلامتی کونسل کے ایجنڈے پر ہے۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کی شق نمبر 134 اور 35 (الف) سلامتی کونسل کو قطعی طور پر یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی مسئلے پر کسی بھی وقت بذات خود یا کسی رکن ملک کی درخواست پر بحث کر سکے اور اقوام متحدہ کے چارٹر کو کوئی بھی دوطرفہ معاہدہ منسوخ یا معطل نہیں کر سکتا۔

اوپر بیان کیے گئے حقائق کی بنیاد پر بھارت کی جانب سے پاکستان کو اقوام متحدہ میں یا کسی بھی بین الاقوامی فورم پر مسئلہ کشمیر اٹھانے سے روکنے کا پروپیگنڈہ کرنا صرف اور صرف بھارت کی مخصوص ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔

دراصل مسئلہ کشمیر کے بارے میں پاکستان کا موقف بہت واضح ہے۔ پاکستان چاہتا ہے کہ مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعے پرامن طور پر حل کیا جائے جبکہ معاہدہ شملہ بھی اس مسئلے کے پرامن حل پر زور دیتا ہے۔ اور یوں یہ معاہدہ بالواسطہ طور پر پاکستانی موقف کی ہی تائید کرتا ہے۔

شالامار باغ

یہ باغ نشاط باغ سے دو میل اور میر اکدل سے نو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ باغ لاہور کے شالامار باغ کی طرح ہے۔ اس کی تعمیر شہنشاہ جہانگیر نے شروع کرائی تھی لیکن تکمیل شاہجہاں نے کرائی۔ اس نے مظفر خان گورنر کشمیر کی نگرانی میں اس باغ کے شمالی گوشے کو وسعت دلائی اور ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرا کر اس کا نام فیض بخش رکھا۔

مختصر یہ کہ ہم معاہدہ شملہ کی ایسی تعبیر کو کسی صورت بھی تسلیم نہیں کر سکتے جو مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے کردار کی نفی کرتی ہو۔

جب 1980ء کے عشرے کے اواخر میں افغان مجاہدین نے روسی سامراج کو شکست فاش سے دوچار کر دیا تو اس کے نتیجے میں کشمیر میں آزادی کی علم بردار قوتوں کا یہ یقین عین الیقین میں بدل گیا کہ بھارت کی غلامی سے ان کی آزادی کی واحد راہ جہاد اور صرف جہاد ہے۔

دیکھتے دیکھتے آزادی کا آتش فشاں پھٹ پڑا۔ چھوٹی چھوٹی بے شمار مجاہد تنظیمیں پیدا ہوتی گئیں۔ پھر جب محسوس ہوا کہ جہاد کے لئے ایک مضبوط اور ہمہ گیر تحریک کی ضرورت ہے تو یہ چھوٹی چھوٹی مجاہد تنظیمیں کم سے کم ہوتی گئیں اور چند بڑے گروپ بن گئے' جن میں حزب المجاہدین' الجہاد' المجاہدین' العمر' پاسداران انقلاب اسلام' حزب المومنین' جہاد فورس' البرق' لشکر طیبہ' تحریک المجاہدین' حزب اللہ' حرکت المجاہدین' حرکت الانصار اور اخوان المسلمون قابل ذکر ہیں۔

سیاسی محاذ پر مقبوضہ کشمیر کی تمام سیاسی جماعتوں نے باہم مل کر "آل پارٹیز حریت کانفرنس" قائم کی' جس نے آزادی کی جنگ کو شعلہ فشاں بنا دیا ہے۔ اس تحریک کی تائید وحمایت میں نکالے جانے والے عظیم الشان جلوسوں اور مظاہروں کے دوران میں' جن میں کشمیری خواتین بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں' یہ حقیقت پوری طرح کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اہل کشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کو "تھرڈ آپشن" پر فوقیت دیتے ہیں۔ جلوسوں میں پاکستانی جھنڈے لہرائے جاتے ہیں اور اسلام اور آزادی کے نعروں کے ساتھ یہ نعرے بلند ہوتے ہیں:

آزادی کا مطلب کیا ـــ لا الہ الا اللہ
پاکستان سے رشتہ کیا ـــ لا الہ الا اللہ
آزادی کے تین نشان ـــ اللہ محمد اور قرآن

یہ وہی نعرے ہیں جو تحریک پاکستان کے زمانے میں بلند ہوتے تھے۔

جوں جوں کشمیریوں میں سیاسی وعسکری اتحاد نے اسلامیت کا رنگ اختیار کیا اور تحریک جہاد ترقی کرتی گئی' بھارت نے اپنی پوری فوجی قوت اس تحریک کو کچلنے کے لئے کشمیر میں جھونک دی۔ ان کے جبر استبداد کی یہ صورتیں ہیں:

(1) مقبوضہ کشمیر میں مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں' خصوصاً نوجوانوں کو وسیع پیمانے پر قتل عام کر کے ریاست کی غالب اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرنا۔

(2) بڑی تعداد میں مردوں' خصوصاً نوجوانوں کو "دہشت گرد" قرار دے کر گرفتار کرنا اور پھر جیلوں' انٹروگیشن سینٹروں اور ٹارچر سیلوں میں بند کر کے وحشیانہ اور غیر انسانی تعذیب وتشدد کا نشانہ بنانا۔

(3) گھر گھر تلاشی کے دوران لوٹ مار اور خواتین کی اجتماعی آبروریزی کرنا۔

(4) کریک ڈاؤن کے نام سے مسلمان آبادیوں کا بڑے پیمانے پر گھیراؤ کر کے قتل وغارت کرنا۔

(5) مسلمانوں کی بستیوں کو نذر آتش کر کے ان کے مکینوں کو ان کی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد سے محروم کر دینا' تاوقتیکہ وہ فاقہ کشی کا شکار ہو کر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں۔

(6) مسلمانوں کو معاشی طور پر مفلوج کر کے اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ اپنی آزادی اور حق خود ارادیت سے دستبردار ہو کر بھارتی سامراج کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

بھارت کے ان استبدادی حربوں کے باعث اب تک 80 ہزار سے زیادہ کشمیری جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں' لیکن بھارت کا غصہ پھر بھی کم نہیں ہوا۔

مئی 1998ء میں بھارت اور پاکستان نے ایٹمی دھماکے کئے' جس کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے تعلقات میں ایک نیا موڑ آیا۔ ایٹمی دھماکوں سے پایا جانے والا ابہام ختم ہو گیا۔ اس کے علاوہ دونوں کو ایک دوسرے کی طاقت اور صلاحیت کا بھی یقین ہو گیا۔

اوائل فروری 1999ء میں واجپائی نے پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف کے ساتھ ٹیلی فون پر بات کی۔ 20 فروری کو واجپائی بذریعہ بس لاہور آئے' جس کے نتیجے میں "اعلان لاہور" جاری ہوا۔

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

(22) ''اعلانِ لاہور'' (21 فروری 1999ء)

21 فروری 1999ء کو میاں محمد نواز شریف اور اٹل بہاری واجپائی کے مشترکہ دستخطوں سے جاری ہونے والے ''اعلانِ لاہور'' کے ذریعے اس امر پر اتفاق کیا گیا:

(1) دونوں حکومتیں اپنے تمام مسائل کو جن میں جموں و کشمیر کا مسئلہ بھی شامل ہے' حل کرنے کی کوششوں میں تیزی اور شدت پیدا کریں گی۔

(2) ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے سے گریز کریں گی۔

(3) دوطرفہ متفقہ ایجنڈے کو پایۂ تکمیل پہنچانے کے لئے مثبت مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھیں گی۔

(4) ایٹمی اسلحے کے اتفاقی یا ناجائز استعمال کا خطرہ روکنے کے لئے فوری اقدامات کریں گی اور ایٹمی و روایتی ہتھیار بنانے کے سلسلے میں تنازعے کو روکنے کے مقصد سے باہمی مذاکرات سے ایک دوسرے کو اعتماد میں لیں گی۔

(5) ''سارک'' کے اغراض و مقاصد کے حصول میں کوشاں ہوگی۔

(6) جنوبی ایشیا کی اقوام کی فلاح اور ان کی معاشی' معاشرتی اور ثقافتی ترقی کے لئے کوشاں ہوگی۔

(7) دہشت گردی کی ہر قسم کے خاتمے پر اتفاق کرتی ہیں' تمام انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے تحفظ و ترقی کے لئے کوشاں ہوں گی۔

(23) واقعۂ کارگل اور اعلانِ واشنگٹن (جولائی 1999ء)

''اعلانِ لاہور'' کے چار ماہ بعد 5 مئی 1999ء کو کارگل کا مسئلہ سامنے آ گیا۔ بھارت کا خیال تھا کہ پاکستانی مجاہدین پاکستانی فوج کے ساتھ مل کر کارگل کی چوٹیوں پر ان بنکرز پر قبضہ کر چکے ہیں جو بھارتی فوج سردیوں میں خالی کر دیتی ہے۔ اس کے بعد فوجی جھڑپوں میں طرفین کا بہت سا جانی نقصان ہوا۔ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے بات چیت کا جو سلسلہ دونوں وزرائے اعظم نے شروع کیا تھا' خود بخود ختم ہوگیا۔ اب کوشش یہ تھی کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان کھلی جنگ کو کیسے روکا جائے۔

امریکہ کے صدر کلنٹن نے وزیر اعظم میاں نواز شریف کو واشنگٹن بلایا۔ میاں صاحب نے کارگل سے اپنے فوجیوں کو واپس بلانے کا وعدہ کیا' جبکہ وہ اس سے پہلے اعلان کر چکے تھے کہ کارگل پر قبضہ مجاہدین نے کیا ہے' اس کا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یوں صدر امریکا اور وزیر اعظم پاکستان کے درمیان اعلانِ تاشقند طے پایا۔

''کارگل'' کی پہاڑیاں ''معاہدۂ تاشقند'' کے مطابق مارچ 1966ء میں بھارتی افواج نے خالی کر دی تھیں۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان پر حملے کے ساتھ ساتھ بھارت نے کشمیر میں بھی جارحیت کا ارتکاب کیا اور دسمبر 1971ء میں کارگل پر قبضہ کر لیا۔ جون 1972ء ''شملہ معاہدہ'' طے پایا اور کشمیر کی سیز فائر لائن کو ''لائن آف کنٹرول'' کا نام دیا گیا۔ گویا حکومت پاکستان نے عرف عام میں کارگل پر بھارتی قبضہ کو تسلیم کر لیا۔ کشمیر کے انتہائی شمال میں یہ سرد موسموں والا قصبہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ سکردو سے تقریباً 75 میل کے زمینی فاصلے پر واقع ہے۔ اور رابطہ کچے راستوں کے ذریعے ہے۔ سری نگر سے یہ تقریباً 60 میل شمال میں واقع ہے اور ان دونوں شہروں کے درمیان کلاس 70 اے ون پختہ روڈ ہے۔ یہی روڈ مزید شمال میں سیاچن گلیشیئر کے مشرقی اور جنوب مشرقی حصوں تک جاتی ہے۔ ملٹری زبان میں یہ بھارت کی (بڑی مواصلاتی لائن) Main Line of Communication پر واقع ہے۔ بھارتی افواج کی بھاری ٹرانسپورٹ سری نگر سے ساڑھے تین گھنٹے میں کارگل پہنچتی ہے اور پھر یہی ٹرانسپورٹ مزید ڈیڑھ گھنٹہ میں سیاچن گلیشیئر کے بیس کیمپ Base Camp تک پہنچتی ہے۔ کارگل کے شمال مشرق میں مقبوضہ کشمیر کا مشہور قصبہ لیہہ ہے جو تقریباً 65 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ کارگل سے لیہہ تک کلاس 70 اے ون سڑک موجود ہے۔ سری نگر اور کارگل کے درمیان بھارتی مقبوضہ کشمیر کے دو اہم قصبے دراس اور سونا مرگ واقع ہیں۔ کارگل کے شمال میں دریائے سندھ شرقاً غرباً صدیوں سے بہہ رہا ہے۔

1999ء میں ''اعلان لاہور'' کے کچھ عرصہ بعد شمالی علاقوں سے بھارتی جارح افواج کے خلاف مجاہدین اسلام کی کارروائیاں شروع ہوئیں۔ کامیابیوں نے مجاہدین کے قدم چومے۔ قوم کا مورال اپ ہوگیا۔ پوری قوم متحد ہو گئی۔ واضح رہے کہ ڈینسم (dansam) سے کارگل تک' کارگل سے کیل تک اور کیل سے مرالہ ہیڈ ورکس تک کنٹرول لائن پر تعینات ہر جونیئر افسر اور جوان جذبہ شہادت سے سرشار ہوتا ہے۔ افتخار آباد کا گرم ترین موسم ہو یا سیاچن گلیشیئر کا یخ بستہ موسم پاکستانی سپاہی ہر دم تیار رہتا ہے۔ 1999ء کی کارگل مہم میں بھی یہ جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس مہم کے لئے آرمرڈ کور کے ان افسروں نے اپنے آپ کو بطور والنٹیر پیش کیا تھا جن کے والدین کروڑ پتی تھے۔ غرضیکہ ایک جذبہ تھا۔ اس مہم میں ایاز اور محمود ایک تھے۔ پاکستانی آرمی تعداد میں بہت کم تھی۔ ساز و سامان اور اسلحہ بھی کم تھا۔ تاہم مجاہدین اسلام نے زبردست بہادری کا مظاہرہ کیا۔ یکے بعد دیگرے بھارتی مقبوضہ چوٹیاں سرنگوں ہونے لگیں۔ سری نگر کارگل شاہراہ کو مغلوب کر لیا۔ ہمارے تقریباً 2700 عساکر جام شہادت نوش کر گئے۔

کارگل کی مہم اپنے عروج پر جا پہنچی۔ کفر کی طاقتیں متحد ہونے لگیں۔ کلنٹن سخت سیخ پا ہوا۔ فرانس اور برطانیہ نے بھارت کی پیٹھ ٹھونکی۔ بھارت کی امداد کے لئے اسرائیلی فضائیہ ریڈ الرٹ کی حالت پر آ گئی۔ بحیرۂ عرب میں امریکہ طیارہ بردار جہازوں نے پراسرار حرکتیں شروع کیں۔ چین نے ہمارے ساتھ سرد مہری برتنا شروع کر دی۔ گوہر ایوب خان اور سرتاج عزیز کی بنائی ہوئی خارجہ پالیسی نے ہمیں پوری دنیا میں تنہا کر دیا۔ انڈین افواج نے پورے بھارت سے سرحدوں کی جانب مارچ کرنا شروع کر دیا۔ نواز شریف کو اس آپریشن سے پہلے اعتماد میں لیا گیا تھا یا نہیں۔ یہ الگ سوال ہے۔ تاہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مہم کے آغاز کے بعد انہوں نے کیا کارروائی کی۔ میجر (ر) فتح محمد نے اپنے تجزیے (مطبوعہ روزنامہ ''اسلام'' 3 اگست 2004ء) میں لکھا ہے: ''بلاشبہ میاں نواز شریف نے جنرل پرویز مشرف کے کہنے پر ہی کلنٹن سے رابطہ کیا۔ پھر وزیر اعظم نے وائٹ ہاؤس میں حاضری دی۔ نظریں

جھکائے نواز شریف واپس اسلام آباد پہنچا۔ آرمی چیف نے ان کا استقبال کیا۔ پھر ہم نے بھارتی چوکیاں خالی کیں۔ جارح دشمن کا توپ خانہ اور فضائیہ حرکت میں آئے۔ پیش قدمی کرتے ہوئے نوجوانوں پر بھارتی آرٹلری نے پن پوائنٹ شیلنگ کی۔ بھارتی فضائیہ کے MIG-25 جہازوں نے تصاویر مہیا کیں۔ بھارتی جیگوار طیارے نیچے پرواز کرتے ہوئے بمباری کرنے لگے۔ جن دنوں ہمارے جوان اور افسر چوٹیاں خالی کر کے جام شہادت نوش کر رہے تھے۔ انہی دنوں میاں نواز شریف اور جنرل پرویز مشرف عمرہ ادا کر رہے تھے''۔

کیا کھویا' کیا پایا؟

''اعلان واشنگٹن'' سے ہمیں جو نقصانات ہوئے ہیں' ان کی تفصیل مشہور صحافی اور تجزیہ نگار ارشاد احمد حقانی صاحب نے اپنے ایک کالم (مطبوعہ روزنامہ ''جنگ'' بابت 20 اگست 1999ء) میں دی تھی۔ انہوں نے لکھا:

1) کارگل آپریشن اور اس میں ہماری فوجی کامیابیوں کی وجہ سے پاکستانی قوم کا حوصلہ جس طرح بلند ہوا اور جس طرح اس نے تنازعہ کشمیر پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہونے کے بارے میں توقعات قائم کیں (ان توقعات کو تقویت دینے میں حکومت اور اس کے ترجمانوں کے اعلانات نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا) وہ توقعات یکدم دھڑام سے نیچے گر گئیں اور ایک Anti-Climax کی صورت پیدا ہو گئی۔ عام پاکستانی کے لئے یہ سمجھنا بالکل ممکن نہ ہوا کہ چند روز پہلے کی شوراشوری کے بعد بے نمکی کی یہ حالت کس طرح پیدا ہو گئی۔ اس کا اظہار تعجب اس لئے بھی حق بجانب تھا کہ اسے سابقہ مراحل کے بارے میں پوری طرح بے خبر رکھا گیا تھا نیز جنرل زینی کی آمد کے بعد ہماری حکومت کی سوچ میں جو تبدیلی آئی تھی وہ اس سے بھی آگاہ نہیں تھا' اس لئے ''اعلان واشنگٹن'' اسے ایک ناگہانی آفت (Bolt from the Blue) دکھائی دیا۔ بعد میں جب حکمرانوں نے بار بار یہ بات کہی کہ ہم بھارت سے جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے تو اس کے لئے یہ سمجھنا آسان نہ رہا کہ پھر کارگل آپریشن شروع ہی کیوں کیا گیا تھا۔

2) اعلان واشنگٹن کے وقت چونکہ بھارتی وزیراعظم موجود اور فریق نہ تھے' اس اعلان نے صرف پاکستان پر ہی ذلت آمیز پابندیاں عائد کیں اور اسی سے یکطرفہ مطالبات کئے تو یہ بات پاکستانی عوام کے لئے سمجھنا ممکن نہ ہوا اور وہ حکومتی قلابازی کی کوئی توجیہہ نہ کر سکے۔

3) اعلان واشنگٹن اس وجہ سے بھی اہانت آمیز سمجھا گیا کہ اس میں صرف پاکستان سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ کارگل سے مجاہدین اور بقول بھارت اور مغرب اپنے فوجیوں کو بھی واپس بلائے۔ بھارت نے لائن آف کنٹرول کی جو تین بڑی خلاف ورزیاں 1972ء' 1984ء اور 1988ء میں کی تھیں ان کا خاتمہ کرنے کا کوئی اشارہ تک بھی اس اعلان میں موجود نہ تھا۔ پاکستان کا عام شہری حیران تھا کہ وزیراعظم نے اس یکطرفہ اعلان کے آگے سر تسلیم خم کرنا کس طرح اور کیوں ممکن پایا۔

4) اس اعلان کی جس بات نے اہل پاکستان کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچائی' وہ یہ تھی کہ اس میں لائن آف کنٹرول کے احترام اور تقدس پر زور دیا گیا اور ہمیں اس کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ اس اعلان میں ''لاہور ڈیکلریشن'' کا ذکر تو آیا لیکن نہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کا ذکر ہوا اور نہ ہی کشمیریوں کی رائے معلوم کرنے کی ضرورت کا اعتراف کیا گیا۔ یہ کیفیت اس لئے اور بھی تکلیف دہ سمجھی گئی کہ جب 1972ء میں ''شملہ معاہدہ'' ہوا تھا تو پاکستان کی انتہائی کمزور پوزیشن کے باوجود اس میں لائن آف کنٹرول کے تقدس کا کوئی اشارہ بھی موجود نہ تھا۔ اس کے برعکس جب بھارت نے سیز فائر لائن کو ''لائن آف پیس'' کا نام دینے کا مطالبہ کیا اور یہ بھی کہا کہ لائن کا L اور پیس کا P کیپٹل ہوگا تو مسٹر بھٹو نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ L اور P کو کیپٹل حروف میں لکھنے سے لائن کو قدرے زیادہ تقدس ملتا تھا۔ بڑی رد و کد کے بعد مسٹر بھٹو اسے سیز فائر لائن کی بجائے لائن آف کنٹرول ماننے پر آمادہ ہوئے' لیکن L اور C کو انہوں نے کیپٹل حرفوں میں لکھنے کی اجازت نہ دی۔ سب جانتے ہیں کہ ''معاہدۂ شملہ'' کے وقت تمام کارڈ مسز اندرا گاندھی کے ہاتھ میں تھے اور مسٹر بھٹو ایک شکست خوردہ ملک کے نمائندے تھے۔ ''اعلان واشنگٹن'' سے پہلے پاکستان کی پوزیشن ہرگز کمزور نہ تھی

لیکن ہم نے لائن آف کنٹرول کے احترام اور تقدس کو ملحوظ رکھنے کا فیصلہ قبول کر لیا۔ ایک اور ستم یہ ہوا کہ جب شملہ معاہدے میں لائن آف کنٹرول کی اصطلاح استعمال کرنے پر پاکستان کو آمادہ ہونا پڑا تو اس نے معاہدہ کے متن میں ان الفاظ کا اضافہ بھی کرایا:

"Without prejudice to the recognized position of either country".

جس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان کسی بھی وقت لائن آف کنٹرول کی حیثیت کو چیلنج کرنے کا حق استعمال کر سکتا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی رعایت تھی جو بھارت سے چھینی گئی۔ اس کے برعکس ''اعلان واشنگٹن'' میں اس طرح کے الفاظ کا نام و نشان موجود نہیں اور اب کسی کے لئے ہمارے سابقہ مؤقف کا احترام کرنا واجب نہیں رہا۔

5) اعلان واشنگٹن میں کہا گیا کہ پاکستان مجاہدین کو کارگل سے واپس بلانے کے لئے ''ٹھوس اقدامات'' کرے گا۔ اب یہ وعدہ ہمارے ان دعووں کے سراسر منافی تھا جو ہم دو ماہ سے کر رہے تھے کہ مجاہدین اپنی مرضی سے کارگل گئے ہیں اور انہیں واپس بلانا ہمارے اختیار میں نہیں۔ ''ٹھوس اقدامات'' کرنے کا وعدہ کر کے گویا ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ ہم جو کچھ پہلے کہہ رہے تھے' وہ غلط تھا اور مجاہدین کو ہم نے کارگل بھیجا تھا۔ اس کے بعد دنیا ہمارے ان دعووں کو کس طرح وزن دے گی کہ کشمیر میں جاری تحریک مزاحمت میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں۔ آئندہ مجاہدین کی تمام سرگرمیاں حکومت پاکستان کے کھاتے میں ڈالی جائیں گی۔ چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ بھارت مذاکرات کا آغاز کرنے کے لئے یہ شرائط عائد کر رہا ہے کہ مقبوضہ جموں و کشمیر میں مجاہدین کی تمام سرگرمیاں' جب تک پاکستان بند نہیں کراتا' مذاکرات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بھارت کی طرف سے اس طرح کا مطالبہ 50 سال میں پہلی دفعہ سامنے آیا ہے اور یہ نتیجہ ہے براہ راست اعلان واشنگٹن کا۔

6) شملہ معاہدے اور اس سے پہلے اعلان تاشقند اور پھر اعلان لاہور کی وجہ سے پاکستان پر تنازع کشمیر دو طرفہ پلیٹ فارموں سے ہٹ کر کسی عالمی فورم پر اٹھانے میں جو مشکل حائل ہوئی تھی ہم نے اس کو بھی وزن نہیں دیا تھا اور ہم ہر جگہ اسے اٹھاتے تھے لیکن اعلان واشنگٹن کے بعد ہمارے لئے تنازع کشمیر کو کسی بین الاقوامی فورم پر اٹھانا ہمیشہ سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔

7) اس اعلان سے 50 سالہ تاریخ میں کشمیر کے حوالے سے بھارت کو پہلی دفعہ اخلاقی برتری ملی۔ اس کے ضبط و تحمل کی تعریف ہوئی اور وہ غاصب اور جارح ہونے کے باوجود ایک مظلوم فریق کی حیثیت اختیار کر گیا اور پاکستان نے ہمیشہ کے لئے اپنی کریڈیبلٹی کھو دی۔

8) اعلان واشنگٹن کے بعد اب مجاہدین کی تحریک مزاحمت کو دہشت گردی کا نام دیا جانے لگا ہے۔ وہ مجاہدین آزادی کی بجائے اب دہشت گرد بن گئے ہیں اور دنیا یہ طرفہ تماشا دیکھ رہی ہے کہ ایک غاصب اور جارح

بھارت اپنا حق خود ارادیت مانگنے والوں کو دنیا کی نظروں میں دہشت گرد، مذہبی شدت پسند اور مہم جو جنونی منوانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

9) اعلان واشنگٹن سے پاکستانی فوج کے امیج کو بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسے ایک Rogue یا غنڈہ یا بدمعاش آرمی کہا جانے لگا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ہم پاکستانی فوج کے خلاف جاری مہم میں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی زندہ تصویر بنے ہوئے ہیں۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ پاکستانی فوج کی عزت اور امیج کو بہتان تراشیوں کی مہم سے بچانے کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پاکستان کی فوج کی عزت کے سوال سے حکومت پاکستان کو کوئی سروکار نہیں اور وہ اس کا تحفظ کرنا اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتی۔ یہ کارگل آپریشن اور اعلان واشنگٹن کا ایک ایسا المناک نتیجہ ہے جس کے مضمرات انتہائی دوررس اور اس محاذ پر ہماری ناقص کارکردگی ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

10) اعلان واشنگٹن کے بعد مسئلہ کشمیر کو عالمی فورموں پر اٹھانا پہلے سے کہیں مشکل ہو گیا ہے بلکہ اب دوطرفہ مذاکرات کے لئے بھی ہمیں بار بار بھیک مانگنی پڑ رہی ہے اور بھارت ایک شان استغنیٰ کے ساتھ ہماری درخواستوں کو نفرت اور حقارت سے مسترد کر دیا ہے۔

یہ ہیں وہ 10 مہلک نتائج جو اعلان واشنگٹن سے مرتب ہوئے ہیں۔ کارگل میں ہماری فوج کی شاندار کامیابی بدقسمتی سے ہماری اہانت اور تذلیل پر منتج ہوئی ہے اور تنازع کشمیر اور کشمیر کاز کو کم از کم اس وقت ناقابل تلافی نقصان پہنچ گیا ہے۔ اس کا ازالہ کب اور کس طرح ہو گا' کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اب میں اس طرف آتا ہوں کہ آئندہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں کم از کم کچھ وقت تک بار بار مذاکرات کی بھیک مانگنا اب چھوڑ دینا چاہئے۔ ہندوستان کے انتخابات کا انعقاد ہونے دیں۔ اس کے بعد دیکھیں کہ کون سی حکومت آتی ہے' اس کے عزائم کیا ہیں' وہ کس قسم کی ہوا میں اڑ رہی ہے' ہمارے اپنے حالات کیا ہیں۔ اس وقت ہمیں فیصلہ کرنا چاہئے دریں اثناء ہمیں یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ ہم کشمیر پر اپنے اصولی مؤقف پر قائم ہیں اور ہم کنٹرول لائن کو مستقل سرحد ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہہ دیں کہ ہم مجاہدین کی حسب سابق سفارتی اور اخلاقی اور سیاسی مدد جاری رکھیں گے۔ سب سے بڑھ کر ضروری یہ ہے کہ ہم اپنے گھر کو درست کریں۔ ہماری جو کمزوریاں دنیا پر آشکارا ہو چکی ہیں اور جن کو امریکیوں نے بھی اور انڈیا نے بھی In so many words بیان کیا ہے' ان سے نجات حاصل کریں۔

چند روز پہلے جب مادام البرائٹ سنگاپور گئی ہیں اور وہاں ان کی ملاقات جسونت سنگھ سے ہوئی تو اس وقت ان کے ساتھ جو ان کے ایک بہت اونچے سیاسی مشیر میتھیو ڈالے بھی گئے تھے' انہوں نے وہاں جانے سے پہلے یہ کہا تھا کہ آج سے ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ امریکہ کے مساوی سلوک کا دور ختم ہو گیا ہے۔ آج کے بعد ہندوستان کے ساتھ ہمارا ترجیحی سلوک ہو گا کیونکہ انڈیا میں آزاد پریس ہے' آزاد عدلیہ ہے' انڈیا میں صحیح معنوں میں جمہوریت ہے اور انڈیا میں آئین کا احترام ہے۔ انڈیا میں فوج سویلین اتھارٹی کی مکمل طور پر تابع فرمان ہے' اس لئے ہماری ترجیح اب انڈیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مزید یہ بات کہی کہ اگر آئندہ کسی مرحلے پر یا کسی ایشو پر محسوس ہو کہ ہم ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مساوی سطح پر معاملہ کر رہے ہیں تو وہ ایک وقتی بات ہو گی۔ اس وقت کے حالات کی مجبوری کے باعث ایسا ہو گا لیکن اب ہماری مستقل پالیسی یہ ہے کہ ہم ہر حوالے سے ہندوستان کو ترجیح دیں گے۔ اس صورتحال کی فوری وجہ کارگل آپریشن بنا ہے لیکن میں نے اس کا پورا پس منظر آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ یہ اس کی وجوہات ہیں۔ اس فضا میں ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنا خارجی اور داخلی امیج بیرونی دنیا کے سامنے بہتر بنائیں۔

چند روز پہلے میں نے جنرل جہانگیر کرامت کے ایک مضمون کا اپنے کالم میں حوالہ دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے:

For too long we have marketed Pakistan very badly in the world.

''مارکیٹ'' کا لفظ انہوں نے ان معنوں میں ستعال کیا ہے کہ ہم نے خود کو بہت برے انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اب' ہمیں اپنے گھر کو ٹھیک کرنا چاہئے' ہمیں اپنی عدلیہ کو صحیح معنوں میں آزاد کرنا چاہئے' ہمیں عوام کو ایک اچھی حکومت دینی چاہئے' قانون کا احترام ہونا چاہئے' مکمل فری پریس ہونا چاہئے' ہمارے الیکٹرانک میڈیا کو مکمل آزاد کر دیا جانا چاہئے' کرپشن روکنے کے لئے ہمیں غیر جانبدارانہ' مساویانہ اور منصفانہ صاف ستھرا احتسابی عمل شروع کرنا چاہئے۔ یہ سارے طرز عمل اپنائیں اور انڈیا سے وقتی طور پر مذاکرات کی بھیک مانگنا بند کر دیں۔ اپنی معیشت کو درست کریں۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک اور مغربی دنیا کی دریوزہ گری اور محتاجی سے نجات حاصل کریں' اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں' عیاشیاں اور فضول خرچیاں بند کر دیں تو یقینی بات ہے کہ صرف سال دو سال کے اندر ہمارا امیج اتنا بہتر ہو جائے گا کہ پھر عالمی رائے عامہ بھی ہمارا ساتھ دے گی۔ کشمیر کے کاز کی صداقت بھی محسوس کی جائے گی۔ اس وقت کشمیر کے بارے میں ہمارا کیس سو فیصدی حق بجانب ہے لیکن ہماری 52 سالہ تاریخ

خانقاہ معلّی

حضرت امیر کبیر سید میر علی ہمدانی کا حجرہ جسے کشمیری بے پناہ عقیدت کے سبب کعبہ ثانی بھی کہتے ہیں۔ یہ عظیم الشان عمارت 1394ء میں سلطان سکندر بت شکن نے تعمیر کرائی تھی۔ اس عمارت کی چھت بھوج پتر اور اخروٹ کی لکڑی سے تیار کی گئی ہے اور دیواروں کے اندرونی حصوں پر کلامِ پاک کی آیات سے انتہائی خوبصورتی سے کندہ کی گئی ہیں۔ کشمیریوں کے نزدیک خانقاہ معلّی انتہائی مقدس جگہ ہے۔ کشمیری باقی تمام جگہوں پر جھوٹ بول سکتا ہے مگر وہ خانقاہ کی حدود میں کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔

میں پہلا موقع ہے کہ کشمیر جیسے ایشو پر ہندوستان نے ایک High moral ground حاصل کر لی ہے اور ہمیں جھوٹا اور اسے سچا کہا جا رہا ہے۔ یہ ہماری Mishandling ہے۔ لہٰذا ہمیں ان غلطیوں سے بچنا چاہئے اگر ہم طویل المیعاد صحیح منصوبہ بندی کر کے کام کریں گے تو ہماری عزت بھی بحال ہو گی اور ان کے جائز مطالبے کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھا جائے گا اور ہم پوری دنیا کے سامنے ہندوستان کو ایکسپوز کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہمیں کوئی یہ طعنہ نہیں دے سکے گا کہ وہاں کا پریس تو آزاد ہے جبکہ آپ کا پریس آزاد نہیں ہے۔ وہاں عدلیہ آزاد ہے اور آپ سپریم کورٹ پر حملہ کرتے ہیں۔ ہمیں کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکے گا کہ آپ کے ہاں قانون کا احترام پوری طرح نہیں ہے۔ احتساب کا عمل غیر جانبدار نہیں ہے۔ یہ تمام طعنے جو اس وقت ہمیں دیئے جا رہے ہیں یہ طعنے نہیں دیئے جائیں گے' یہی طعنے ہمیں انڈیا اور امریکہ اور جی ایٹ دے رہا ہے۔ جنرل جہانگیر کرامت نے اپنے اسی آرٹیکل میں جسے میں نے بھی نقل کیا ہے شیکسپیئر کا ایک فقرہ لکھا ہے کہ خرابی ہمارے ستاروں میں نہیں ہے بلکہ ہمارے اپنے اندر ہے۔ یہ کہنا کہ ہماری تقدیر ہی ایسی ہے۔ تقدیر کسی کی اچھی بری نہیں ہوتی تقدیر تو ہم خود بناتے ہیں۔ یہ تو خود ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ اسے بہتر بنانا چاہئے۔ ماشاء اللہ پاکستان کے پاس اعلیٰ افرادی قوت بھی ہے' وسائل بھی ہیں' باہنر لوگ بھی ہیں' کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ہمارے پاس نہ ہو۔ بات صرف بہتر منصوبہ بندی کی ہے۔ بات صرف مدبر قیادت کی ہے اگر یہ سب کچھ ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمارا امیج انڈیا سے بہتر نہ ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

3 جولائی 2004ء کو ''انڈیا ٹوڈے'' کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے میاں محمد نواز شریف نے اپنے دوسرے

دورِ حکومت میں کئے جانے والے متعدد اقدامات پر کھل کر بات کی' جس میں انہوں نے سابق بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کی لاہور آمد سے لے کر کارگل جنگ کی تلخ یادیں اور جنرل پرویز مشرف کو چیف آف آرمی سٹاف بنانا بھی شامل ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دے کر کہا کہ کارگل کی اصل صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیشن قائم کیا جائے تاکہ قوم کو اصل حقیقت کا پتا چل سکے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جنرل پرویز مشرف کے کہنے پر ہی انہوں نے جولائی **1999**ء میں واشنگٹن کا دورہ کیا تھا اور صدر کلنٹن سے جنگ بند کروانے کا مطالبہ کیا تھا۔ میاں نواز شریف کے اس مطالبے کے سلسلے میں انٹر سروسز پبلک ریلشنز (آئی ایس پی آر) کے ڈائریکٹر جنرل' میجر جنرل شوکت سلطان نے بیان دیا: ''کارگل کے معاملے کو میڈیا میں اچھالنا افسوسناک ہے۔ ذمہ دار قومیں اپنی سلامتی کے معاملات کو یوں سربازار زیر بحث نہیں لایا کرتیں' بالخصوص کسی بھی قوم کے رہنماؤں پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ قومی سلامتی کے معاملات پر تدبر اور دانش مندی کا مظاہرہ کریں اور ان امور کو اپنی سیاست چمکانے کے لئے استعمال نہ کریں۔''

پاکستان کے وزیراعظم چودھری شجاعت حسین اور وزیر اطلاعات و نشریات شیخ رشید احمد نے تحقیقاتی کمیشن قائم کرنے کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ کارگل کی جنگ کے بارے میں میاں نواز شریف پوری طرح باخبر تھے۔ اب وہ یہ کہہ کر کہ انہیں فوج نے بے خبر رکھا' ڈراما رچا رہے ہیں۔ اس کے برعکس میاں نواز شریف کے علاوہ جنرل (ر) جاوید ناصر' جنرل ظہیر الاسلام عباسی اور حزب اختلاف کے رہنماؤں راجہ محمد ظفر الحق' سعد رفیق اور مخدوم امین فہیم وغیرہم نے تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔ اور کمیشن قائم کرنے کی پُرزور حمایت کی ہے۔

(24) ''آگرہ مذاکرات'' (جولائی 2001)

''اعلانِ واشنگٹن'' کی صورت میں میاں نواز شریف (یا جنرل پرویز مشرف یا دونوں کا) سجدۂ سہو بھی بھارتی وزیراعظم واجپائی کا غصہ ٹھنڈا نہ کر سکا۔ میاں صاحب تو رخصت ہو گئے اور جنرل پرویز مشرف نے **12** اکتوبر **1999**ء کو عنانِ حکومت سنبھالتے ہی بھارت کو مذاکرات کی غیر مشروط پیشکش کر دی۔ پھر جنرل صاحب تو بار بار اپنی پیشکش دہراتے رہے' مگر واجپائی کا دل نہ پسیجا اور انہوں نے جنرل مشرف کی دعوت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ مذاکرات کی یک طرفہ دعوت کا سلسلہ تقریباً ڈیڑھ سال تک جاری رہا۔ جون **2001**ء کے اوائل میں بھارت کے وزیراعظم نے اچانک بڑے مصالحانہ انداز میں جنرل پرویز مشرف کو بھارت کا دورہ کرنے اور مذاکرات کی دعوت دے کر دنیا کو حیران کر دیا۔ جنرل مشرف نے بھی یہ دعوت بڑی خوش دلی کے ساتھ فوراً قبول کر لی۔ جنرل صاحب نے بڑے مناسب اور واضح الفاظ میں اپنے جواب میں تحریر کیا: ''دونوں ممالک میں کشیدگی کا بنیادی سبب جموں و کشمیر کا حل طلب تنازعہ ہے' اس لئے میں آپ کے ساتھ کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق مسئلے کے حل کے لئے مخلصانہ بات چیت کی توقع رکھتا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم دوسرے مسائل پر بھی بات چیت کے لئے تیار ہیں۔'' چنانچہ اس طرح پاکستان نے مسئلہ کشمیر اور اس کے حل کو پاک بھارت مذاکرات کے ایجنڈے میں شامل کرا کر نمایاں کامیابی حاصل کی۔

یہ مذاکرات آگرہ میں **14** جولائی تا **16** جولائی **2001**ء میں منعقد ہوئے۔ مذاکرات سے قبل دونوں طرف سے اپنے اپنے مؤقف کا بار بار اعلان ہوتا رہا۔ واجپائی' ان کے وزیر داخلہ ایڈوانی اور وزیر خارجہ جسونت سنگھ نے یہ بانگِ دہل کہا: ''کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔'' حکومتِ پاکستان اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیریوں کی رائے شماری پر اعتماد کرنے کا اعلان کرتی رہی۔ جنرل پرویز مشرف نے بڑے طمطراق سے کہا: ''میں تاریخ بدل دوں گا۔''

اخباری اطلاعات کے مطابق دونوں ملکوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو بھی گیا تھا' لیکن عین آخری وقت واجپائی صاحب اپنے بعض متشدد صلاح کاروں کے دباؤ کے باعث سمجھوتے سے منحرف ہو گئے اور یوں کامیابی ناکامی میں بدل گئی۔ ''آگرہ کانفرنس'' کی ناکامی پر ''ندائے خلافت'' کے مدیر ''محترم حافظ عاکف سعید نے اس جریدے کی اشاعت بابت **19** جولائی **2001**ء میں اپنے اداریے میں لکھا:

'آگرے میں ہونے والے پاک بھارت مذاکرات میں کسی مشترکہ اعلامیے پر طرفین کا اتفاق نہ ہو سکا اور کشمیر کے مسئلے کے حل کے ضمن میں تو جو توقعات وابستہ کی گئی تھیں' وہ پوری نہ ہو سکیں' لہٰذا عام تاثر یہی ہے کہ یہ مذاکرات بے نتیجہ اور ناکام رہے۔ تاہم اگر حقیقت پسندانہ انداز میں جائزہ لیا جائے اور چند ماہ قبل کی صورت حال کو ذہن سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے کہ جب انڈیا مشرف حکومت کے منہ سے مذاکرات کا نام سننے کا روادار نہ تھا' اور کشمیر کے مسئلے اور اس کے حل کے بارے میں بات کرنا تو درکنار' کوئی بات سننا بھی اسے گوارا نہ تھا' تو یقیناً دل کو ڈھارس بندھتی ہے اور آگرہ مذاکرات کی ناکامی میں بھی ''گر جیت گئے تو کیا کہنا' ہارے بھی تو بازی مات نہیں'' کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔''

''آگرہ مذاکرات'' کی ناکامی پر تحریکِ خلافت پاکستان اور بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا توازن و اعتدال پر مبنی ایک بیان اخبارات کو جاری کیا گیا تھا' جو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے حالیہ آگرہ سربراہ کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگرچہ اس کے خوش کن نتائج سامنے نہیں آئے' جس کی ایک بڑی وجہ بھارتی کابینہ میں شدت پسند عناصر کی موجودگی اور جنرل پرویز مشرف کے مقابلہ میں وزیراعظم واجپائی کے اختیارات کا محدود ہونا ہو' تاہم اسے ناکام قرار دینا بھی درست نہ ہوگا۔ بلکہ جیسا کہ اکثر حلقوں کی جانب سے خیال ظاہر کیا جا رہا ہے' کارگل کی جنگ سے دونوں ممالک کے درمیان ایک دم دشمنی اور سرد مہری میں جو اضافہ ہو گیا تھا اسے کم کرنے میں مدد ملی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جنگ اور دشمنی کی باتیں دونوں میں سے کسی بھی ملک کے مفاد میں نہیں ہیں' دونوں کے ہاں غربت اور پسماندگی کا دور دورہ ہے جس پر قابو پانے کے لئے پُرامن ماحول کی ضرورت ہے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی ہے کہ اس وقت اُمید کی جو کرن نظر آئی ہے اسے دونوں ممالک میں خاص اہمیت دی جائے گی اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپس میں اعتماد اور بہتر تعلقات کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس جانب توجہ دلاتے ہوئے کہا ہے کہ قائداعظم اور علامہ اقبال' دونوں کے پیش نظر بھارت اور پاکستان کے درمیان قربت اور خوشگوار تعلقات کا قیام تھا جس کی طرف کسی قدر پیش رفت کے آثار پیدا ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے

جناب پرویز مشرف کے قائدانہ کردار کی بھی تعریف کی جنہوں نے اس موقع پر بہت ہی پرعزم اور پروقار طریقہ سے ملک کی نمائندگی کی ہے۔ اس سے اندرون اور بیرون ملک ان کی شخصیت نکھر کر سامنے آئی ہے جبکہ ان کے مقابلہ میں بھارت کے وزیر اعظم کئی اعتبارات سے فوقیت کے حامل ہونے کے باوجود کمتر دکھائی دیے ہیں۔ بہرکیف حالیہ سربراہی ملاقات کے نتیجے میں بین الاقوامی سطح پر کشمیر ایک اہم مسئلہ کی صورت میں دنیا میں اُجاگر ہوا اور مشترکہ بیان جاری نہ ہونے کی وجہ سے بھارت کی پوزیشن عالمی رائے عامہ کے سامنے کمزور ہوئی۔"

فتح کدل

خفیہ تنظیم کی ضرورت کے پیش نظر نوجوانوں نے فتح کدل کے مقام پر مفتی جلال الدین کے پاس اپنا مرکز قائم کیا اور انقلاب تحریک کے تمام ابتدائی خطوط ان ہی کی مشاورت سے مرتب ہونے شروع ہوئے۔ اس دوران اور بھی بہت سے باشعور نوجوان اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ خواجہ غلام نبی گلکار' مفتی جلال الدین' پیرزادہ احمد شاہ فاضلی' پیرزادہ غلام رسول' حکیم علی اور حکیم غلام مرتضیٰ وغیرہ ریڈنگ روم پارٹی کے خصوصی رکن تھے۔

(25) نائن الیون 2001ء تا چودہ اگست 2004ء

"آگرہ مذاکرات" کے تین ماہ بعد 11 ستمبر 2001ء کو نیویارک کے مشہور عالم "ٹریڈ سنٹر" کے واقعۂ انہدام نے گویا دنیا بدل ڈالی' خصوصاً دنیائے اسلام تو ایک ایسے عذاب میں مبتلا ہو گئی کہ تاتاریوں کی یلغار کا وقت یاد آ گیا۔ امریکا کے صدر بش نے "جب اعلانِ جنگ" کیا تو اُن کے دل سے "صلیبی جنگ" کے الفاظ گولی کی طرح نکلے۔ دوسرے روز مسلمانانِ عالم سے معافی مانگنے کے باوجود اُن کے طرزِ عمل سے آج تک یہی ثابت ہوتا چلا آ رہا ہے کہ اصل میں وہ یہودیوں کی تحریک و تحریص پر مسلمانوں سے "مقدس صلیبی جنگ" ہی لڑ رہے ہیں۔ اسامہ بن لادن پر حملے کے بہانے امریکی افواج پاکستان کے شمال مغرب افغانستان میں' بلوچستان کی سرحد پر اور جیکب آباد کے ہوائی اڈے پر بھی اُتر آئیں تو ان کے لئے یہ ضروری اور آسان ہو گیا کہ وہ پاکستان پر مزید دباؤ ڈالنے کے لئے بھارت کو اُکسائیں۔ اس وقت تک کشمیر میں بھارتی افواج کشمیری مجاہدین کے ہاتھوں زچ ہو چکی تھیں۔

اس پس منظر میں 13 دسمبر 2001ء کو بھارتی پارلیمنٹ پر خودکش حملہ کرایا گیا۔ جس میں 14 افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہو گئے۔ حکومتِ ہند نے پاکستان پر الزام لگایا کہ یہ کارروائی حکومتِ پاکستان کی امداد سے مسلح مجاہدین نے کی۔ پاکستان نے سختی سے اس الزام کی تردید کی۔ انہی دنوں امریکا کے وزیر دفاع ہندوستان پہنچے اور تین گھنٹے تک مسلسل بھارت کے وزیر دفاع جارج فرنینڈس سے "ون ٹو ون" ملاقات کی۔ امریکی وزیرِ دفاع کی واپسی کے چند روز بعد بھارت نے اپنی دس لاکھ سے زیادہ فوج کشمیر میں لائن آف کنٹرول کے ساتھ ساتھ پاکستان کی پوری سرحد پر کھڑی کر دی۔

2002ء

پاکستان کی پوری سرحد اور جموں و کشمیر کی گلی گلی بھارتی افواج کی جارحانہ جمعیت کے باوجود کشمیری مجاہدین کی تحریک مزاحمت کو کچلا نہ جا سکا تو اٹل بہاری واجپائی کی حکومت نے 26 مارچ 2002ء کو بالآخر بھارت کی تاریخ کا سب سے متنازعہ اور قابل نفرت قانون "پوٹو" Prevention of Terroism Ordianace) بھارتی پارلیمنٹ سے صرف 12 ووٹوں کی برتری سے منظور کروالیا۔ وزیر داخلہ ایل کے ایڈوانی نے اس قانون کی وکالت میں کہا: "11 ستمبر کو ٹریڈ سنٹر کے انہدام کے بعد سے ساری دنیا کا کلچر تبدیل ہو گیا ہے اور امریکا کی طرح بھارت بھی پاکستان کی دہشت گردی کا شکار ہے۔ پاکستان گزشتہ پندرہ سال سے مقبوضہ کشمیر میں دہشت گردی کرا رہا ہے۔ چنانچہ مقبوضہ کشمیر میں دہشت گردوں سے نمٹنے کے لئے بھارتی حکومت "پوٹو" کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئی"۔ "پوٹو" کے تحت پولیس کو ماورائے عقل اختیارات دیے گئے۔ پولیس کسی بھی شہری کو محض اس شک کی بنیاد پر کہ وہ دہشت گردی میں ملوث ہے' ذہنی' جسمانی' اخلاقی کسی بھی طرح کی اُن سے ہم آہنگی رکھتا ہے' چندہ دیتا ہے یا اُن کے مشن کو آگے بڑھانے میں معاون ہے' وجہ بتائے بغیر کسی ریمانڈ کے بغیر تین ماہ کے لئے اپنی حراست میں رکھ سکتی ہے۔

انڈین آرمی کی سختیوں کے ساتھ ساتھ کشمیری مسلمانوں پر سولین "پوٹو" کی تلوار بھی لٹکانے کے بعد بڑے پیمانے پر عالمی سازش کا جال پھیلایا گیا۔ امریکا کے وزیر خارجہ کولن پاول نے بھارت اور پاکستان کا دورہ کیا۔ خفیہ ملاقاتیں کیں اور جاتے ہوئے اعلان کیا: "پاکستان اور بھارت باہمی مذاکرات پر آمادہ ہو گئے ہیں"۔ چند روز بعد صدر بش نے دونوں مملکتوں کو بیک وقت خوش کرنے کے لئے اپنے بیان میں ایک تیکھا جملہ استعمال کیا: "کشمیر میں در اندازی جاری ہے' لیکن صرف پاکستان ذمہ دار نہیں"۔

2003ء

امریکا کی چالاک سفارت کاری' اور بھارت اور اسرائیل کے ساتھ اُس کے گٹھ جوڑ نے پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف کو "کیمپ ڈیوڈ" میں صدر بش سے مذاکرات کے لئے مسحور کر دیا۔ یہ "ون ٹو ون" ملاقات 26 جون کو ہوئی۔ 18 جون تک بھارت اور پاکستان کے لیڈروں کا طنطنہ یہ تھا کہ واجپائی نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا: "ہم پاکستان کو چوتھی جنگ میں شکست دیں گے"۔ جس کے جواب میں صدر مشرف نے کہا: "ہم لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد نہیں مانیں گے"۔ 26 جون کو جب صدر بش اور مشرف کی ملاقات ہوئی تو کشمیر کے مسئلے کے ساتھ ساتھ دوسرا موضوع یہ تھا کہ پاکستان اسرائیل کو تسلیم کرے۔ امریکا نے پاکستان کو ایف 16 طیارے دینے سے انکار کر دیا۔ البتہ تین ارب ڈالر کا پیکج دینے کا اعلان کیا۔ ملاقات سے ایک روز پہلے 25 جون کو جنرل مشرف نے درخواست کے سے لہجے میں کہا تھا: "بش نے فلسطین کے مسئلے کے لئے روڈ میپ دیا ہے۔ اسی طرح وہ مسئلۂ کشمیر کے حل کے لئے بھی روڈ میپ دیں"۔

کیمپ ڈیوڈ میں صدر بُش سے ملاقات کے بعد صدر مشرف کا اندازِ گفتگو بھی بدل گیا۔ یا تو "کور ایشو" کے سوا کوئی اور بات منہ سے نہ نکلتی تھی' یا اب "لچک" اور "روڈ میپ" اُن کا لائحہ عمل بن گیا۔ امریکا کا پیش کردہ یہ روڈ میپ بھارت کے ایک سابق سفیر فرینک وزنر (Frank Wisner) کی سربراہی میں ایک ٹاسک فورس نے مرتب کیا۔ اُس شخص نے پہلے تو بھارتی قیادت کو قائل کیا کہ وہ کشمیری راہنماؤں کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کریں۔ پھر اس نے سٹاف کالج' کوئٹہ میں فوجی افسروں کو ایک لیکچر دیا اور کہا کہ چونکہ بھارت اور پاکستان کی تاریخ' تہذیب' تمدن اور ثقافت مشترک ہے' اس لئے پاکستان کو چاہئے کہ وہ "اٹوٹ انگ" کا بھارتی موقف تسلیم کر کے امن و امان

پتھر مسجد

یہ عظیم الشان مسجد شہنشاہ جہانگیر نے اپنی چہیتی بیگم نور جہاں کی یادگار کے لئے 1032ء میں تعمیر کرائی تھی۔ اس مسجد میں پتھروں کے جس قدر وزنی تراشیدہ ٹکڑے استعمال ہوئے ہیں' انہیں اور ان پر کندہ کئے ہوئے نقش و نگار اور پھول بوٹے دیکھ کر سیاح ورطہ حیرت میں ڈوب جاتے ہیں۔ پتھر کے ٹکڑوں کو اس صفائی سے تراش کر چسپاں کیا گیا ہے کہ یہ پوری مسجد ایک ہی پتھر کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ شیر سنگھ اور اس کے بعد کرنل میہاں سنگھ کی گورنری کے زمانے میں اس کا خوبصورت فرش اکھڑوا کر بسنت باغ کا فرش تعمیر کرایا گیا۔ آخر 1932ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے یہ مسجد واگزار کر کے مسلمانوں کی تحویل میں دے دی۔

سے رہے۔ کوئٹہ کے بعد وہ درہ آدم خیل پہنچا اور اُس نے قبائلیوں سے کہا کہ وہ کشمیر میں لڑنے والے دہشت گردوں کو اسلحہ فراہم نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں ان کے ساختہ اسلحے کی دوگنی قیمت دی جائے گی۔ درہ آدم خیل سے قبایلیوں سے آزادانہ ملاقاتوں کے بعد وہ افغانستان چلا گیا اور وہاں کے لیڈروں کو اس نے جس طرح پاکستان اور کشمیری مجاہدین کے خلاف اُکسایا ہوگا' اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اُس کے مرتب کردہ ''امریکی روڈ میپ'' کا خلاصہ یہ ہے:

(1) سب سے پہلے پاکستان کو کشمیر میں مداخلت اور دراندازی کا سلسلہ ختم کر دینا چاہئے۔

(2) آج جو علاقے ''آزاد کشمیر' کی صورت میں پاکستان کے قبضے میں ہیں' وہ پاکستان کے پاس رہیں۔ جموں کے اضلاع جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے اور لداخ کے اضلاع جہاں بدھوں کی اکثریت ہے' بھارت کے پاس رہیں۔ وادی میں تھوڑی بہت سرحدی تبدیلیوں کے بعد' بھارت اور پاکستان کا مشترکہ نظم و نسق قائم ہو۔ کرنسی' دفاع' تعلقاتِ خارجہ اور آزاد تجارت کی پالیسی دونوں ملک مشترکہ طور پر بنائیں۔

فرینک وزنر کی بتائی ہوئی چالوں کے مطابق بھارت نے کشمیری راہنماؤں سے گفتگو کی اور یوں کشمیر کی ''کل جماعتی حریت کانفرنس'' دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ چنانچہ انصاری گروپ کے رہنما میر واعظ عمر فاروق نے بھارت کے ساتھ غیر مشروط مذاکرات پر باقاعدہ رضامندی کا اعلان کر دیا۔ حریت کانفرنس کے سابق چیئرمین پروفیسر عبدالغنی بھٹ نے کہا کہ جب تک بھارت' پاکستان اور کشمیری عوام اپنے روایتی موقف سے بالاتر ہو کر بات نہیں کریں گے' اُس وقت تک مذاکرات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا' اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان اور بھارت اپنے روایتی موقف میں ''لچک'' پیدا کریں اور مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے کسی نہ کسی قسم کے ''روڈ میپ'' کو تسلیم کر لیں۔ حریت کانفرنس کے دوسرے گروہ کے صدر سید علی گیلانی نے روڈ میپ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ علی گیلانی اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب کے مطالبے سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے پر تیار نہیں۔

بالآخر امریکا نے بھارت' پاکستان اور کشمیری عوام کے ایک حلقے کو اپنے مجوزہ روڈ میپ کی طرف مائل و قائل کر لیا' جس کے پس پردہ 'امریکا' بھارت اور اسرائیل کا گٹھ جوڑ کام کر رہا تھا۔ یہ مرحلۂ اول طے ہو جانے کے بعد 21 نومبر 2003ء کو امریکا کے صدر بش اور برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر نے ایک مشترکہ کانفرنس میں سخت تہدیدی الفاظ میں اعلان کیا: ''کشمیر ہو یا فلسطین' ہر جگہ دہشت گردوں کا صفایا کر دیا جائے گا''۔

اس دھمکی کا اثر پاکستان کے وزیراعظم میر ظفر اللہ جمالی پر یہ ہوا کہ انہوں نے بھارت کو 'لائن آف کنٹرول' پر یک طرف جنگ بندی کا ''تحفۂ عید'' بھجوایا۔ اس کے ساتھ کسی شرط کے بغیر سری نگر سے مظفر آباد تک بس سروس اور ممبئی سے کراچی تک فیری سروس کا اعلان کیا۔ اس سے قبل جب پچھلے ماہ 20 اکتوبر کو بھارت کی جانب سے تعلقات کو معمول پر لانے کے لئے بارہ تجاویز پیش کی گئی تھیں تو یہ دونوں تجاویز اس فہرست میں بھی شامل تھیں۔ اس وقت پاکستان کا فوری ردِعمل یہ تھا کہ اس سے لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد بنانے کی شروعات ہو جائیں گی۔

جب بھارت کے وزیر دفاع نے اپنے ایک بیان میں یہاں تک دھمکی دے دی کہ اگر ہماری بارہ تجاویز منظور نہیں تو پاکستان جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ اس کے بعد حکومت پاکستان کی جانب سے کہا گیا کہ ہمیں سری نگر تا مظفر آباد بس سروس کا اجرا اس صورت میں قبول ہے کہ لائن آف کنٹرول کو عبور کرتے وقت سفری دستاویزات کے معائنے کا کام اقوام متحدہ کے عملے کے سپرد کر دیا جائے' تاکہ لائن آف کنٹرول کی عارضی اور پوری کی پوری ریاست جموں و کشمیر کی متنازعہ حیثیت پر کوئی فرق نہ آئے۔ واجپائی حکومت نے پوری رعونت کے ساتھ اسے بھی مسترد کر دیا تاآنکہ 23 نومبر کو وزیراعظم میر ظفر اللہ جمالی نے قوم کے نام اپنی نشری تقریر میں اس انتہائی خطرناک بھارتی تجویز کو پر یہ کہا کہ آیئے ہم اس پر بات چیت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

پاکستان کے سیاسی تجزیہ نگاروں نے وزیراعظم کی اس ''فراخ دلانہ پیشکش'' سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ سب جنوری 2004ء میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والی ''سارک کانفرنس'' میں واجپائی کی شرکت کو یقینی بنانے کے لئے کیا جا رہا ہے' جس کی باقاعدہ سرکاری توثیق سے بھارت مسلسل گریز کر رہا تھا۔ اُدھر بھارتی حکومت کے ترجمان نے اشارہ کیا کہ جنگ بندی کا جو اعلان پاکستان نے کیا ہے اُسے سیاچین تک پھیلایا جائے۔ اس پر پاکستان کے وزیر خارجہ نے کہا' ہماری پیشکش میں سیاچین بھی شامل ہے۔ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے بیان دیا کہ یکطرفہ جنگ سے ہماری مراد محض لائن آف کنٹرول نہیں ہے' بلکہ وہ جسے ورکنگ باؤنڈری (WB) کہتے ہیں اور جس کا آپ نے نام (AGPL) Actual Ground Position رکھا ہوا ہے اور ہم اسے LOAC-(Line of Actual Control) قرار دیتے ہیں' اس میں سیاچین شامل ہے۔ یوں حکومت پاکستان اُس جنگ سے بھارت کے مطابق دستبردار ہوگئی جو 1984ء سے چلی آ رہی تھی اور پاکستان کی فوجی قیادت بڑے فخر کے ساتھ کہتی تھی کہ اس محاذ پر اپنے دشمن کو سخت مصائب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

بھارت نے اپنی پارلیمنٹ پر خودکش حملے کے بعد پاکستان سے جو فضائی رابطے منقطع کر دیئے تھے صدر پرویز مشرف نے 30 نومبر کو غیر مشروط طور پر بحال کر دیئے' اور کشمیر کے مسئلے پر بات چیت کے لئے اپنے چار مرحلاتی ایجنڈے کا اعلان کیا:

(1) پہلے مرحلے پر دونوں ملکوں کے مابین مذاکرات کا آغاز ہونا چاہئے۔

(2) دوسرے مرحلے پر تنازعے کی اہمیت اور مرکزی کردار کو تسلیم کرنا چاہئے۔

(3) تیسرے مرحلے پر مسئلہ کشمیر کے ہر اُس حل کو ترک کر دیا جائے جو پاکستان' بھارت اور کشمیری عوام کے لئے ناقابل قبول ہے۔

(4) آخری مرحلے پر وہ حل منظور کر لیا جائے جو پاکستان' بھارت اور کشمیری عوام تینوں کے قابل قبول ہو۔

سال ختم ہونے سے پہلے 21 دسمبر کو پاکستان اور بھارت جنوری سے اپنی بین الاقوامی سرحدوں کے گشت پر متفق ہو جاتے ہیں۔ 22 دسمبر کو صدر مشرف نے کشمیری لیڈروں اور آزاد کشمیر کے صدر اور وزیراعظم سردار سکندر حیات خان کی کانفرنس میں یقین دہانی کرائی کہ پاکستان کبھی کشمیر کے مسئلے کے ضمن میں اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ امریکا نے پاکستان کے اس فیصلے کو خوش آئند قرار دیا کہ وہ ایران کو ایٹمی ٹیکنالوجی خفیہ طور پر فراہم کرنے کے سلسلے میں اپنے سائنس دانوں سے تفتیش کر رہا ہے۔

2004ء

جنوری کے پہلے ہفتے میں "سارک کانفرنس" منعقد ہوئی جس میں بھارت کے وزیراعظم واجپائی بھی شریک ہوئے۔ کانفرنس کے اختتام پر "اعلانِ اسلام آباد" کے نام سے مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا' جس میں کشمیر کے حوالے سے دوطرح کی متضاد آراء سامنے آئیں۔ ایک حلقے کا خیال تھا کہ امریکی (عالمی) دباؤ اور اندرونی حالات نے دونوں ملکوں کی قیادت کو اس بات پر آمادہ کرلیا ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے تینوں فریقوں کو قربانی دینی پڑے گی۔ حتیٰ کہ واجپائی نے بھی کہا: "ہر فریق کو اپنے دیرینہ موقف میں لچک پیدا کر کے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے جم کر بات کرنا پڑے گی اور اس سیاسی عمل میں وقت لگے گا۔ کسی فوری حل کی توقعات کرنا درست نہیں ہوگا"۔

دوسرے حلقے کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ درحقیقت وقت حاصل کرنے اور کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کو سبوتاژ کرنے کے لئے کیا جارہا ہے۔ امریکا دراصل اپنے سٹریٹجک پارٹنر (بھارت) کو مشکل سے نکالنے کے لئے پاکستان کو کشمیریوں کی حمایت سے دستکش کرنا چاہتا ہے اور دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی اور ثقافتی روابط کو بحال کر کے مسئلہ کشمیر کے غبارے سے ہوا نکالنا چاہتا ہے' اور یوں بھارت کو مشکل سے نکالنے کے بعد اسرائیل سے قریب تر کر کے مسلم دنیا کا محاصرہ تنگ کرنا چاہتا ہے جس کے خلاف اُس نے جنگ (درپردہ صلیبی!) چھیڑ رکھی ہے جو اُس کے اپنے قول کے مطابق پچاس سال تک جاری رہ سکتی ہے۔

امریکا' بھارت' اسرائیل کے اتحادِ ثلاثہ کے منصوبے کے مطابق "پُرامن' تجارتی' سیاسی' معاشرتی اور ثقافتی روابط" میں سے عسکریات کا کانٹا نکالنے کے لئے واحد ایٹمی مسلم ملک پاکستان کو نہتا کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ 17 اور 18 جنوری کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے سٹاف افسر اور دیگر آٹھ ایٹمی سائنسدانوں کو "ڈی بریفنگ" کے لئے گرفتار کیا گیا۔ یکم فروری کو ڈاکٹر قدیر خان کو مشیر سائنس کے عہدے سے برطرف کردیا گیا اور حفاظتی تحویل میں لے لیا گیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق 4 فروری کی صبح ڈاکٹر قدیر صدر جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کی اور ایٹمی ٹیکنالوجی لیبیا اور ایران کو منتقل کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ نیشنل کمانڈ اتھارٹی نے کمال "حکمت عملی" سے یہ معاملہ کابینہ پر چھوڑ دیا۔ ٹی وی پر بیان دیتے ہوئے ڈاکٹر قدیر خان نے کہا کہ اچھی نیت سے بعض اقدامات کئے' اندازے کی غلطی ہوئی۔ میں قوم سے معافی مانگتا ہوں"۔ اگلے روز جنرل مشرف نے بڑی "فراخ دلی" کا مظاہرہ کرتے ہوئے پریس کانفرنس میں فرمایا: "کابینہ کی سفارش پر میں ڈاکٹر قدیر خان کو معاف کرتا ہوں۔ ڈاکٹر قدیر خان میرے بھی ہیرو ہیں' مگر ملک سب سے اہم ہے"۔

پاکستان کی ایٹمی ٹیکنالوجی کا کانٹا 5 فروری کو نکالنے کے دس روز بعد 16 فروری سے پاکستان اور بھارت کے مابین جامع (Composite) مذاکرات کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ کل جماعتی حریت کانفرنس کے سابق چیئرمین عبدالغنی بھٹ نے ان مذاکرات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "امریکا' اسرائیل اور بھارت کا ہدف چین اور پاکستان ہیں۔ خطے میں بڑی تبدیلی رونما ہونے والی ہے۔ پاکستانی دوستوں سے ہم کشمیریوں کے شکوے گہرے ہوتے جا رہے ہیں"۔ سہ روزہ مذاکرات کے بعد ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مئی تا اگست میں سیکرٹریوں کی سطح پر مزید مذاکرات ہوں گے جن میں سیاچین' وولر بیراج' تل بل' نیوگیشن منصوبہ' سرکریک' دہشت گردی' منشیات کی سمگلنگ کا انسداد' معاشی اور تجارتی تعاون اور وفود کے تبادلوں کے علاوہ ایٹمی معاملات پر ماہرین کی سطح پر مذاکرات اور دیگر تکنیکی امور شامل ہیں۔ کشمیر کے تنازعے اور امن روڈ میپ پر مذاکرات اگست میں ہونا قرار پائے۔

مئی 2004ء میں بھارت میں انتخابات ہوئے جن میں کامیاب ہو کر نیشنل کانگریس برسراقتدار آئی۔ نئے وزیراعظم من موہن سنگھ نے اپنی پہلی پریس کانفرنس میں کہا: "ہم پاکستان سے مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر اور دیگر تنازعات حل کرنا چاہتے ہیں' لیکن کشمیر میں استصواب اور سرحدوں میں تبدیلی قابل قبول نہیں"۔ اس کے چند روز بعد بھارت کے نئے وزیرخارجہ نٹور سنگھ نے اپنا عہدہ سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی پریس کانفرنس میں پاکستان اور چین کے ساتھ مشترکہ ایٹمی ڈاکٹرائن کی تجویز پیش کی اور کہا کہ ایٹمی معاملے میں تینوں ممالک کے مشترکہ اصول اپنانے سے اس خطے سمیت دنیا بھر میں امن واستحکام کے قیام میں مدد ملے گی"۔ پاکستان کے وزیرخارجہ نے اسے ایک "نئی اختراع" قرار دیا۔

3 اگست 2004ء کو پاکستان کے وزیرخارجہ خورشید محمود قصوری نے کشمیری قیادت کو بتایا کہ پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے حتمی حل کے لئے بھارت سے ایک سال کا ٹائم فریم مانگ لیا ہے اور کہا ہے کہ آئندہ ماہ ستمبر کی چار تاریخ کو نئی دہلی میں ہونے والی خارجہ سیکرٹریوں کے مذاکرات کے وقت بھارت اس بارے میں جواب دے۔

11 اور 12 اگست کو اسلام آباد میں منعقد ہونے والے پاکستان اور بھارت کے درمیان تجارتی امور پر دو روزہ مذاکرات ختم ہوئے۔ کوئی اہم پیش رفت نہ ہوسکی۔ بات چیت جاری رکھنے پر اتفاق' اس سے پہلے دہشت گردی اور سمگلنگ پر جو مذاکرات ہوئے تھے' وہ بھی زیادہ کامیاب نہ ہوسکے۔ سیاچین اور سرکریک کے مذاکرات بھی معلق رہے۔ یہ معاملہ فوجی کمانڈروں کی باہمی بات چیت پر چھوڑ دیا گیا۔

دریں اثنا 11 اگست کو آزاد کشمیر کے سابق سردار عبدالقیوم خان نے ایک اخباری انٹرویو میں کہا کہ اگر پاکستان کو مکمل ضمانت دی جائے تو اس کی معاشی حیثیت اور سلامتی محفوظ رہے گی' تو پھر "لائن آف کنٹرول" کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر کا کوئی پائیدار حل تلاش کرنا ممکن نہیں' ہمیں کسی عبوری حل پر اکتفا کرنا پڑے گا"۔ پاکستان اور کشمیری رہنماؤں نے سردار صاحب کے اس مؤقف پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ لائن آف کنٹرول (ایل او سی) کو مستقل سرحد بنانا تقسیم کشمیر اور مسئلہ کشمیر کو ختم کردینے کے مترادف ہوگا۔ اُن کی یہ تجویز بھی قابل قبول نہیں کہ کشمیر میں امریکی فوج بلائی جائے۔ یہ انتہائی خطرناک تجویز ہے۔ اگر امریکی فوج خدانخواستہ ایک بار آ گئی تو اسے واپس کون بھیجے گا۔

آج 14 اگست 2004ء کو پاکستانی پارلیمنٹ کی کشمیر کمیٹی' نے حامد ناصر چٹھہ کی سربراہی میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے بھارت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ جموں و کشمیر میں اپنی فوج کم کرے' انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور کنٹرول لائن پر باڑ کی تعمیر بند کرے' تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرے۔ کشمیر کمیٹی نے عالمی برادری پر زور دیا کہ وہ مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کرائے اور کشمیریوں کے حق خودارادیت کی حمایت کرے۔

آئندہ چند روز بعد 4 ستمبر کو دونوں ملکوں کے خارجہ سیکرٹریوں کے مذاکرات میں مسئلہ کشمیر اور اس کے ممکنہ حل پر غور وخوض ہوگا۔ پاکستان اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیریوں کی رائے شماری پر زور دے گا۔ بھارت کہے گا "کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے" قرائن بتاتے ہیں کہ کوئی بھی نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ لیکن کیا عجب امریکی دباؤ رنگ لے آئے۔ ایک بات طے ہے کہ اہل پاکستان وکشمیر کو خوش خبری نہیں ملے گی۔

[آئندہ مسئلہ کشمیر اور اس کے حل کے بارے میں جو بھی پیش رفت ہوگی' حسب سابق "ندائے خلافت" کے مضامین' تجزیوں اور اداریوں کے ذریعے قارئین کی خدمت میں پیش ہوتی رہے گی۔ (مؤلف)]

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں' وہ پاسباں ہمارا

(26) مسئلہ کشمیر: ادیبوں اور شاعروں کی نظر میں

مُلا زادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض

علامہ اقبال نے بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں آزادیٔ کشمیر کی اوّلین تحریک کی عملی سرپرستی اور نظریاتی قیادت کا حق ادا کرتے ہوئے اسے تحریک پاکستان کا اٹوٹ انگ بنا دیا تھا اور اس لئے بھی کہ اس تحریک کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہونے پر اقبال نے اپنی شاعری سے اسلامیانِ کشمیر کو انقلاب کا پیغام دیا تھا۔ میر واعظ نے کشمیری عوام سے خودی کا جو راز چھپا رکھا تھا' اس راز کو عام کرنے کی خاطر اقبال نے مُلا زادہ ضیغم لولابی کا فرضی شاعرانہ کردار تراشا۔ ''ملا زادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض'' اقبال کے آخری ایامِ حیات کی ایک طویل نظم ہے جو 19 قطعات پر مشتمل ہے۔ ''ارمغانِ حجاز'' (اردو) میں شامل اس آخری نظم کے چند منتخب حصے حالات حاضرہ کی مناسبت سے درج ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۱)

پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مُرغانِ سحر تیری فضاؤں میں ہیں بے تاب
اے وادیٔ لولاب
گر صاحبِ ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دیں بندۂ مومن کے لئے موت ہے یا خواب
اے وادیٔ لولاب
ہیں ساز پہ موقوف نواہاے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بے کار ہے مضراب
اے وادیٔ لولاب
مُلا کی نظر نورِ فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے میخانۂ صوفی کے مئے نایاب
اے وادیٔ لولاب
بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے ناب
اے وادیٔ لولاب

(۲)

موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام
مکروفنِ خواجگی کاش سمجھتا غلام
شرعِ ملوکانہ میں جدتِ احکام دیکھ
صور کا غوغا حلال' حشر کی لذّت حرام
اے کہ غلامی سے ہے روح تری مضمحل!
سینۂ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام

(۳)

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر!
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر!
سینۂ افلاک سے اُٹھتی ہے آہِ سوز ناک
مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان و امیر
کہہ رہا ہے داستاں بیدردیٔ ایّام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقانِ پیر
آہ یہ قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ!
ہے کہاں روزِ مکافات اے خدائے دیر گیر؟

(۴)

گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
تھرتھراتا ہے جہانِ چار سو و رنگ بو و بو
پاک ہوتا ہے ظن و تخمین سے انساں کا ضمیر
کرتا ہے ہر راہ کو روشن چراغ آرزو
وہ پُرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں
عشق سیتا ہے انہیں بے سوزن و بے تارِ رفو
ضربتِ پیہم سے جو ہوتا ہے آخر پاش پاش
حاکمیت کا بتِ سنگیں دل و آئینہ رو

(۵)

دّراج کی پرواز میں ہے شوکتِ شاہیں
حیرت میں ہے صیاد یہ شاہیں ہے کہ دّراج
ہر قوم کے افکار میں پیدا ہے تلاطم
مشرق میں ہے فردائے قیامت کی نمود آج
فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشر پہ مجبور
وہ مُردہ کہ تھا بانگِ سرافیل کا محتاج!

(۶)

رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
ہر چند کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
خودگیری و خود داری و گلبانگِ انا الحق!
آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
محکوم ہو سالک تو یہی اس کا 'ہمہ اوست'
خود مردہ و خود مرقد و خود مرگ مفاجات

(۷)

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری!
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری!
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالمِ پیری
شیاطین ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں پیدا ذوقِ نخچیری
چہ بے پروا گزشتند از نوائے صبحگاہِ من
کہ برد آں شور و مستی از سیہ چشمانِ کشمیری؟

(۸)

سمجھا لہو کی بوند اگر تو اسے تو خیر
دل آدمی کا ہے فقط اک جذبۂ بلند
گردش مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اسے
دل آپ اپنے شام و سحر کا ہے نقشبند!
جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو خاکِ ارجمند

(۹)

تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ!
کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ میخانہ!
یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر واعظ نے!
کہ خود حرم ہے چراغ حرم کا پروانہ
طلسم بے خبری' کافری و دینداری
حدیثِ شیخ و برہمن فسون و افسانہ
نصیب خطہ ہو یارب وہ بندۂ درویش
کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلیمانہ!
چھپے رہیں گے زمانہ کی آنکھ سے کب تک
گہر ہیں آبِ ولر کے تمام یک و دانہ

(۱۰)

دگرگوں جہاں ان کے زورِ عمل سے
بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے
منجم کی تقویم فردا ہے باطل
گرے آسماں سے پرانے ستارے
ضمیر جہاں اس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے

زمیں کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے
ہمالہ کے چشمے ابلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

(۱)

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمالِ صدق و مروّت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال
یہ اُمتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں!
خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے، باقی تمام تفسیریں
شکوہِ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہلِ جنوں کی تدبیریں

(۲)

ضمیرِ مغرب ہے تاجرانہ، ضمیرِ مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
کنارِ دریا خضر نے مجھ سے کہا باندازِ محرمانہ
سکندری ہو، قلندری ہو، یہ سب طریقے ہیں ساحرانہ
حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خانقاہی
انہیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق ہو سنگِ آستانہ
غلام قوموں کے علم و عرفان کی ہے یہی رمزِ آشکارا
زمیں اگر تنگ ہے تو کیا ہے، فضائے گردوں ہے بے کرانہ
خبر نہیں کیا نام اس کا ہے، خدا فریبی کہ خود فریبی؟
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنانے کے تقدیر کا بہانہ
مری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہہ کے صیاد کو رُلایا
کہ ایسے پُرسوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پر آشیانہ

(۳)

حاجت نہیں ہے اے خطۂ گل شرح و بیاں کی
تصویر ہمارے دلِ پرخوں کی ہے لالہ!
تقدیر ہے اِک نام مکافاتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ پیغام خدایانِ ہمالہ!
سرما کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دو شالہ
امید نہ رکھ دولتِ دنیا سے وفا کی
رم اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزالہ

(۴)

خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
حرام آئی ہے اس کو مردِ مجاہد پر زرہ پوشی

شاھی اولاد

ڈوگرے ریاست میں شاہی اولاد کا درجہ رکھتے تھے۔ ان کے پاس وسیع جنگلات ہوں یا ایک دو ایکڑ اراضی، وہ اپنے نام کے ساتھ راجہ یا ٹھاکر یا دیوان کا دم چھلا ضرور لگاتے تھے اور چھاتی نکال کر ایسے دم خم سے چلتے پھرتے تھے جیسے وہ ابھی ابھی راج محل کے پنگوڑے سے انگوٹھا چوستے ہوئے برآمد ہوئے ہوں۔ ان کی اراضیاں مسلمان مزارع کاشت کرتے تھے اُن کے مویشی مسلمان بچے جنگلاتی چراگاہوں میں چراتے تھے اور وہ خود آلتی پالتی مارے چلم پیا کرتے تھے“۔ ”جس پابندی سے نندہ صاحب مایا دھرم کا پالن کرتے تھے اسی طرح وہ ہندو جاتی کی سیاسی برتری قائم رکھنے کے لئے بھی خفیہ طور پر مستقل جدوجہد کرتے رہتے تھے۔ شہر کی بہت سی ہندو تنظیمیں ان کی مالی اعانت کی مرہونِ منت تھیں۔ خاص طور پر ہندو مہا سبھا اور جن سنگھ کے تربیتی اکھاڑوں پر ان کی بڑی نظر عنایت تھی۔ ان اکھاڑوں میں وہ ان پر ہمیشہ غالب آئیں“۔ (قدرت اللہ شہاب، افسانہ ”نندہ بس سروس“ کا اقتباس)

کمزور کو آسودگیٔ دل نہیں ملتی

اے جنت کشمیر کے بیدار جوانو
اے ہمت مردانہ کے ذی روح نشانو!
سو بات کی یہ بات ہے، اس بات کو مانو
جینے کا جو ارمان ہے تو موت کی ٹھانو
بے غرق ہوئے کوئی ابھرتا ہی نہیں ہے
جو قوم پہ مرتا ہے وہ مرتا ہی نہیں ہے
بے ذوق وفا کوئی تہمتن نہیں بنتا
بے سلسلۂ برق نشیمن نہیں بنتا
سونا نہیں تپتا ہے تو کندن نہیں بنتا
جو گھن نہیں کھاتا ہے وہ آہن نہیں بنتا
جنگل میں جو لذتِ کش پیکاں نہیں ہوتا
وہ شیر کبھی شیر نیستاں نہیں ہوتا
کمزور کو آسودگیٔ دل نہیں ملتی
جب تک نہ جلے، شمع کو محفل نہیں ملتی
کانٹوں سے جسے لذت کامل نہیں ملتی
اس رہرو نااہل کو منزل نہیں ملتی
گرداب میں جس شخص کو جینا نہیں آتا
اس شخص کا ساحل پہ سفینہ نہیں آتا
سینوں کو چلو عرصۂ ہمت میں ابھاریں
ہاں آؤ طمانچۂ رخ، سیلاب پہ ماریں
شیروں کی طرح آؤ کچھاروں میں ڈکاریں
پلٹی ہیں سدا، خون کے دھاروں میں بہاریں
عزت کے خرابات میں پینے نہیں دیتی
دنیا کبھی نامرد کو جینے نہیں دیتی

(جوش ملیح آبادی)

کشمیر

ہر گل کی جبیں پُر شکن ہے — کشمیر لٹا ہوا چمن ہے
پھولوں نے چھپا رکھا ہے ورنہ — زخموں سے اٹا ہوا بدن ہے
ہونٹوں پہ تھمے ہوئے ہیں شعلے — آنکھوں میں جمی ہوئی جلن ہے
ہر فرد ہے درد و غم کی تاریخ — ہر چہرہ حکایتِ محن ہے
پھیلا ہوا ہاتھ برہمن کا — اِس چاند کا مستقل گہن ہے
جلتے ہوئے گھر، چھنے ہوئے کھیت — ہر شخص وطن میں بے وطن ہے

(۲)

سنتے ہیں سمندروں کے اس پار — اقوام کی ایک انجمن ہے
آج اس کے اُصول کے مطابق — ظالم ہے وہی جو خستہ تن ہے
آج اس کی روایتوں کی رُو سے — رہبر ہے وہی جو راہزن ہے
آج اس کی بلند مسندوں پر — ہر چور کے ہاتھ میں کفن ہے
حق بات تو خیر جُرم تھا ہی — حق مانگنا بھی دِوانہ پن ہے
سچ کہتی ہیں سب غریب قومیں — یہ بزم بھی بزمِ اہرمن ہے

(۳)

تاریخ اُلٹ رہی ہے اوراق — کشمیر کی برف شعلہ زن ہے
تسلیم کہ ظالموں کے نزدیک — کشمیر دریدہ پیرہن ہے
کشمیر کی مفلسی میں لیکن — اب کیسا بلا کا بانکپن ہے
زخموں سے اٹے ہوئے بدن پر — یزداں کا جمال ضوفگن ہے
ہیں برق آساں، سِلے ہوئے لب — کاٹا ہوا ہاتھ تیغ زن ہے
ہر سمت پہاڑ کٹ رہے ہیں — ہر فرد شبیہ کوہ کن ہے
ہردل میں گڑا ہوا ہے تیشہ — لیکن یہی عشق کا چلن ہے

جو موت ہو زندگی کی خاطر
وہ زندگی کا کمال فن ہے!

(احمد ندیم قاسمی)

"بھارت ایک زمانے سے کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہتا چلا آیا ہے لیکن یہ کیسا اٹوٹ انگ ہے جو مان کر ہی نہیں دیتا کہ وہ بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور اس "اٹوٹ انگ" کو اٹوٹ انگ رکھنے کے لئے اس کو چھ لاکھ فوج کی ضرورت پڑ چکی ہے فوجی کارروائی سے بھی اس ٹوٹے ہوئے "اٹوٹ انگ" کی سرجری اور کامیاب سرجری نہیں ہو رہی۔ لکیر پیٹنے سے سانپ تو نہیں مرے گا البتہ لاٹھی ضرور ٹوٹ جائے گی اور لاٹھی والے بھی۔ اس وقت مجاہدین کشمیر کا رجز جہاد ہو یا لواحقین شہداء کی خواتین کی سینہ کوبی ہو عالمی اداروں کی مسئلہ کشمیر پر بے رحی ہو یا عالمی شاطروں کی مسئلہ کشمیر کے لئے امن کی تجاویز ہوں۔ بطرس غالی کے ارشادات ہوں یا سید علی گیلانی جیسے کشمیری قائدین کی قید و بند کی صعوبتیں ہوں' اجتماعی آبرو ریزی کی کشتہ ستم خواتین کی فریادیں ہوں یا حضرت بل کی درگاہ کے فوجی محاصرے ہوں' کشمیر کی بابری مساجد ہوں یا وہاں کے بال ٹھاکرے ہوں' کشمیریوں کے جلے ہوئے مکانات ہوں یا ان کے اجڑے ہوئے کاروبار ہوں' مقبوضہ کشمیر کے جیل ہوں یا ٹارچر سیلوں کی اذیت گاہیں ہوں۔ وادی کے ہسپتال ہوں یا احتجاجی ہڑتالیں ہوں' کاشمیریوں پر ادبار کی گھٹائیں ہوں یا ان کے ایمان افروز دبنگ حوصلے ہوں۔ حق خود ارادیت کی دو ٹوک اور اٹل باتیں ہوں یا تھرڈ آپشن کے جھمیلے ہوں ان سب سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کی لوح تقدیر پر کہیں نہ کہیں یہ نکتہ کندہ ہو چکا ہے۔" (اعجاز احمد فاروقی کے افسانے نوشتۂ دیوار سے اقتباس)

اسیر کس نے کیا ہے گلوں کی خوشبو کو؟
صبا کے پاؤں میں زنجیر کس نے دیکھی؟
لکھی ہے خاک میں ذروں پہ وقت کی تحریر
مگر یہ وقت کی تحریر کس نے دیکھی ہے؟
ہیں غاصبانِ فلسطین و قبرص و کشمیر
یہود ہوں کہ نصاریٰ کہ تنگ دل ہندو
پڑھی ہے اپنے کفن پر بہادروں نے نماز
کیا ہے اپنے لہو سے مجاہدوں نے وضو

شبنم رومانی

بھڑکی ہوئی ہے آگ

ٹیلوں کے آس پاس وہ غاروں کے درمیاں
بھڑکی ہوئی ہے آگ چناروں کے درمیاں
راہِ ظفر گزرتی ہے لاشوں کے بیچ بیچ
جیسے یہ کہکشاں ہو ستاروں کے درمیاں
ہر تیر زخم دل میں گرفتار ہو گیا
صیاد آ گھرا ہے شکاروں کے درمیاں
دل ہے عجیب چیز' نزاکت کے باوجود
رقصاں ہے خنجروں کی قطاروں کے درمیاں
شاداب جوئے خون شہادت سے آرزو
ہے چشمۂ حیات مزاروں کے درمیاں
سرمایۂ تبسم شیریں ہے زہر درد
رنگین پھول کھلتے ہیں خاروں کے درمیاں
اس سے بڑی نہیں ہے کوئی عشرت جہاد
مقصد کی راہ میں موت ہو یاروں کے درمیاں
منزل پکارتی رہی اٹھارہ سال سے
ہم کھو گئے تھے راہگذاروں کے درمیان
ایماں ہی رہنما ہے مرے کارواں کا
چاروں طرف سے اٹھتے غباروں کے درمیاں
کیا جانئیں کیا ہے لطف تمدن بہ کارزار
آرام سے جو بیٹھے ہیں پیاروں کے درمیاں
محصور کاشمیر کے ہیں زاعفران زار
شعلوں کے درمیان' شراروں کے درمیاں
تم ڈھونڈتے ہو گنبد و محراب میں جسے
شاید ملے وہ خون کے دھاروں کے درمیاں

(نعیم صدیقی)

قومی ترانہ

(کشمیریوں کا یہ ترانہ سید امجد علی اشہری نے آج سے 118 برس پہلے 1886ء میں لکھا تھا۔ امجد علی اٹاوہ' سی پی' سنٹرل صوبہ انڈیا کے رہنے والے تھے۔ کہاں اٹاوہ' اور کہاں کشمیر۔ لیکن جذباتِ حریت کے اشتراک نے تب بھی ایک کر دیا تھا' آج بھی ایک کر دیا ہے۔)

ہر ملک تھا جہاں میں افسانہ خواں ہمارا
ہوتا نہ تھا بتاؤ چرچا کہاں ہمارا

لہراتے تھے جہاں میں فوجوں کے اپنے پرچم
چلتا تھا سب کے آگے طبل و نشاں ہمارا

پشمینہ' سوت' ریشم مشہور تھا' یہاں کا
اب اِن کے بدلے باقی ہے تارِ جہاں ہمارا

کمخواب کے عوض میں سونا تھا ہم کو ملتا
ستا سمجھ کے لیتے سودا' گراں ہمارا

کشمیر کے دو شالے دنیا میں فرد نکلے
تھا صنعتوں کا شاید پہلا جہاں ہمارا

پتھر کی صنعتوں میں یہ ملک تھا نمونہ
ملتا کہیں کہیں ہے' پچھلا نشاں ہمارا

ہے زعفراں ہماری پھولوں سے بڑھ کے اب بھی
فصلِ بہار دیکھے' رنگِ خزاں ہمارا

سونے کی کانیں اِس میں قسمت جگا رہی ہیں
لیکن سُلا رہا ہے خوابِ گراں ہمارا

گر صنعتیں یہاں کی' پھر زندہ ہوں تو دیکھو
جی جائے پھر جہاں میں' یہ نیم جاں ہمارا

جب تک جہاز اپنے ہر سُو رواں نہ ہوں گے
ہر گز نہ ہوگا اونچا ملکی نشاں ہمارا

اُٹھے اِسی زمیں سے' جینا اسی زمیں پر
جنت نشان کے ہم ہیں' جنت نشاں ہمارا

مُرے سے ہوئے تو کیا ہے' تم پھر جلا لو ہم کو
مرنے سے بھی ہے آساں' جینا یہاں ہمارا

اے اشہری' جہاں میں ہم خاک ہو چکے ہیں
اکسیر اب بنائے کشتہ جہاں ہمارا

آج کل میں اس جنت سے بہت دور رہتا ہوں لیکن پھر بھی اس کی یاد کبھی سدا بہار پھول کی طرح دل میں ہر وقت مہکتی رہتی ہے اور میں جب صبح و شام پھولے پھولے سفید بادبانوں والی کشتیوں کے پرے سمندر میں سورج کی کرنوں کو اپنا زریں جال پھینکتے ہوئے دیکھتا ہوں تو مجھے وہ صبح یاد آ جاتی ہے جب میں نے پہلی بار جھیل ولر کو دیکھا تھا اور ہلکی ہلکی دھند ایک ریشمی آنچل کی طرح بار بار گالوں سے چھو جاتی تھی اور جھیل کی نیلی سطح ساکن تھی اور دور دور نیلگوں پہاڑ ایک دائرے کی صورت میں پھیلے ہوئے تھے اور چپو میرے ہاتھ میں رک گیا تھا اور میری کشتی کے قریب نیلوفر کے پھول مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ (کرشن چندر کے مضمون سے اقتباس)

اے وادیٔ کشمیر
کچھ دیر کا یہ ظلم ہے' کچھ دیر کی آہیں
نزدیک ہی وہ دن ہے کہ دیکھیں گی نگاہیں
صیاد کو زنجیر
اے وادیٔ کشمیر

اے وادیٔ کشمیر
آزاد ہی ہونا ہے تجھے' بات یہ طے ہے
بے کار نہ جائے گا' لہو قیمتی شے ہے
تقدیر نہ تدبیر
اے وادیٔ کشمیر

احمد صغیر صدیقی

لہرا کے رہو پرچم

یہ شعلہ نہ دب جائے یہ آگ نہ سو جائے
پھر سامنے منزل ہے' ایسا نہ ہو کھو جائے
ہے وقت یہی بارد ہونا ہے جو ہو جائے
کشمیر کی وادی میں لہرا کے رہو پرچم
ہر جابر و ظالم کا کرتے ہی چلو سر خم

اس وادی پُر خوں سے اٹھے گا دھواں کب تک
محکومیٔ گلشن پہ روئے گا سماں کب تک
محروم نوا ہوگی غنچوں کی زباں کب تک
ہر پھول ہے فریادی آنکھوں میں لئے شبنم
کشمیر کی وادی میں لہرا کے رہو پرچم
ہر جابر و ظالم کا کرتے ہی چلو سر خم

ویت نام و فلسطیں ہو انگولہ کہ ہو کانگو
انساں کی آنکھوں سے گرتے ہوں جہاں آنسو
اے شام ستم ہو جا توڑیں گے ترا جادو
دیکھا نہیں جاتا اب مظلوم کا یہ عالم
کشمیر کی وادی میں لہرا کے رہو پرچم
ہر جابر و ظالم کا کرتے ہی چلو سر خم

اٹھی ہوئی نگاہوں میں تم سوز یقین لے کر
امریکہ کی بندوقیں ہو جائیں گی خاکستر
پروردۂ واشنگٹن جائیں گے کہاں بچ کر
ان جنگ پرستوں سے ہے سارا جہاں برہم
کشمیر کی وادی میں لہرا کے رہو پرچم
ہر جابر و ظالم کا کرتے ہی چلو سر خم

(حبیب جالب)

کشمیری مسلمان

''میلے میلے' بھورے بھورے' پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس خمیدہ کمر لوگ دو دو تین تین من وزن پیٹھ پر اٹھائے رینگ رینگ کر چڑھائی چڑھ رہے تھے جیسے چیونٹیوں کی بے ترتیب قطاریں چل رہی ہوں۔ انہوں نے خشک گھاس کے بنے ہوئے چپل پہنے ہوئے تھے اور ان کے تمتماتے ہوئے چہرے پسینے میں شرابور تھے۔ یہ کشمیری مسلمانوں کی قوم کے نمائندے تھے جنہیں عرف عام میں 'ہاتو' کہا جاتا تھا۔ موسم سرما کے شروع ہوتے ہی وہ اپنا فردوس بر روئے زمین چھوڑ کر پاپیادہ قافلہ در قافلہ پنجاب کے میدانوں میں اتر جاتے تھے...... دن بھر غلے' لوہے اور کپڑے کی بار برداری کرتے تھے۔ بسوں اور تانگوں پر سامان ڈھوتے تھے۔ لکڑی کے ٹالوں پر لکڑیاں پھاڑتے تھے اور شام کو مرغی کے بچوں کی طرح چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بیٹھ کر کچھ چاول ابل لیتے تھے۔ خشکہ رات کو کھا کر کھلے آسمان تلے سو رہتے تھے اور صبح اٹھ کر رات کی بچی ہوئی پچھ میں نمک ملا کر دن کا کھانا بنا لیتے تھے۔ اس طرح خون پسینہ ایک کر کے گرمیوں میں جب وہ کچھ نقدی بچا کر اور دو ڈھائی من سامان پیٹھ پر لاد کر اپنی جنت گم گشتہ کی طرف واپس لوٹتے تھے تو کہیں کسٹم والے ان کا مال لوٹتے تھے' کہیں کوئی ڈوگرہ سردار بر سر عام ڈرا دھمکا کر ان کی پونجی ہتھیا لیتا تھا' کہیں پولیس اور محکمہ مال کے اہلکار انہیں سر راہے پکڑ کر کئی کئی دن' کئی کئی ہفتے مفت میں بیگار میں لگائے رکھتے تھے' یوں بھی کشمیری مسلمان کا بال بال ڈوگرا حکومت کے لاتعداد ٹیکسوں میں جکڑا رہتا تھا...... اس غریب کی جان بھی بے حد ارزاں تھی۔ ایک زمانے میں کشمیری مسلمانوں کی زندگی کی قانونی قیمت دو روپے تھی۔ اگر کوئی سکھ یا ڈوگرہ کسی مسلمان کو جان سے مار ڈالتا تھا تو عدالت قاتل پر سولہ سے بیس روپے تک جرمانہ عائد کر سکتی تھی۔ دو روپے مقتول کے لواحقین کو عطا ہوتے تھے اور باقی رقم خزانہ عامرہ میں جمع ہوتی تھی۔ جس وقت انگریزوں نے اس جنت اراضی کو ڈوگروں کے ہاتھ فروخت کیا تو یہ نرخ ذرا بالا ہو گیا۔ کشمیر کا سودا 75 روپے پر طے ہوا تھا اس وقت کی آبادی کے حساب کے باشندوں کی قیمت سات روپے فی کس کے قریب پڑی تھی۔ ڈوگرہ راج میں کسی وقت بھی مسلمانوں کی زندگی ایک گائے کا درجہ بھی نہ پا سکی۔ (قدرت اللہ شہاب' افسانہ ''نندہ بس سروس'' کا اقتباس)

مرے وطن' تری جنت میں آئیں گے اِک دن

(کشمیر کی وادیوں سے جب کشمیریوں کی یہ اجتماعی امنگ قومی ترانے کی صورت اختیار کر کے گونجتی ہے تو ہر پاکستانی کی رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔ یہ ترانہ جو حافظ مظہر الدین مرحوم کی ایک نظم سے ماخوذ و ملخص ہے' آزاد کشمیر ریڈیو سے 1947ء سے انتہائی خوبصورت پہاڑی دُھن میں پاکستان کے چپے چپے میں گونجتا رہتا ہے۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری کے تخلیق کردہ ''قومی ترانے'' کے بعد کشمیریوں کا یہ ترانہ پاکستانیوں کا دوسرا قومی ترانہ بن چکا ہے)۔

مرے وطن تری جنت میں آئیں گے اک دن
ستم شعاروں سے تجھ کو چھڑائیں گے اِم دن
کریو منز جگرس جائے چھ مینومائے مشان چانی ☆
شگفتگی ' گل و نسترن نہیں بھولے
حسین پھولوں کی وہ انجمن نہیں بھولے
تیرے فضاؤں میں کلیاں گے اک دن
مرے وطن تری جنت میں آئیں گے اک دن
جہادِ حق کے لئے کر رہے ہیں تیاری
دکھائیں گے صفِ دشمن کو شانِ قہاری
تیرے مہبب چمن مسکرائیں گے اک دن
مرے وطن تری جنت میں آئیں گے اک دن

☆ کشمیری زبان کے اس مصرعے کا کیا مطلب ہے؟ ''ندائے خلافت'' کے قارئین سے استفسار ہے۔

گنجنگ انڈیا

رکھتا ہے سامراج کے آہنگ انڈیا
افریشیا کے واسطے ہے ننگ انڈیا
گنجنگ انڈیا
افریشیا کے باسیو! گنجنگ انڈیا
سیلون پر ہے آنکھ تو نیپال پر ہیں دانت
توسیع کی ہوس میں ہے دل تنگ انڈیا
گنجنگ انڈیا
افریشیا کے باسیو! گنجنگ انڈیا
شبخون مارتا ہے کبھی ارض پاک پر
کرتا ہے چینیوں سے کبھی جنگ انڈیا
گنجنگ انڈیا
افریشیا کے باسیو! گنجنگ انڈیا
کشمیر جس سے رائے شماری کا عہد ہے
کہتا ہے اس کو اپنا اٹوٹ انگ انڈیا
گنجنگ انڈیا
افریشیا! کے باسیو! گنجنگ انڈیا

(انجم رومانی)

''گنجنگ انڈیا'' انڈونیشی زبان کا نعرہ ہے جس کا مطلب ہے ''انڈیا کو کچل دو''

اے وادیٔ کشمیر......

دشمن کے شکنجوں سے چھڑائیں گے تجھے ہم
ظالم کے مظالم سے بچائیں گے تجھے ہم
کاشانۂ فردوس بنائیں گے تجھے ہم
تو کس لئے دل گیر ہے؟ تو کس لئے دل گیر
اے وادیٔ کشمیر

ہم تیرے تحفظ کے لئے جاں بکف ہیں
تو گوہر تاباں ہے تو ہم تیرے صدف ہیں
اس وقت ہم آئینہ تاریخ سلف ہیں
ماتھے پہ رقم عہد گزشتہ کی ہے تحریر
اے وادیٔ کشمیر

رہ رہ کے مچلتا ہے دلوں میں یہی جذبہ
جائز نہیں تجھ پر کسی بے دین کا قبضہ
گاڑیں گے بہرگام ہم اسلام کا جھنڈا
تو روز ازل سے ہے مسلمان کی جاگیر
اے وادیٔ کشمیر

(عزیز حاصل پوری)

(27) مسئلہ کشمیر: عالمی میڈیا کی نظر میں

ڈیلی سکیچ' لندن

پنڈت نہرو نے بین الاقوامی نیکوکاروں کو ایک زریں موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو راست باز سمجھتے ہوئے ایک بار پھر بجا طور پر طیش اور برہمی کا اظہار کریں۔ ان تمام نیکوکاروں نے جن میں خود پنڈت سب سے زیادہ چکنی چپڑی باتیں اور اپنی پارسائی کا دعویٰ کرنے کے عادی تھے۔ انہوں نے اس امید پر ہنگری کے قتل عام پر اپنی آنکھیں بند کرنے کی کوشش کی کہ وہ دنیا کی تمام خفگی اور برہمی صرف برطانیہ اور فرانس کی جانب موڑ دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اب بین الاقوامی اخلاق کا یہ دیوتا خود ہی گندم نما جو فروش بن گیا ہے۔ انہوں نے کشمیر کے معاملے میں اقوام متحدہ کی اعلانیہ خلاف ورزی کی ہے اور وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ یہ خلاف ورزی اسی طرح جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ نہ صرف گنہگار ہیں بلکہ وہ اپنے گناہ پر پشیماں ہونے سے بھی ہٹ دھرمی کے ساتھ انکار کر رہے ہیں۔ (28 جنوری 1957ء)

لا اورور' پیرس

کسی معاملے کا مغرب سے تعلق ہو تو نہرو بین الاقوامی اخلاق کے فقدان کی مذمت کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرتے۔ لیکن جب ان کے مفاد کا سوال آتا ہے تو وہ اقوام متحدہ کو دھتکار دیتے ہیں اور کشمیر پر فوجی قبضہ کر لیتے ہیں۔ یہ معاملہ نو سال پرانا ہو چکا ہے اور بھارتی حکومت نے پرسوں سرکاری طور پر کشمیر کے انضمام کا اعلان کر دیا۔ اس قضیہ کو طے کرنے کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی بے بسی اور کمزوری نے جذبات میں دوبارہ اشتعال پیدا کر دیا ہے۔ یہ کس کی غلطی ہے؟ صرف نہرو کی نہیں' اقوام متحدہ کی بھی' کیونکہ پاکستان کے پیش کردہ اصولوں سے پوری طرح اتفاق کرنے کے باوجود سیکورٹی کونسل نے استصواب رائے کی نگرانی کے لئے بین الاقوامی فوج کشمیر میں بھیجنے سے انکار کر دیا ہے۔ (28 جنوری 1957ء)

یا میڈرڈ

ہنگری کے المیے نیز صحرائے سینا اور خلیج عقبہ میں حالیہ الجھنوں کے بعد اقوام متحدہ کے وقار کو اس کی زندگی کا سب سے زبردست دھچکا لگا ہے۔ اس پر حملہ ایک ایسے شخص نے کیا ہے جس نے گذشتہ چند مہینوں میں بار بار اقوام متحدہ کے اقتدار کی دہائی دی ہے اور اپنی صلح جوئی اور اعتدال پسندی کی سب سے زیادہ نمائش کی ہے۔ یہ شخص نہرو ہے۔ ان کے تمام اصول دھواں بن کر اڑ گئے ہیں اور سیکورٹی کونسل کی قرارداد کو دیدہ دانستہ نظر انداز کر کے انہوں نے کشمیر کو بھارت میں ضم کر لیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے گذشتہ تیس سال میں یورپ کے بعض رسوائے زمانہ ملکوں نے دوسرے علاقوں پر فوجی قبضہ کر لیا اور اس کا نتیجہ دوسری جنگ عظیم کی شکل میں ظاہر ہوا۔ (28 جنوری 1957ء)

ہٹ پارول' ایمسٹرڈم

بھارت نے گذشتہ رات بارہ بجے کشمیر کو باضابطہ طور پر اپنی مملکت میں ضم کر لیا ہے۔ اس طرح اس نے سیکورٹی کونسل کے گیارہ میں سے دس (روس غیر جانبدار رہا تھا) ارکان کی یہ درخواست جو انہوں نے چند ہی روز قبل کی تھی نظر انداز کر دی ہے کہ کشمیر کے حالات میں کوئی رد و بدل نہ کیا جائے۔ روس نے حال ہی میں ہنگری کے متعلق اقوام متحدہ کی اپیل نظر انداز کی تھی۔ اب بھارت نے تمام اقوام کی اس تنظیم کی ایک بہت اہم اپیل صرف اس لئے نظر انداز کر دی ہے کہ یہ وزیر اعظم نہرو کی پالیسی سے میل نہیں کھاتی۔ نہرو نے اقوام متحدہ کے وقار کو زبردست دھچکا لگایا ہے۔

بھارتی وزیر اعظم نے اپنے ملک کے یوم استقلال پر ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے اور اس طرح کے کم سے کم سو ثبوت مل چکے ہیں کہ وہ ایک پست ذہنیت کے سیاست دان ہیں جو کسی شخص یا چیز کا احترام نہیں کرتے اور جب انہیں خود اپنا سیاسی مقصد حاصل کرنا ہوتا ہے تو وہ کسی اصول کی پروا نہیں کرتے۔ (26 جنوری 1957ء)

سدرن ڈیلی ایکو' ساؤتھیمپٹن

بہت سے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ مسٹر نہرو اگر اپنے امن کے "ایدیئلز" پر خود اپنے ملک میں عمل کریں تو مغرب کے لوگ ان کی باتیں سننے پر زیادہ آسانی سے آمادہ ہو جائیں گے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے لیکن بھارت کے وزیر اعظم متنازعہ ریاست کے عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق دینے سے انکار کر کے اپنے موقف کے برحق ہونے کا ثبوت نہیں دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کے اس مطالبہ کی' کہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں استصواب رائے منعقد کیا جائے' صرف اس لئے مخالفت کر رہے ہیں کہ وہ اس کے نتیجے سے خائف ہیں۔ (24 جنوری 1957ء)

ڈیلی ایکسپریس' لندن

بھارت کے خطاکار نہرو کا کیا علاج کیا جائے؟ اخلاقی ملامت انہیں کشمیر پر اپنی گرفت ڈھیلی کرنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتی ہے۔ سیکورٹی کونسل کی حکم عدولی کی سزا دینے کے لئے انہیں اس سے کہیں زیادہ سخت سرزنش کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ کی اگر یہ خواہش ہے کہ اس کے فیصلوں کا احترام کیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ نہرو کے ساتھ سختی برتے اور ان کے خلاف تعزیری کارروائیاں کرے۔ اسے دنیا کی قوموں سے کہنا چاہئے کہ وہ بھارت کے لئے مال کی برآمد بند کر دیں اور عالمی بینک اسے قرض دینا روک دے۔ ممکن ہے کہ نہرو نوآبادیت دشمن قوموں کے رہنما کی حیثیت سے اپنے کو اتنا طاقتور سمجھتے ہوں کہ وہ اقوام متحدہ کے فیصلوں کی تعمیل سے انکار کر دیں۔ اقوام متحدہ کو ثابت کر دینا چاہئے کہ وہ ان سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ تعزیری کارروائیوں ہی کے ذریعہ اس آزمائش میں اقوام متحدہ کی کامیابی ممکن ہے۔ بھارت کے خلاف کارروائیوں میں ناکامی اقوام متحدہ کے دہرے معیار کو بے نقاب کر دے گی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ ایک قوم کے لئے اعلیٰ اصول اختیار کئے جاتے ہیں اور دوسری کے لئے مصلحت پسندی سے کام لیا جاتا ہے۔ (30 جنوری 1957ء)

ڈاگنس نائی ہیٹر۔۔۔ سٹاک ہوم

بھارت کے وزیراعظم نہرو بڑے بڑے سیاسی تنازعات میں خود ساختہ اور غیر جانبدار مفاہمت کنندہ بن جاتے ہیں اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اقوام متحدہ اور اس کے منشور کے انتہائی جان نثار محافظ ہیں۔ انہوں نے مصر کے خلاف فرانس اور برطانیہ کے اقدام غیر مبہم الفاظ میں مذمت اور اقوام متحدہ کی کارروائی کی مکمل حمایت کی تھی۔ انہوں نے بار بار دوسرے ملکوں کو درس

جھیل ولر

کشمیر کی سب سے بڑی جھیل جو سری نگر کے شمال مشرق میں 21 میل کے فاصلے پر ہے۔ دریائے جہلم اس جھیل میں مشرقی جانب سے داخل ہوتا ہے اور مغربی جانب سے باہر نکلتا ہے۔ اس جھیل میں ایک خوبصورت جزیرہ لنگا بھی ہے جو سلطان زین العابدین نے بنوایا تھا۔ شاید اسی جزیرے میں پہنچ کر علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

ہمالہ کے چشمے ابلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

اخلاق دے کر اور ان کی ملامت کر کے ان پر زور دیا ہے کہ وہ بھارت کے نقش قدم پر چلیں اور مفاہمت و مصالحت کا راستہ اختیار کریں۔ انہوں نے ظالم و جابر کمیونسٹوں کے متعلق بھی اس رویہ کا مظاہرہ کیا اور جب ان سے کہا گیا کہ وہ ہنگری کو غلام بنانے پر روس کی مذمت کریں تو انہوں نے لیت و لعل اور قصور کی پردہ پوشی شروع کر دی۔ لیکن سیاست دان نہرو "مبلغ" نہرو کے احکام پر ہمیشہ عمل نہیں کرتے۔ کشمیر کے قضیہ میں انہوں نے صریحی طور پر استعماری پالیسی اختیار کی ہے۔ تمام سمجھوتوں کو کھلم کھلا توڑ دیا ہے اور اقوام متحدہ کے فیصلوں پر عمل کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ (30 جنوری 1957ء)

کرسچین سائنس مانیٹر —— بوسٹن

کشمیر کے معاملے میں پاکستان سے بھارت کی اعصابی جنگ نے نہرو کی ان مساعی کی اہمیت بہت کم کر دی ہے جو وہ بین الاقوامی سطح پر اعصابی ختم کرنے اور امن کو فروغ دینے کے سلسلے میں کرتے رہے ہیں۔ کشمیر میں استصواب رائے منعقد کرانے سے بھارت کے انکار نے بھی دوسرے علاقوں کی خود ارادیت کے متعلق نہرو کے مبنی بر اخلاق موقف کو کمزور کر دیا ہے۔ بھارت کو شاید یہ توقع تھی کہ وہ کشمیر کے انضمام کو قانونی طور پر قطعی قرار دے کر اس تضاد پر پردہ ڈال دے گا۔ مرور ایام اور تواتر کے ساتھ اچھے نظم و نسق کا نتیجہ شاید یہی ہو لیکن فی الحال بھارت کو صرف اس میں کامیابی ہوئی ہے کہ وہ دنیا کے اکثر ملکوں کی نظر میں قصوروار بن گیا ہے۔ بھارت مادی طور پر کشمیر کے نصف اور زیادہ زرخیز اور دولت مند حصے پر بالفعل اپنا قبضہ جاری رکھ سکتا ہے۔ یہ صورت حال اس وقت بدل سکتی ہے جب 1948ء کی طرح دوبارہ جنگ چھڑ جائے لیکن اخلاقی طور پر کشمیر بھارت کے طاقتور جسد سیاسی میں ایک انتہائی کمزور عضو کی حیثیت رکھتا ہے۔ (29 جنوری 1957ء)

مانچسٹر ایوننگ نیوز ــــ مانچسٹر

نہرو اپنے آپ کو دنیا میں انصاف کا بڑا علمبردار، جنگ کا دشمن اور اقوام متحدہ کا حامی ظاہر کرتے ہیں۔ بھارت اور پاکستان دونوں یہ طے کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کشمیر پر کس کا حق ہے۔ پاکستان اور کشمیر کے درمیان ناقابل تنسیخ مذہبی رشتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے دعوؤں نے اس مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیا ہے اس کو حل کرنے کا سب سے منصفانہ طریقہ استصواب رائے ہے اور سیکورٹی کونسل اس کے حق میں فیصلہ بھی کر چکی ہے مگر اپنی راست بازی کے دعوے دار نہرو نے اقوام متحدہ کے فیصلے کی خلاف ورزی کی ہے اور ایک ایسا آئین نافذ کر دیا ہے جس میں کشمیر کو بھارت کا جزو قرار دے دیا گیا ہے۔ مشرق وسطیٰ کی برطانوی پالیسی پر نہرو نے

تیرتا مشاعرہ

میاں بشیر احمد مدیر "ہمایوں" نے تمام شعراء کو چائے پر مدعو کیا اور ایک تیرتے ہوئے مشاعرے کی تجویز کی۔ چنانچہ پندرہ سولہ سجے سجائے شکارے آ گئے۔ چاندنی رات، خوشگوار موسم، جھیل ڈل میں شکاروں کا بیڑا رواں، انتہائی خوش ذوقی کا مظاہرہ تھا۔ ہانجیوں (ملاحوں) نے شکاروں کو کچھ اس طرح ترتیب دیا کہ حلقہ سا بن گیا اور رنگ و نور کا تیرتا ہوا تختہ نظر آنے لگا۔ جس شاعر کی باری آتی، وہ درمیان کے شکارے میں چلا جاتا۔ گویا یہ کسی کو محسوس ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ بزم مشاعرہ سطح آب پر تیر رہی ہے۔ یا فرش زمین پر ہے۔

برطانیہ پر سخت نکتہ چینی کی تھی، اب انہوں نے قانون شکنی کی اس سے کہیں زیادہ بدتر مثال پیش کی ہے۔ نہرو کو اپنی تعلیمات پر خود بھی عمل کرنا چاہئے۔

ایوننگ سنٹینل ہسنلے سٹوک آن ٹرنٹ

جواہر لعل نہرو نے جو امن کے پیغامبر اور ضابطہ قانون اور خود ارادیت وغیرہ وغیرہ کے حامی بنتے ہیں بالآخر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی ہدایات کو اعلانیہ طور پر نظر انداز کر کے کشمیر کو بھارت میں شامل کر لیا۔ کشمیر پر غاصبانہ قبضہ اور اس طرح کے دوسرے اقدامات اس طرز عمل کے عین برعکس ہیں جن کا وہ دوسرے سے مطالبہ کرتے ہیں، اس تضاد میں حقارت اور غصہ کے سوا کوئی اور جذبہ پیش نہیں ہو سکتا۔ امریکہ اور اس طرح کے بعض دوسرے ملک یہ سمجھنے لگے ہیں کہ نہرو شاید عالمی امن کو درہم برہم ہونے سے بچا لیں گے لیکن اب انہیں اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنا پڑے گی۔ روس کے ہاتھوں ہنگری کے استحصال بالجبر کے متعلق نہرو کے رویہ کے بعد عالمی عدل کے منصف اعلیٰ کی حیثیت سے ان کی پوزیشن بری طرح متزلزل ہو گئی ہے۔ کشمیر میں اپنے اقدام کے بعد شاید وہ اس تاج سے محروم ہو جائیں جو خود انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنے سر پر رکھ لیا۔ (28 جنوری 1957ء)

فرینک فرتھر ایلچمین۔ فرینکفرٹ

پاکستان اور بھارت کے کشیدہ تعلقات کے لئے ایک نئے صدمے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے، بھارت اقوام متحدہ کے فیصلے کی خلاف ورزی کر کے کشمیر کا الحاق مکمل کر رہا ہے، نہرو نے استصواب رائے منعقد کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کے اس اقدام کی بنیاد کشمیر کے مہاراجہ کی خواہش اور ریاستی دستور ساز اسمبلی کے فیصلے پر ہے حالانکہ اس میں شک ہے کہ اسمبلی کو ایسا کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ نہرو کا اقدام ان کے اس نصب العین سے ہم آہنگ نہیں ہے کہ وہ تمام قوموں کی خود ارادیت کے حامی اور وکیل بن جائیں۔ دوسروں سے اعلیٰ اصولوں اور نصب العین کا احترام کرنے کی اپیل کی بجائے نہرو کو خود ان پر عمل کرنا چاہئے۔ (28 جنوری 1957ء)

اے۔ بی۔ سی، میڈرڈ

ایسے بین الاقوامی تنازعات بہت کم ہیں جن میں حق و صداقت مسئلہ کشمیر کے قانونی پہلوؤں کی طرح واضح ہو۔ سری نگر اسمبلی کی رائے بھارت کے فیصلہ سے متاثر ہوئی ہے اور اس کا علم ہر شخص کو اچھی طرح ہے۔ کشمیر کی وادی میں بھارت کی سنگینیں تنی ہوئی ہیں اور یہ اسمبلی اگر اسے واقعی اسمبلی کہا جا سکتا ہے، عوامی خواہشات کی مظہر نہیں ہے۔ سیکورٹی کونسل نے ریاست کے انضمام کے متعلق بھارت کے فیصلے کی مخالفت کی ہے اور اس سے اپیل کی ہے کہ وہ ریاستی عوام کو اپنی خواہش کے اظہار کا موقع دے۔ لیکن اس معاملے میں نہرو نے اپنے عقائد اور اپنے گرو گاندھی کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ (28 جنوری 1957ء)

میوچل براڈ کاسٹنگ سسٹم، واشنگٹن

اچھی طرح یاد رکھئے کہ یہ وہی بات ہے کہ جس کے وزیر اعظم نہرو ہمیشہ استعماریت کی لعنتوں اور تمام اقوام کے حق خود ارادیت کی باتیں کرتے اور اس میں اس قدر شدت اور غلو سے کام لیتے ہیں کہ یہ باتیں مجنونانہ معلوم ہوتی ہیں مگر خود نہرو اور بھارت کے لئے کشمیر کا معاملہ بالکل مختلف ہے، بھارت کشمیر میں اپنی استعماریت کو بالکل جائز سمجھتا ہے اور نہرو کو اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ اس کو عملی شکل دینے کے لئے انہیں کیا طریق کار اختیار کرنا پڑا؟

(24 جنوری 1957ء)

برلنگسکے افیٹیوس —— کوپن ہیگن

پاکستان نے اقوام متحدہ کے صدر دفتر میں اس کی پوری کوشش کی ہے کہ وہ بھارت اور وزیر اعظم نہرو کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ بھارت نے کشمیر کی پہاڑی ریاست کو ضم کر لینے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن پاکستان کا مطالبہ ہے کہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے استصواب رائے کرایا جائے۔ کشمیر کے معاملے میں نہرو ان تمام اصولوں سے بہت زیادہ دور ہٹ گئے ہیں، جنہیں بھارتی نمائندے عام طور سے ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے پیش رفت کرتے ہیں جن سے بھارت کو خود اپنا مفاد متاثر نہ ہوتا ہو۔

(21 جنوری 1957ء)

(28) مسئلہ کشمیر کا حل: "ندائے خلافت" کے قارئین کی نظر میں

چند ماہ پہلے "ندائے خلافت" میں ایک اعلان کے ذریعے قارئین محترم سے گزارش کی گئی تھی کہ "مسئلہ کشمیر نمبر" تصنیف و تدوین کے مرحلے میں ہے اور تیار ہونے پر ان کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ دو پڑوسی ملکوں کے مابین جو اصولی تنازعہ نصف صدی سے بھی زائد عرصے سے چلا آ رہا ہے اس کے حل کے سلسلے میں وہ بھی ہمیں اپنی تجاویز سے نوازیں۔ چنانچہ بے شمار خطوط موصول ہوئے۔ ان سب کی اشاعت تو ادارے کے لئے ممکن نہیں۔ ان میں سے چند خطوط منتخب کر کے یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔ یہ چند خطوط گویا تمام خطوط (یا تمام قارئین) کے ترجمان ہیں۔ (مدیر)

- مسئلہ نمبر 1: سہ فریقی مذاکرات اور متفقہ فیصلہ
- مسئلہ نمبر 2: ایک نئے اسلامی ملک کا اضافہ
- مسئلہ نمبر 3: جہاد اور مسلح گوریلا جنگ!

سہ فریقی مذاکرات اور متفقہ فیصلہ

مسئلہ کشمیر ایک ضرب المثل بن چکا ہے' کسی بھی لاینحل مسئلہ کو مسئلہ کشمیر کہا جاتا ہے۔ 57 سال اس دیرینہ مسئلہ کا حل اب نہ صرف کشمیری مسلمانوں کے لئے' نہ صرف پاکستان و بھارت کے لئے' نہ صرف جنوبی ایشیاء کے لئے بلکہ عالمی سطح پر امن وسلامتی کے لئے اہم اور ضروری ہو چکا ہے۔

عالمی حالات وواقعات کے تناظر میں دیکھا جائے تو دنیا کا کوئی بھی خطہ دہشت گردی' بدامنی اور جنگ وقتال کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص برصغیر کے یہ پسماندہ اور غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے والے عوام کے خون پسینے پر چلنے والے ممالک تو اس ٹینشن اور طاقت کے توازن میں مقابلہ کی دوڑ سے اپنی تباہی کو دعوت دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اصل زیادتی ہمیشہ بھارت کی طرف سے ہوئی ہے' اس نے ایٹمی طاقت بننے کی کوشش کی تو مجبوراً اپنے دفاع اور سلامتی کے لئے پاکستان کو بھی ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا۔ مقروض اقوام اور غربت وافلاس سے پسماندہ ترین ممالک اپنی معاشی ترقی اور ملک وقوم کی خوشحالی پر توجہ دینے کی بجائے عوام کے خون کا آخری قطرہ نچوڑ کر بھی آلاتِ حرب کی دوڑ میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑ دینے کے لئے کوشاں ہیں۔ اس دلدل سے نکلنے کے لئے اپنی انا اور ضد سے پیچھے ہٹ کر افہام وتفہیم کی راہ اپنانا ہو گی۔ دونوں پڑوسی ممالک کے عوام ایک دوسرے کے ساتھ خونی رشتوں میں منسلک ہیں' کسی بھی ملک کا نقصان دونوں طرف کے عوام کو براہ راست اور یکساں متاثر کرتا ہے۔ دونوں پڑوسی ممالک کو یک جان دو قالب بن کر رہنا چاہئے۔

ستاون سال کے عرصہ میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور ہم ابھی تک مسئلہ کشمیر کی گتھی سلجھانے میں مصروف ہیں' اگر دونوں طرف کے حکمران اس مسئلے کے حل کے لئے مخلص ہیں' اگر اس خطے کو امن کا گہوارہ بنانا ہے' اگر ان ممالک کو ترقی وخوشحالی سے ہمکنار کرنا ہے' اگر عوام کو دو وقت کی روٹی' سر چھپانے کو چھت اور تن ڈھانپنے کو کپڑے مہیا کرنا چاہتے ہیں' اگر زمانے کے ساتھ قدم بقدم چلتے ہوئے ہواؤں اور فضاؤں کو مسخر کر کے سیاروں پر کمندیں ڈالنی ہیں تو اس دیرینہ اور بنیادی متنازعہ مسئلہ کو حل کرنا ہو گا' اس کے لئے دونوں جانب سے خلوص نیت کے ساتھ سلسلۂ مذاکرات کو بامعنی و بامقصد' پائیدار اور قابل قبول حل کی طرف بڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور اس مسئلہ کو سیاست کا رنگ دینے اور عوام سے ووٹ حاصل کرنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے اگر مخلصانہ سوچ وفکر کے لئے بیٹھا جائے تو کوئی بات نہیں کہ یہ دیرینہ مسئلہ باہمی رضامندی اور پرامن طریقہ سے حل ہو کر اس خطہ کی قسمت نہ بدل دے۔

مذاکرات کو بامقصد اور قابل قبول بنانے کے لئے کشمیری سرکردہ قائدین کو بھی شاملِ مذاکرات کیا جائے' تینوں فریق ہی اس اہم مسئلے کے حل کے اہم کردار ہیں۔

اگرچہ مذاکرات کے حوالے سے سابقہ تجربات اور 57 سالہ تاریخ اپنے اندر بے شمار تلخ حقائق سمیٹے ہوئے ہے کہ جب بھی تحریک آزادی کشمیر آخری اور نتیجہ خیز مراحل میں پہنچتی ہے تو ہمارے نااہل حکمران اپنے بیرونی آقاؤں کے اشاروں پر میدانِ جہاد میں جیتی ہوئی بازی مذاکرات کی میز پر ہار جاتے ہیں۔

(1) تقسیم ہند کے وقت کشمیر کے بھارت کے ساتھ غیر قانونی اور غیر اخلاقی الحاق کے خلاف مجاہدین اُٹھ کھڑے ہوئے' بھارت نے اقوام متحدہ سے مدد مانگی اور 13 اگست 1948ء کو جنگ بند کرا دی گئی اور تین نکاتی قرارداد منظور کی گئی:

i۔ دونوں ممالک مقررہ تاریخ پر جنگ بند کر دیں۔

ii۔ ریاست جموں وکشمیر سے فوجوں کا انخلاء کیا جائے۔

iii۔ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ریاستی عوام کے حق خود ارادیت کی بنیاد پر آزادانہ رائے شماری سے طے کیا جائے۔

قرارداد کے پہلے نکتے پر تو فوری عمل کرایا گیا مگر باقی دونوں نکات چونکہ بھارتی مفادات کے خلاف ہیں' اس لئے ابھی تک سرد خانوں میں پڑے ہیں۔

(2) 1963ء میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم اور سردار سورن سنگھ کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ 16 مئی 1963ء کو مذاکرات کی ناکامی کا اعلان کر دیا گیا اور بھارت کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہنے پر بضد رہا۔

(3) 1965ء میں پاک بھارت جنگ کے بعد روس کی میزبانی میں مذاکرات کی میز سجائی گئی۔ صدر ایوب خان اور شاستری جی میں مذاکرات ہوئے' میدان میں جیتی ہوئی بازی تاشقند کی میز پر ہار دی گئی۔

(4) 1971ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہوئی' 90 ہزار پاکستانی فوجی قید ہوئے' ایک بار پھر میز کا سہارا لیا گیا۔ یہ مذاکرات شملہ میں ہوئے' ذوالفقار علی بھٹو مرحوم اور اندرا گاندھی کے درمیان درج ذیل نکات پر شملہ معاہدہ طے پایا:

ا: دونوں ممالک تصادم اور محاذ آرائی ختم کریں۔

ب: دونوں ممالک گفت وشنید سے اختلافات طے کریں۔

ج: دونوں ممالک کی فوجیں اپنے علاقوں میں واپس چلی جائیں۔

د: 17 دسمبر 1971ء کی جنگ بندی (کنٹرول لائن) کا احترام کریں۔

یہ معاہدہ بھی کاغذوں کی زینت بن کر غیر موثر ہی رہا اور حالات میں بہتری نہ آ سکی۔

(5) یکم جنوری 1994ء کو بھارتی وفد سیکرٹری خارجہ جے این ڈکشٹ کی قیادت میں مذاکرات کی غرض سے پاکستان آیا' میزیں سجیں اور یہ ناٹک بھی بے مقصد ہی اختتام پذیر ہوا۔

(6) 21 فروری 1999ء بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اپنے پاکستانی ہم منصب میاں نواز شریف کی دعوت پر لاہور آئے' مذاکرات "اعلانِ لاہور" کی صورت میں ختم ہوئے۔ واجپائی صاحب نے "اٹوٹ انگ" کی رٹ لگاتے ہوئے' پاکستان کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی نوید سنائی جس پر میاں نواز شریف آج تک خوش ہیں۔

(7) مجاہدین تحریکِ آزادیٔ کشمیر نے انتہائی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کارگل کی چوٹیوں پر قبضہ

کر کے **40** ہزار سے زائد بھارتی فوجیوں کو محاصرہ میں لے لیا اور قریب تھا کہ بھارت گھٹنے ٹیک دے' امریکی آقاؤں کے اشارۂ ابرو پر جان دینے والے نواز شریف امریکہ پہنچ گئے اور مجاہدین کی جیتی ہوئی بازی کو ایک بار پھر ہارنے کی روایت برقرار رکھی۔

(8) جنرل پرویز مشرف اور مسٹر واجپائی کے درمیان آگرہ میں مذاکرات ہوئے جس میں پاکستان کا مؤقف کشمیر کو متنازعہ مسئلہ تسلیم کرانا اور بھارت کی ضد اٹوٹ انگ منوانا رہی اور یہ مذاکرات بھی ناکامی پر منتج ہوئے۔

(9) جنوری **2004**ء اسلام آباد سارک کانفرنس کے موقع پر بھارتی وزیراعظم واجپائی اور صدر پرویز مشرف کے درمیان مذاکرات ہوئے اور سابقہ موقف میں بظاہر لچک دکھائی دی۔ بھارت نے کشمیر کو متنازعہ مسئلہ تسلیم کر لیا۔ مذاکرات کی بحالی اور باہمی تنازعات کے حل کے لئے عملی کوششوں کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ یہ خوشگوار فضا دونوں ممالک کے عوام کے لئے خوش آئند اور امید افزا ضرور ہے۔ تاہم بار بار کے تجربات سے یہ خوف بھی ہے کہ کہیں پرانی چالیں پھر نہ چلائی جا رہی ہوں۔ تحریک آزادی ایک بار پھر اپنے منطقی انجام کے قریب پہنچ چکی ہے اور یہ سفینہ ہمیشہ ساحل کے قریب پہنچ کر ہی ڈوبا ہے' اب ڈر ہے کہ پھر کامیاب نتائج کو سبوتاژ کرنے کی کوئی در پردہ کوشش مذاکرات کے ڈھونگ میں نہ چھپی ہو اور کشمیر کی صبحِ آزادی پھر کہیں دور نہ چلی جائے۔

خوشگوار امیدوں کے ساتھ مذاکرات کا تسلسل جاری رکھنے اور پائیدار حل پر منتج ہونے کا انتظار نہ صرف اس خطے کے عوام بلکہ پوری دنیا کو ہے۔

(1) کسی بھی بیرونی دباؤ اور امپورٹڈ فیصلہ کرنے کو تسلیم کرنے کی بجائے تینوں فریق (پاکستان' بھارت اور کشمیری قیادت) بیٹھ کر کسی بھی نتیجے پر متفق ہو سکیں تو یہ زیادہ پائیدار اور قابل قبول حل ہو سکتا ہے۔

(2) اپنی تمام تر جانبداری اور بے اختیاری کے باوجود اگر اقوام متحدہ کے ارباب حل وعقد کا ضمیر جاگ اٹھے اور اپنی ہی منظور شدہ قراردادوں کو مؤثر ثابت کر کے اس پر عملی کام کرنے کی حامی بھر لیں تو استصواب رائے اس مسئلے کا بہترین حل ہے۔ جس کا مطالبہ کشمیری قوم کا بچہ بچہ عرصہ دراز سے کرتا چلا آ رہا ہے۔

(3) مغربی دنیا سے خیر کی توقعات رکھنے کی بجائے اپنے ہی خطے کے چند معتمد اور غیر جانبدار ممالک کی نگرانی میں ریفرنڈم کے ذریعے کشمیری عوام کی رائے معلوم کر لی جائے تو بھی اس مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے۔

(4) کل جماعتی حریت کانفرنس جو کہ تحریک آزادیٔ کشمیر کی نمائندہ تنظیم ہے نے پاکستان کے بغیر بھارت کے ساتھ مذاکرات کے کسی بھی امکان کو رد کرتے ہوئے پاکستان پر اپنے مکمل اور غیر متزلزل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس قسم کے متنازعہ بیان دینے پر حریت کانفرنس کے چیئرمین عباس انصاری کو تحریک عدم اعتماد کے ذریعے اپنے عہدہ سے ہٹا کر ثابت کر دیا ہے کہ مذاکرات سہ فریقی ہی بامقصد اور نتیجہ خیز ہوں گے اور یقیناً کشمیریوں کی شرکت کے بغیر مذاکرات بے مقصد و بے معنی ہی رہیں گے' اس لئے حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے سہ فریقی مذاکرات سے اس دیرینہ مسئلے کا حل نکالا جائے۔ یہ ایک تاریخی کارنامہ اور اس خطہ کے عوام کی ترقی وخوشحالی اور دونوں ممالک بشمول ریاست جموں وکشمیر کے لئے امن وسلامتی کا پیغام ثابت ہوگا۔

اس دن کا شدت سے انتظار ہے جب ظلم وجبر کی سیاہ رات سے امن وآشتی کا سورج طلوع ہو کر محبت واخوت کی کرنیں بکھیر تا صحیح معنوں میں صبح آزادی اور تکمیل واستحکامِ پاکستان کا ضامن بن کر چمکے گا۔

(تجویز کنندہ: محمد شفیق عالم کشمیری)

خودمختار کشمیر ــــ ایک نئے مسلم ملک کا اضافہ

تحریک پاکستان میں دو نظریئے **(1)** قومیں نظریات سے بنتی ہیں۔ **(2)** قومیں اوطان سے بنتی ہیں' منظرِ عام پر آئے۔ ہندوستان کے ان صوبوں کے مسلمانوں نے جنہیں پاکستان کی سرزمین میں نہیں آنا تھا' پاکستان کے حق میں ووٹ دے کر پہلے نظریئے یعنی قومیں نظریات سے بنتی ہیں' کے حق میں فیصلہ دے کر اس کی حقیقت اور فوقیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

ہندو نے جس طرح قیام پاکستان کو روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا' اسی طرح نظریۂ پاکستان کو باطل قرار دینے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ پاکستان نظریہ پاکستان یعنی دو قومی نظریہ کی اساس پر معرضِ وجود میں آ گیا اور دنیا نے اسے بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لیا۔ ہندوستان کو بھی بادل نخواستہ تسلیم کرنا پڑا۔

پاکستان کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد ہنود دو قومی نظریئے کو ایک نظریئے میں بدلنے کے لئے سرگرم عمل ہو گیا۔ اس کے لئے اس نے مشرقی پاکستان کے قوم پرست نوجوانوں کو شیشے میں اتارا اور مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنوا دیا۔ مگر اس کے باوجود بھی دو قومی نظریہ باطل قرار نہ پایا بلکہ اسی اساس پر بنگلہ دیش ایک مسلم ریاست بن کر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ حالانکہ اندرا گاندھی نے اپنی دانست میں دو قومی نظریئے کو بحیرہ عرب میں غرق کر دیا تھا لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس نے دو پاکستان بنا کر مشرقی پاکستان کے قوم پرستوں سے پاکستان کے خلاف مظلومیت کا ڈھونگ چھین لیا ہے۔

نصف صدی کے بعد پاکستان اپنی نظریاتی اساس سے روگردانی کر کے وطن کی سرحدوں میں محدود ہو کر "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" کے نظریئے پر گامزن ہو گیا ہے۔ ایسے حالات میں مسئلہ کشمیر کا واحد حل "نظریۂ وطن" ہی رہ جاتا ہے۔ ریاست جموں وکشمیر برعظیم کی تاریخ میں واحد ریاست ہے جو ناگ دور سے تقسیم ہند (مہاراجہ ہری سنگھ کے دور حکومت تک) اپنا الگ وجود اور تشخص قائم رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارت سے الحاق کی درخواست کر کے بھارت میں ادغام کی کوشش کی۔ (الحاق کی درخواست کی صحت جانچنا ابھی باقی ہے) تاہم بھارت جب اس قضیہ کو سلامتی کونسل میں لے گیا اور تسلیم کر لیا کہ مسئلہ کشمیر استصواب رائے کے ذریعے حل ہوگا' تو اس نے خود مہاراجہ ہری سنگھ کے الحاق کی درخواست کی نفی کر دی۔ اس طرح تنازعہ کشمیر میں تین فریق بن گئے۔ جواب کچھ لئے بغیر ٹلنے کے نہیں ہیں۔ اس صورت میں "چناب فارمولا" کسی حد تک تینوں فریقوں کے لئے قابلِ قبول ہو سکتا ہے' بشرطیکہ کہ تینوں اس پر رضامند ہو جائیں۔

چناب فارمولے میں جموں کا ہندو اکثریت کا علاقہ اور لداخ بدھ مت کا علاقہ بھارت کے پاس رہے گا۔ وادی کشمیر آزاد حیثیت اختیار کر کے کشمیریوں کے پاس اور پاکستان کے زیر تسلط علاقہ یعنی موجودہ "آزاد کشمیر" کا حصہ رہے گا۔

سلامتی کونسل کی قراردادوں کو کالعدم قرار دینے سے "کشمیر بنے گا پاکستان" یعنی الحاق پاکستان خود بخود دم توڑ جاتا ہے اور بھارت کا استصواب رائے کا اقراری بیان ختم ہو کر مہاراجہ کی الحاق کی درخواست موثر بہ ماضی قرار پاتی ہے۔ الحاق پاکستان کی بنیاد نظریۂ پاکستان ہے۔ جب پاکستان خود اس نظریہ سے منہ موڑ کر نظریۂ پاکستان سے انحراف کر کے تنگ نائے نظریۂ وطن پر گامزن ہو جاتا ہے تو ریاست جموں وکشمیر اور پاکستان کا نظریاتی تعلق بے معنی ہو جاتا ہے۔

الحاقِ پاکستان کے نظریاتی تعلق میں عوام وخواص شامل ہیں۔ نظریاتی تعلق کمزور ہونے سے مایوسی ہو گی مگر خواص جن کا نظریاتی رشتہ اقتدار سے وابستہ ہوتا ہے' وہ اقتدار کی سبز پری کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر خودمختار کشمیر کا نعرہ بلند کرنے والوں سے بھی پاکستان مخالفت میں دو قدم آگے نظر آئیں گے۔ اس وقت اندازہ ہوگا کہ شہ رگ پاکستان محفوظ ہاتھوں میں نہیں ہے۔

پاکستان ماضی قریب تک سلامتی کونسل سے یہی درخواست کرتا رہا ہے کہ مسئلہ کشمیر کا یقینی' حتمی اور قطعی حل کشمیر کے عوام کی رائے پر موقوف ہے۔ سلامتی کونسل کی قراردادوں کا مرکزی خیال استصواب رائے ہے۔ جس سے بھارت ہمیشہ خائف رہا ہے۔ ماضی میں سلامتی کونسل کی جتنی بھی تاریخیں سماعت ہوئی ہیں' ان میں استصواب رائے کو ہی بنیاد بتایا گیا ہے۔ یعنی مسئلہ کشمیر کے اصل فریق

ریاست جموں وکشمیر کے عوام ہیں اور بھارت اور پاکستان ان کو ان کی خواہش کے مطابق حل دلانے کے لئے کوشاں ہیں۔

ہندوستان ستاون برس سے مقبوضہ کشمیر کے عوام کو مختلف حیلوں سے شیشے میں اتارنے کی کوشش کرتا رہا ہے تاکہ عوام کی رائے اپنے حق میں کرسکے۔ بھارت کو جب اندازہ ہو گیا کہ کشمیری عوام کی رائے کو کسی طور پر اپنے حق میں نہیں کرسکتا تو وہ اپنے اس دعوے سے مکر کر اٹوٹ انگ کی رٹ لگانے پر مجبور ہو گیا۔

کشمیری عوام کی مسئلہ کشمیر کے بارے میں تین رائیں ہیں۔ کشمیری ہندو اور مقبوضہ کشمیر کے اقتدار پر قابض طبقہ الحاق بھارت کا سلوگن اختیار کئے ہوئے ہے' مگر وہ اس وقت سے خائف ہیں جب وہ الحاق سے بھارت کا اٹوٹ انگ بن جائیں گے۔ کشمیری عوام کا ایک طبقہ خود مختار کشمیر کا نعرہ بلند کرتا ہے اور وہ بھارت اور پاکستان کو ایک ہی پلڑے میں تولتا ہے۔ ان کا نعرہ ہے:

مسئلہ کشمیر کے دو شیطان اک بھارت اِک پاکستان

ریاست جموں وکشمیر مسلم اکثریت کی ریاست ہے۔ یہاں کے عوام کی اکثریت کی نظریاتی وابستگی پاکستان کی ساتھ ہے۔ اسی وجہ سے ''کشمیر بنے گا پاکستان'' کا نعرہ ریاست کے طول وعرض میں گونجتا رہا ہے۔ پاکستان کے نظریاتی سرحدوں کو خیرباد کہہ دینے سے اس اکثریت کی نظریاتی وابستگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ قائداعظمؒ نے (''ظہور پاکستان'' ص **343**) جولائی **1947**ء میں جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے ایک وفد سے بات چیت کے دوران میں واضح کر دیا تھا: ''میں پہلے بھی کئی دفعہ واضح کر چکا ہوں کہ ریاستوں کو ہندوستان یا پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونے یا آزاد رہنے کا پورا حق حاصل ہے۔'' ہندوستان کی ساری **365** ریاستیں اپنی قسمت کا فیصلہ کر چکی ہیں جبکہ ریاست جموں وکشمیر کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنا باقی ہے۔

دورِ حاضر میں بھارت اور پاکستان دونوں ممالک ریاست کا بٹوارا کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ اکیسویں صدی کے حالات' زمینی حقائق اور استصواب رائے کی حقیقت سے روگردانی کر کے بندر بانٹ کر بھی لیں تو مسئلہ کشمیر اپنی جگہ موجود رہے گا اور کسی نہ کسی انداز میں یہ مسئلہ سر اٹھاتا رہے گا۔ اگر دونوں ممالک عوام کی طاقت کو تسلیم کریں اور استصواب رائے کو اہمیت دیں تو مسئلہ کشمیر کا پائیدار حل آزاد مملکت کے قیام کا ہی باقی رہتا ہے۔ یہ ایک اسلامی ملک کا اسلامی ممالک میں اضافے اور پاکستان کے ہمسایہ میں اسلامی ملک کے قیام کی صورت میں پاکستان کے لئے بھی مفید ہے۔

بھارت اور پاکستان اپنے اپنے زیر تسلط علاقوں سے دستبردار ہو کر ریاست جموں وکشمیر میں جمہوری حکومت قائم کر دیں اور دس سال کے بعد ریفرنڈم کے ذریعے الحاق بھارت' الحاق پاکستان یا آزاد ریاست کا تعین کر دیں۔ اس سے دونوں ممالک کی بالادستی اور برتری' ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش اور ہتھکنڈے دم توڑ جائیں گے' اور ایک منصفانہ حل ''آزاد ریاست کا قیام'' کی صورت میں برآمد ہو گا جسے دونوں ممالک کو فراخ دلی سے تسلیم کر لینے ہی میں دونوں ممالک کی عافیت ہے۔

(تجویز کنندہ: پروفیسر نذیر احمد تشنہ' بھمبر' آزاد کشمیر)

(3) کشمیر کی تقسیم ـــــ واحد حل!

سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ مسئلہ کشمیر کیسے اور کیوں پیدا ہوا۔ اس کے اسباب کیا تھے؟ ان کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنا چاہئے۔

ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ مسلم لیگ نے کیا اور اس کی بنیاد یہ رکھی کہ مسلم اکثریت کے علاقے الگ کر دیئے جائیں۔ تقسیم کی تفصیل انگریز پر چھوڑ دی گئی۔ چاہئے تھا کہ پنجاب کی تقسیم کم از کم دریائے ستلج پر ہوتی مگر یہ نہ ہوا اور اضلاع و تحصیلیں بھی تقسیم کر دی گئیں اور مسلم اکثریت کے کئی اضلاع ہندوستان کو دے دیئے گئے۔

ہندو بھارت کو گئوماتا کہتا ہے لیکن جب اسے چاروناچار تقسیم کو ماننا پڑا تو اس نے انگریز سے مل کر مسلمانوں کو کم از کم علاقے دینے کی تجویز کی حتیٰ کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کرایا۔ پھر پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے ریاست کشمیر پر قبضہ کرنے کی سازش کی۔ کہا گیا ہے کہ اس غرض کے لئے ریڈکلف کو دو کروڑ روپے رشوت دی گئی۔ کشمیر کی طرف کوئی راہ نہ پا کر گورداسپور کے مسلم اکثریت کے ضلع کو ہتھیایا اور تقسیم کا اعلان ہوتے ہی ہوائی حملہ سے سری نگر پر قبضہ کر لیا۔ مونٹ بیٹن وائسرائے ہند نے مسلم لیگ سے کہا کہ دونوں ریاستیں کھلم کھلا آپس میں نہ لڑیں۔ مسلم لیگ نے مان کر پٹھان بھیج کر چھیڑ خانی شروع کی۔ نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ جب کبھی لیاقت علی خان نے جنگ کی بات کی تو نہرو نے جواب دیا کہ تم کشمیر میں لڑو گے تو ہم پاکستان میں لڑیں گے۔ چنانچہ **1965**ء میں جب ایوب خان نے کشمیر میں جنگ شروع کی تو بھارت نے لاہور پر حملہ کر دیا اور انگریز کے جانشین امریکہ نے حکماً پاکستان کو لڑائی روکنے پر مجبور کر دیا۔ بھارت زیادہ طاقتور تھا اور انگریز جس نے ان دو ملکوں کو لڑانے کے لئے یہ مسئلہ پیدا کیا تھا' بھارت کو بھی بزور پاکستان پر قبضہ کی اجازت نہ دیتا تھا۔

نہرو اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ میں لے گیا۔ لیکن پھر کشمیریوں کا حق رائے دہی حائل ہو گیا۔ امریکہ بھی یہ چاہتا تھا' اس لئے مسئلہ اقوام متحدہ کے سردخانے میں پڑا رہا۔ پاکستان کے حکمران بھی اقوام متحدہ کی زبانی کلامی دہائی دیتے رہے حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ اپنا نقطۂ نظر دنیا کے سامنے پیش کرتے' مثلاً کہتے کہ کشمیر پنجاب کا جغرافیائی حصہ ہے' پنجاب کے سب دریا ادھر سے آتے ہیں۔ کشمیر مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ مہاراجہ نے اپنے دستخط سے اسے بھارت کے حوالے نہیں کیا' بلکہ نہرو نے اس پر بزور قبضہ کیا ہے' اس لئے وہ وہاں سے ہٹ جائے۔

اب صورت یہ ہے کہ بھارت دریائے راوی اور چناب کا پانی مشرقی پنجاب میں لے گیا ہے۔ اس لئے وہ ان سے دستبردار نہیں ہو گا۔ نیز جموں اور لداخ کی آبادی ہندو ہے۔ وہ یہ بھی کہتا رہا ہے کہ اگر وہ یہ بات مان لے تو بھارت میں مزید ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جائے گی۔ لیکن اب ایک اور بات پیدا ہوئی ہے۔ روس کی شکست و ریخت کے بعد امریکہ چین کو گھیرنا چاہتا ہے اور اس غرض کے لئے وہ سارک ممالک کو باہمی تعاون کی راہ پر لانا چاہتا ہے۔ صلح صفائی کے لئے مسئلہ کشمیر کا حل ہونا ضروری ہے۔ اس کا حل جو نواز شریف کے وقت سے شروع ہے' یہ ہے کہ دریائے چناب کو سرحد مان لیا جائے اس طرح مسلم اور ہندو علاقے الگ ہو جائیں گے۔ صلح کے بعد بھارت کو تجارتی فائدے بھی ہوں گے اور وہ علاقے کی بڑی طاقت ہو گا۔ چنانچہ یہ حل سب کو قبول ہو گا۔ واجپائی اور پرویز مشرف اس کو مان گئے ہیں۔ اس کو مشرف ''لچک'' کہتے ہیں یعنی ہم پورا کشمیر نہیں مانگتے اور بھارت دریائے چناب تک پیچھے ہٹ جائے۔ یہ بات کہ کشمیر کو الگ خود مختار مملکت تسلیم کر لیا جائے درست نہیں کیونکہ کشمیر برعظیم پاک وہند کا ہی ایک حصہ ہے' اسے پاکستان اور بھارت میں حصہ رسدی تقسیم ہو جانا چاہئے۔

(تجویز کنندہ: لفٹننٹ کرنل (ر) محمد ایوب خان' لاہور کینٹ)

واحد حل ـــــ جہاد اور مسلح جدوجہد

مسئلہ کشمیر کا واحد حل جہاد ہے۔ یعنی مسلح جدوجہد' گوریلا وارفیئر۔ مگر حکمت عملی اب اور ہو گی' جس کا تحریر کرنا مناسب نہیں۔ حوصلہ' عزم اور قربانی کی ضرورت ہو گی۔ تمام پلان ٹاپ سیکرٹ ہوں گے۔ تمام وسائل استعمال کئے جائیں گے۔ دشمن کو بے دردی کے ساتھ مفلوج کر کے رکھ دینا ہو گا۔ اس کی معیشت کو تباہ کرنا ہو گا۔ اس کی تمام فورسز کی تباہی کرنی ہو گی۔ اس کو مسلمانوں کے آگے سرنڈر کرنا ہو گا۔ اس کے لئے کوئی رعایت اب نہ برتی ہو گی۔ دنیا ظلم کہتی ہے' کہتی رہے۔ اس کو اب اسلام قبول کروا کے ہی دم لینا ہو گا۔ اس کے تمام بت خانے نیست و نابود کرنے ہوں گے۔ اس کی گردن کاٹنی ہو گی۔ اب غلبۂ اسلام کرنا ہی ہو گا۔ اب بت شکنی کرنی ہو گی' عالم کفر بلبلا اٹھے گا۔ اس کی پروا نہ کرنی

ہوگی۔ ''اب سے ہندوستان ہمارا ہوگا'' یہی نعرہ ہوگا۔

یہی مسئلہ کشمیر کا واحد حل ہے۔ اب تمام بدلے لینے ہوں گے۔ تمام حساب بے باق کرنے ہوں گے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ''اسلام زمانے میں دبنے کو نہیں آیا' اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے۔ ہم مٹتے مٹاتے بھی دنیا کو مٹا دیں گے۔'' ان شاء اللہ!

عالمِ کفر نے بہت ظلم کئے ہیں' مسلمانوں پر ان سب کا بدلہ لینا ہوگا۔ گوانتا نا موبے میں مقید مسلمان' کشمیر کی جیلوں میں مقید مجاہدین آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اس کے لئے ضروری کارروائی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ہر چیز کا توڑ موجود ہے۔ کاش کہ کچھ وسائل دستیاب ہو جائیں۔'' یا اللہ مدد فرما۔ (تجویز کنندہ: ف ع ارلکھ' اسلام آباد)

کلنگ فیلڈ کشمیر!

مغل شہزادی جہاں آراء جب پہلی مرتبہ نئے نویلے لال قلعہ میں داخل ہوئی تھی تو اس کی زبان نے وہ مشہور الفاظ ادا کئے تھے جو بعد میں فارسی شاعری کا معروف شعر بن گئے کہ اگر فردوس بہ روئے زمیں است' او ہمیں او ہمیں است یعنی اگر زمین پر کہیں جنت ہے تو وہ یہیں ہے یہیں ہے۔ لیکن اگر وہ آج کا کشمیر دیکھ لیتی تو غالباً اس کا یہ خوبصورت مصرعہ برعکس ہوتا۔ ایشیا کا سوئٹزرلینڈ کہلانے والا کشمیر گزشتہ پندرہ سال سے ایشیا کا Killing Field بن کر رہ گیا ہے۔ یہ ایک ایسی Garrison state ہے جس میں باغوں کے بجائے قبرستان آباد ہیں۔ 1836ء میں پنجاب کے مہاراجہ اور سکھ تاریخ کے واحد با اثر فرمانروا رنجیت سنگھ پر فالج گر جانے سے سکھوں کی خالصہ ریاست کچھ یوں مفلوج ہوئی کہ سکھ مذہب کی تعلیمات کے برخلاف گیارہ رانیاں ستی ہو گئیں اور رنجیت سنگھ کے بیٹے کھڑک سنگھ اور ارا کین کے ہاتھ پنجاب کی سکھ سلطنت کو سنبھال نہ سکے۔ محلاتی سازشوں نے رنجیت سنگھ کی بوڑھی ساس سدا کور کو سدا کے لئے زنداں میں دھکیل دیا اور اس کے انتہائی کامیاب جرنیل ہری سنگھ نلوا کو ڈوگرہ سردار گلاب سنگھ کی سکھا شاہی نے جنم کے پھیر سے آزاد کر دیا۔ حسب روایت انگریز کی دور اندیشی نے دور کی کوڑی لاتے ہوئے 1846ء میں سکھا شاہی کی اینٹ سے اینٹ بجاتے ہوئے سکھ سیاست کی بساط کے تمام مہروں کو کچھ یوں مات دی کہ اپنے اور سکھوں کے درمیان ''عہد نامہ لاہور'' طے کیا جس کے تحت صرف دس لاکھ پاؤنڈ (اس دور کے پچھتر لاکھ روپے) میں زمین کی جنت اور اہل نظر کے ایران صغیر کو گلاب سنگھ کے ہاتھوں فروخت کر ڈالا۔ اس سے پہلے ریاست کشمیر پر صدیوں مسلمانوں کی حکمرانی رہی۔ ان مسلمان حکمرانوں کی غفلتوں نے 1819ء میں رنجیت سنگھ کو جموں و کشمیر کا راجہ بنا ڈالا تھا۔ رنگین پگڑی اور لمبے گیسوؤں والے گلاب سنگھ کے ایک بدبخت جانشین راجہ ہری سنگھ نے 1948ء میں چالیس لاکھ کشمیریوں کو واہگورو کے نام پر بھارت کے خونیں پنجے میں دے دیا۔ جس طرح دریا کی تہہ میں کیچڑ ہی ہوتا ہے بالکل اسی طرح آج کشمیر کی وادی میں ڈوگرہ اور خالصہ فوج نظر آتی ہے۔ خالصہ کے معنی ہوئے وہ لوگ جو مسلح ہوں اور جنگ کے لئے ہمیشہ تیار رہیں۔ لہٰذا یہ سنگینوں کے سائے تلے کشمیر میں ظلم و بربریت کا سفاک کھیل دیکھ رہے ہیں۔ کشمیر کے اسی فیصد باشندے مسلمان ہیں اور دنیا کے 1.2 ارب سے زیادہ مسلمان بھارتی سنگینوں کے سائے تلے کشمیر میں ظلم و بربریت کا سفاک کھیل دیکھ رہے ہیں۔ بوڑھے کشمیریوں کی آہیں' ماؤں کے بین' معصوم نوجوانوں کا گرم لہو' کڑا' کچھیرا' کرپان اور کنگھے والے سکھ فوجیوں کے دخترِ کشمیر کے دوپٹے کھینچتے ہاتھ ہم پر کچھ یوں اثر انداز ہوتے ہیں کہ سکھ اداکاراؤں سے بھری بھارتی فلم انڈسٹری کو ہمارا بس نہیں چلتا کہ پاکستان شفٹ کروالیں۔ ہم ہر سال یوم کشمیر منا کر کشمیریوں کی اخلاقی مدد کرتے ہیں۔ ہماری سیاست کے راجے مہاراجے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں اب یہ اور بات ہے کہ یہ کوششیں اخباری بیانات سے آگے نہیں بڑھ پاتیں۔ اقوامِ متحدہ میں اس مسئلے کو' جو غالباً اس وقت دنیا کا سب سے پرانا مسئلہ بن چکا ہے' اٹھا رہے ہیں۔ گہری نیند میں ڈوبی عالمی رائے عامہ کو بیدار کر رہے ہیں۔ لیکن بولنے اور کہنے میں اور حرکت اور عمل کرنے میں جو فرق ہے وہی ہماری ان تمام کوششوں میں بھی ہے۔ کشمیر کے مسئلے پر پاکستان اور بھارت کے سفارت کاروں کے درمیان گفتگو کبھی خوشگوار نہیں رہ سکی اور لہجوں میں تلخی ہمیشہ گھلی رہی۔ کشمیر سے متعلق بھارت اپنی پالیسی میں ذرہ برابر ترمیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹا ہوا ہے۔ خارجہ سیکریٹریز کے حالیہ مذاکرات میں بھارت نے کھل کر LOC کو امن کی لائن قرار دینے کو کہا۔ یوں تو اعداد پوری داستان کہنے سے قاصر ہیں لیکن ISNA (اسلامک سوسائٹیز آف نارتھ امریکہ) نے کشمیر پر جنوری 1990ء سے لے کر دسمبر 1993ء تک جو رپورٹ پیش کی تھی وہ نہ صرف اس وقت بلکہ آج بھی اب تک منظر عام پر آنے والی تمام رپورٹس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں اداروں میں مستند مانی گئی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق جنوری 1990ء سے لے کر دسمبر 1993ء تک 31,823 کشمیر شہید کئے گئے۔ 18,765 زخمی ہوئے' 3,289 اپاہج بنا دیئے گئے' 15,260 ٹارچر سیلز میں بند کئے گئے' 43,390 مرد و عورتیں بغیر مقدمات کے جیلوں میں قید با مشقت کا شکار ہوئے' پہلی اکتوبر 1990ء کو پرائمری اسکول کے 200 بچے زندہ جلا دیئے گئے' 4,797 دکانیں اور 16,982 مکانات نذرِ آتش کر دیئے گئے۔ 70,000 مرد اور عورتیں جان کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے' آزاد کشمیر آنے کی کوشش میں سرحد پر 1645 افراد ڈوگروں کی رائفلوں نے بھون ڈالے' 189 سکول و ہسپتال نیست و نابود کر دیئے گئے' 169 افراد کو پاؤں سے باندھ کر دریائے جہلم میں غرق کیا گیا' سینکڑوں مسجدیں شہید اور ہزاروں خواتین بے حرمت کی گئیں۔ جوں جوں کشمیر میں خوف و ہراس بڑھتا جا رہا ہے نثر کی شکل میں کشمیریوں کے لئے اپنے درد کا اظہار ناممکن بنتا جا رہا ہے۔ لہٰذا اب لوگ اپنے درد کا اظہار گمنام شاعری کی صورت میں کرتے ہیں۔ اس شاعری میں کشمیر کی عکاسی کے لئے مرکزی استعارہ وہ پھول ہیں جو کشمیر کے قبرستانوں میں اگتے ہیں جبکہ اس حسین وادی کی خوبصورتی کے لئے شاعر ڈل جھیل کی پرسکون ٹھنڈی ہواؤں کو بطور استعارہ استعمال کیا کرتے تھے۔ قدرت کس قدر فیاض اور انسانیت کتنی درندہ صفت ہو سکتی ہے آج کشمیر کی وادی اس کی واضح اور روشن مثال پیش کر رہی ہے۔ (رعنا خان' شکاگو)

اے میرے کشمیر

اے میرے کشمیر
اے ارضِ دلگیر
اپنے لہو سے تو نے لکھی جو روشن تحریر
بدلے گی اِک روز اسی سے دنیا کی تقدیر
اے میرے کشمیر۔ اے ارض دلگیر

شمعِ وفا کے پروانوں کے تجھ پر لاکھ سلام
ظلم کی گہری کالی شب میں تو ہے صبح امام
تو نے جہد کو حق کو دیا ہے ایسا ایک مقام
جس کی نہیں نظیر
آزادی وہ خواب کہ جس کی آزادی' تعبیر
اے میرے کشمیر۔ اے ارض دلگیر
لہو اگلتی وادی سے گر کر تیل نکل آتا
پل بھر میں ان اہل چشم کا روپ بدل جاتا
تیرا دکھ اک تیر کی صورت ان پر چل جاتا
اٹھتے جاگ ضمیر
کس نے کیا ہے' کون کرے گا' خوشبو کو زنجیر!
اے میرے کشمیر۔ اے ارضِ دلگیر

امجد اسلام امجد

(29) مسئلہ کشمیر کا حل: مشاہیر کی نظر میں

قائد اعظم (بانی مملکت پاکستان)

o کشمیر کے مسلمانوں کے ذہن اور توجہ پر چھایا ہوا یہ ایک بڑا مسئلہ ہے کہ آیا کشمیر پاکستان میں شامل ہو رہا ہے۔ میں ایک سے زائد مرتبہ یہ واضح کر چکا ہوں کہ ہندوستانی ریاستیں اس امر کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں کہ وہ پاکستان کے ساتھ شامل ہوں یا ہندوستان کے ساتھ یا خود مختار اور آزاد ہوں۔ اس میں شک نہیں کرنا چاہئے کہ مہاراجہ اور حکومت کشمیر اس مسئلے پر انتہائی توجہ اور خلوص نیت سے غور کریں گے اور صرف حکمران کے مفادات کو ملحوظ نہ رکھیں گے' بلکہ کشمیری عوام کے بھی مفادات کا خیال رکھیں گے۔ ہم پہلے بھی واشگاف الفاظ میں واضح کر چکے ہیں کہ ہم کسی ریاست کو مجبور نہ کریں گے' نہ ڈرائیں دھمکائیں گے' نہ کسی اور قسم کا دباؤ ڈالیں گے۔ ہر ریاست کو اپنی مرضی اور خوشی سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ جو ریاستیں اپنی مرضی سے پاکستان میں شامل ہونا چاہیں گی' وہ ہمیں خیر مقدم کے لئے مستعد اور مسرور پائیں گی۔ وہ ہمیں باہمی مفاد کی خاطر معاہدے طے کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار پائیں گی۔ جو ریاستیں مکمل طور پر آزاد اور خود مختار رہنا پسند کریں گی' ہم ان کی اس خواہش کا پورا احترام کریں گے' اور باہمی اور دو طرفہ مفادات کی خاطر ان سے مفید اور اچھے اچھے معاہدے طے کریں گے۔ (کشمیر کے مسلمان رہنماؤں سے ملاقات کے بعد ایک اخباری بیان۔ 11/ جولائی 1947ء)

لیاقت علی خان

میں کہہ چکا ہوں کہ جغرافیائی' اقتصادی' ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے کشمیر پاکستان کا ایک جزو ہے' اس کی آبادی کی اکثریت کا مسلمان ہونا پاکستان کے لئے اس کا اہم حربیاتی موقف' اس کے دریاؤں کا بہاؤ' اس کی سڑکوں کے رُخ' اس کے تجارتی راستے اس پیہم اور قریبی تعلق کی وجہ سے جس کے ذریعہ اس کے عوام ہمیشہ پاکستان سے وابستہ رہے ہیں۔ کشمیر پاکستان کے ساتھ ناقابل شکست رشتہ میں منسلک ہے' کوئی غیر متعصب شخص جو نقشہ دیکھے اور اس مسئلہ پر کچھ غور کرنے کے لئے تیار ہو' وہ لازمی یہی نتیجہ نکالے گا کہ کشمیر پاکستان کا ایک قدرتی حصہ ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود اور عالمی امن کو ترقی دینے کی خواہش کی خاطر ہم اس پر راضی ہو گئے کہ اس معاملہ میں عوام کشمیر کی مرضی معلوم کرنا چاہئے' کیونکہ ہر قوم کا پیدائشی حق ہے کہ بلا جبر واکراہ آزادی سے اپنی قسمت کا فیصلہ کرے' ہمیں عوام کشمیر کے فیصلہ سے خوف نہیں لیکن ہندوستان کو ہے اور اسی لئے وہ کشمیر کے باشندوں کو دبانے اور ان کے لئے ایک آزاد انتخاب کو ناممکن بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

ہمارا فیصلہ انصاف پر مبنی ہے اور کم از کم مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ ہم اپنی مساعی میں کامیاب ہوں گے۔ ہزاروں سال سے جب سے اس سیارہ پر انسان کا وجود ہے۔ بہت سی تہذیبیں پیدا ہوئیں' پھلی پھولیں اور فنا ہو گئیں' وہ تہذیبیں جن کی بنیاد عدل وصداقت پر تھی سب سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہیں اور انہوں نے سب سے زیادہ ترقی کی جو شخص بغور تاریخ کا مطالعہ کرے اُسے خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک عالمگیر قانون ہے' جو افراد' جماعتوں' قوموں اور تہذیبوں کی زندگی پر یکساں طور پر حاوی ہے۔

تاہم ایسی قومیں بھی ہوئی ہیں جنہوں نے خیال کیا کہ وہ تاریخ کا سبق نظر انداز کر سکتی ہیں۔ انہوں نے دوسروں کا حق ہڑپ کرنے کی کوشش کی' دوسری قوموں کو غلام بنایا' اپنے وعدوں کو توڑا اور انہوں نے سمجھا کہ وہ خدا کا مذاق اڑا سکتے ہیں' لیکن آپ خدا کا مذاق نہیں اڑا سکتے' جو اخلاقی قوانین تاریخ پر حاوی ہیں' آپ چاہیں تو انہیں بھول سکتے ہیں' لیکن یہ آپ ہی کے لئے مضر ہے۔ اللہ مہلت تو دیتا ہے مگر چھوڑتا نہیں۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ لوگ جو اپنا سبق حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور وہ جو اپنے حق کی حفاظت نہیں کر سکتے فنا ہو جاتے ہیں' کیونکہ زندگی پیہم اور متواتر جدوجہد کی طالب ہے۔

ہم نہ تو جنگ کرنا چاہتے ہیں نہ کسی سے جھگڑا کرنا پسند کرتے ہیں اور نہ ہم کسی کے بدخواہ ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ہم جبر کے سامنے اپنا سر نہیں جھکائیں گے نہ ہم مسئلہ کشمیر کا کوئی غیر منصفانہ حل قبول کریں گے خواہ کتنی ہی قربانیاں دینی ہوں' خواہ کچھ بھی نتائج ہوں اور چاہے کوئی کچھ بھی کہے یا کرے ہم یہ نہیں ہونے دیں گے کہ ہندوستان بزور شمشیر کشمیر پر قبضہ کرے اور ہم ان لاکھوں کشمیری مسلمانوں کو نہیں بھلائیں گے جن کی زندگیاں ہندوستانی فوج اور ہندو ظالموں نے جہنم بنادی ہیں۔

یہ لوگ آزادی اور اپنی زندگی کو زندگی کہنے کے حق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ اس لئے جدوجہد کر رہے ہیں کہ انہیں اپنی محنت کا منصفانہ صلہ ملے اور ظلم و ناانصافی سے نجات ہو۔

ممکن ہے انہیں عارضی رکاوٹیں پیش آئیں لیکن ان شاء اللہ بالآخر وہ کامیاب ہوں گے اور انہیں غلام بنانے کے لئے ان پر ظلم کرنے والوں کی مکروہ چالیں اور انہیں انسانی حقوق سے محروم کرنے کی ذلیل سازشیں ناکام ہوں گی۔

خدا پر بھروسہ کر کے اور خوف ونفرت کے بغیر ہم اس کام کو پورا کرنے کے لئے بڑھیں گے جو ہم نے اپنے لئے معین کیا ہے''۔

(دستور ساز اسمبلی سے خطاب۔ 9 جنوری 1950ء)

پنڈت جواہر لال نہرو

''ہم نے بھارت سے کشمیر کا الحاق مہاراجہ کی حکومت اور ریاست کی ایک ایسی تنظیم (نیشنل کانفرنس) کی درخواست پر قبول کیا تھا' جو عوام میں سب سے زیادہ نمائندہ اور مقبول ہے' اور جس میں مسلمانوں کی غالب اکثریت شامل ہے۔ اس کے باوجود یہ الحاق اس شرط پر منظور کیا گیا تھا کہ کشمیر کی سرزمین سے حملہ آور جیسے ہی نکال دیئے جائیں اور ریاست میں امن وامان بحال ہو جائے' عوام خود الحاق کے سوال کا فیصلہ کریں۔ انہیں اختیار حاصل ہے کہ وہ جس مملکت سے چاہیں' الحاق کا فیصلہ کریں''۔ (پاکستان کے وزیر اعظم کے نام خط۔ 31/ اکتوبر 1947ء)

مولانا ابوالکلام آزاد

''بھارتی حکومت خود اپنی مرضی سے اور کسی دوسرے کی تحریک کے بغیر ایک سے زائد مرتبہ اعلان کر چکی ہے کہ وہ کشمیری عوام کی خواہشات کا احترام کرے گی...... ہم ہمیشہ کہتے ہیں کہ اس کا فیصلہ کشمیر کے عوام ہی کریں گے کہ وہ ہمارے ساتھ رہیں گے یا پاکستان سے الحاق کریں گے''۔ (1951ء۔ ایران میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب)

شیخ محمد عبد اللہ

''مارچ 1956ء میں بھارت کے وزیر اعظم (پنڈت جواہر لال نہرو) نے ایک اعلان میں کہا ہے کہ کشمیر میں استصواب رائے خارج از بحث ہے۔ اس

بھارت کے ایک نامور مصنف اور تجزیہ نگار جیوتی بھوشن داس گپتا نے 1958ء میں ''انڈو پاک ریلیشنز'' کے عنوان سے شائع شدہ اپنی کتاب میں لکھا تھا ''اگر کشمیر پاکستان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو یہ دراصل نظریۂ پاکستان کی شکست ہوگی اور پھر اس کے بعد ایک آزاد مملکت کی حیثیت پاکستان کے وجود کے خاتمے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگے گا''۔

بھارت کے ایک صحافی اور مصنف ایف ڈی کڑاکا نے اپنی کتاب Betrayel in India میں لکھا تھا: ''اگر دو قومی نظریئے میں کوئی صداقت موجود ہے جس کے مطابق برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی تھی، یعنی یہ کہ مسلم اکثریتی علاقے پاکستان میں شامل ہوں گے' تو کشمیر لازماً پاکستان کا حصہ ہے اور اگر کشمیر پاکستان میں شامل نہیں ہوتا تو اس نظریے کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آ گرے گی اور کانگریس کے سیاسی مدبرین اس بنیاد ہی کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جس پر پاکستان وجود میں آیا تھا۔ پس بھارت کشمیر کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے' کشمیر کے بغیر پاکستان کا زندہ رہنے کا کوئی امکان نہیں''۔

اعلان سے دنیا بھر کے ضمیر کو زبردست صدمہ پہنچا ہے اور کشمیری عوام دم بخود ہو کر رہ گئے ہیں' کیونکہ ان سے ان گنت وعدے کئے جا چکے تھے کہ ایک آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے ذریعے وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں گے۔ اس قلابازی کے حق میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ پاکستان ''جنوب مشرقی ایشیا کی دفاعی تنظیم (سیٹو) اور معاہدۂ بغداد (سنٹو) میں شریک ہو گیا ہے اور اس نے امریکہ سے فوجی امداد حاصل کر لی ہے۔ اس دلیل کی لغویت بالکل واضح ہے۔ پاکستان نے کچھ بھی کیا ہو یا کچھ بھی کرے' اسے کشمیریوں کی خودارادیت اور اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کے حق سے محروم کرنے کا جائز سبب نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے علاوہ بھارت کے وزیراعظم اس اندیشے کی جانب بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ اگر کشمیریوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تو بھارت میں فرقہ وارانہ جذبات مشتعل ہو جائیں گے' اور اس کی مسلم اکثریت کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی؟ یہ دلیل بھی بہت کمزور ہے۔ کیا بھارت کی سیکولرازم اتنی سطحی ہے کہ کشمیری عوام جیسے ہی اپنا حق خودارادیت بروئے کار لائیں گے' یہ ریت کے گھروندے کی طرح گر پڑے گی۔ کیا بھارت کی نام نہاد سیکولر جمہوریت میں مسلم اقلیت کے ساتھ منصفانہ سلوک کے لئے کشمیریوں کو یرغمال کے طور پر رکھا جائے گا؟ بھارت نے کشمیریوں سے بار بار وعدہ کیا تھا کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ وہ خود ایک آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے ذریعے کریں گے۔ کیا یہ وعدہ صرف اس صورت میں پورا ہونا تھا کہ بھارت کے حق میں فیصلہ یقینی ہو؟'' (جیل سے سلامتی کونسل کے صدر کے نام خفیہ خط۔ اوائل 1957ء)

رام جیٹھ ملانی

میرا پختہ یقین ہے کہ جب تک آپ پرانا موقف نہیں بدلیں گے' آپ اس تنازعے کو حل نہیں کر سکتے' سودے بازی کے بغیر تنازعے کا کوئی حل تلاش کرنا ممکن نہیں۔ آج کشمیر میں وہ عناصر جنہیں بھارت دشمن اور انتخاب مخالف خیال کیا جاتا تھا' تنازعے کے حل کے لئے کسی سمجھوتے پر پہنچنے کے لئے مذاکرات پر تیار ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کچھ ماننے کے لئے تیار ہیں۔ یہ چیز دو انتہاؤں کے درمیان ہے' کسی سمجھوتے کی اہم خصوصیت یہ ہوگی' سخت گیر موقف ترک کر دیا جائے۔ ایک طرف ہمارے لئے بی جے پی کا انتہاپسند موقف ہے کہ آئین کی دفعہ 370 ختم کر دی جائے جو ریاست جموں و کشمیر کو خصوصی درجہ دیتی ہے' جبکہ دوسری طرف ہمیں علیحدگی پسندی کا سامنا ہے۔ تنازعے کا حل ان دو انتہاؤں کے درمیان ہے۔ صرف اسی صورت میں سمجھوتا ہو سکتا ہے۔

کوئی بھی معقول شخص کشمیر جیسے مسئلے سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ یہ ایک رستا ہوا ناسور ہے' ایسا ناسور جو خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس تنازع میں میری دلچسپی اس وقت شروع ہوئی جب میں مرکزی حکومت میں وزیر تھا۔ کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تنازعہ کشمیر بین الاقوامی مسئلہ نہیں۔ بین الاقوامی مسئلہ وہ ہوتا ہے جو دو یا دو سے زائد قوموں کے درمیان تنازعہ ہے۔ چنانچہ یہ کہنا غلط ہے کہ کشمیر بین الاقوامی تنازعہ نہیں۔ ہم اقوام متحدہ کے رکن ہیں' اقوام متحدہ کا ایک ادارہ ہے سیکورٹی کونسل' جس کے ذمے دنیا میں امن و امان کی نگرانی ہے۔ جہاں کہیں جنگ ہوتی ہے' سیکورٹی کونسل وہاں کود پڑتی ہے' چنانچہ کیسے ممکن ہے کہ تنازعہ کشمیر عالمی تنازعہ نہیں ہے' میں اس منطق کو سمجھ نہیں سکا۔ ہم احمقانہ جھگڑوں میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ جب کولن پاول کہتا ہے کہ کشمیر عالمی ایجنڈے پر ہے تو ہم محاذ کھڑا کر دیتے ہیں' یہ بچگانہ حرکت ہے۔ صرف جاہل اور بے علم لوگ اس طرح کی بات کر سکتے ہیں۔

میں تنازعہ کشمیر پر ایک آزاد فرد کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔ کشمیر میں لوگ میری باتوں پر اس لئے توجہ دیتے ہیں کہ میں معقول بات کرتا ہوں اور بی جے پی اور کانگریس کے سخت گیر موقف رکھنے والوں کی طرح نہیں سوچتا۔ ہمارا آئین کہتا ہے کہ بھارت تمام تنازعات کو مصالحت کے ذریعے حل کرے گا' وہ تو ثالثی کے لئے بھی تیار نہیں۔ ثالث آپ پر کوئی حل مسلط نہیں کرتا' تاہم وہ اچھے اور مفید مشورے ضرور دیتا ہے۔ میرے خیال میں یہ کہنا بڑی احمقانہ بات ہے کہ ہم ثالثی قبول نہیں کریں گے۔

ثالثی قبول نہ کرنے کی صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ ہم دونوں اتنے عقلمند ہیں کہ باہمی مذاکرات کے ذریعے تنازعہ حل کر سکتے ہیں۔ یہی چیز کشمیری چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس طرح کے مذاکرات شروع کئے جائیں جن پر پرانے موقفوں سے برات کر کے تنازعے کا ایسا حل تلاش کیا جائے جو ریاست کے باشندوں کے لئے مفید ہو' بھارتی نقطہ نظر سے بہتر ہو اور جو بالآخر بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ کو ٹال دے۔ کشمیریوں کو مذاکرات میں شامل کرنا ضروری ہے۔

سردار محمد ابراہیم خان

اپنے سو سالہ دورِ حکومت (1846ء تا 1946ء تک) کشمیر کے ڈوگرا ہندو حکمرانوں نے 28 وزرائے اعظم مقرر کئے تھے۔ ان میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ مسٹر نہرو کے آزاد بھارت میں انڈین نیشنل ڈیفنس اکیڈمی کے 1954ء کے امتحان میں ایک سو انتیس امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔ ان میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ اسی سال بھارتی فضائیہ کے امتحان میں اٹھاسی امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔ ان میں بھی کوئی مسلمان نہیں تھا۔

کشمیری مسلمانوں اور برطانوی ہند میں بسنے والے ان کے بھائیوں نے برصغیر میں اپنے لئے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ جن مقاصد کے پیش نظر کیا تھا ان میں بقائے نفس کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ ہمارے ہندو حکمران ہمارے لئے بالکل بیگانے تھے اور ان کے عہد حکومت میں ہم کشمیری عوام خود اپنے وطن میں غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ برطانوی ہند کے مسلمانوں نے جمہوریت کی ارتقاء پذیر طاقتوں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگا لیا کہ ہندو کی بھیانہ اکثریت بالآخر ان کے اوپر غلبہ حاصل کرے گی۔ مسٹر نہرو کے سیکولر

بھارت نے ان اندیشوں کو بالکل صحیح ثابت کر دیا ہے۔ حالیہ واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ کشمیری مسلمانوں کا یہ فیصلہ کہ وہ اپنی قسمت پاکستان سے وابستہ کر دیں اور پاکستان کا یہ تہیہ کہ وہ مسلمانوں کا ملجا و ماویٰ بنا رہے بالکل صحیح تھا۔ اسی طرح کافی عرصہ قبل جب ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اپنی قومی خودمختاری دوبارہ حاصل کر لیں تو اس کی بھی محرک ہماری ماضی کی تاریخ ہی تھی۔ ممکن ہے کہ بعض نیک نیت غیر ملکی مبصر مسٹر نہرو کی دورخی سے اب بھی فریب کھا جائیں لیکن ہم کشمیری مسلمان بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے وطن پر انکا حملہ صریحی طور پر پاکستان پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لینے کا پیش خیمہ تھا۔ مسٹر نہرو ایک سیکولر نظام کا بڑے جوش و خروش سے پرچار کرنے اور کامیاب بنانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں اور پاکستان پر قبضہ اس عمل کا آخری قدم ہوگا۔

کشمیر کا مسئلہ بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ کشمیر کے عوام پاکستان سے الحاق کرنا چاہتے تھے۔ مہاراجہ بھارت سے مل جانا چاہتا تھا اس لئے وہ قتل عام پر اُتر آیا۔ عوام نے بغاوت کی اور اسے تخت و تاج سے محروم کر دیا۔ مہاراجہ نے بھارت سے فوجی امداد کے لئے اپیل کی اور مسٹر نہرو نے اپنی فوجیں روانہ کر دیں۔ بعد میں اس لڑائی نے بھارت اور پاکستان کی جنگ کی صورت اختیار کر لی لیکن اقوام متحدہ کی مداخلت پر لڑائی روک دی گئی۔ فریقین میں طے پایا کہ ہر جانب سے فوجی انخلا کے بعد استصواب رائے کیا جائے گا۔ اب بھارت اپنی جارحانہ کارروائی کو کالعدم قرار دینے سے انکار کر رہا ہے اور اس کے لئے جو عذر پیش کر رہا ہے وہ بالکل لغو ہیں۔ وہ جو اعتراضات کر رہا ہے وہ اس سمجھوتے کے دائرے سے باہر ہیں اور ان کا اصل مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو سیدھے سادے الفاظ میں صرف اتنا ہے کہ ''ایک ایسی فضا میں جو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو عوام کی مرضی معلوم کی جائے۔ یہ مقصد حاصل کرنا آسان ہے۔ اقوام متحدہ کی فوج اگر سینا اور سویز کے علاقے میں برطانیہ اور فرانس کی مسلح افواج کی جگہ لے سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ کشمیر میں بھارتی اور پاکستانی فوجوں کی جگہ بھی نہ لے سکے۔ (سردار ابراہیم خان)

جسٹس (ر) راجہ افراسیاب خان

پاکستان خلوصِ نیت سے مسئلہ کشمیر کا حل عوام کی خواہش کے مطابق چاہتا ہے مگر بھارت نے ہمیشہ ٹال مٹول کی پالیسی پر عمل کیا ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے پاکستان اور بھارت کے درمیان چار جنگیں ہو چکی ہیں اور اب بھی بدستور جنگ کا خطرہ موجود ہے۔ دونوں ملک ایٹمی طاقت کے حامل ہیں۔ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مسئلہ کشمیر کو کشمیریوں کی خواہش اور مرضی سے پرامن طور پر حل کر لیا جائے۔ جنگ سے مسئلہ کشمیر حل نہ ہوگا بلکہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ ان حالات اور واقعات کے پیش نظر دس نکاتی فارمولا غور و فکر کے لئے مندرجہ ذیل شکل میں پیش کیا جا رہا ہے:

(1) ریاست جموں و کشمیر کے لوگ اقوام متحدہ کی زیر نگرانی آزادانہ اور منصفانہ رائے شماری سے ریاست کا الحاق پاکستان یا بھارت میں سے کسی ایک کے ساتھ کریں گے۔ اس موضوع پر سلامتی کونسل کی 1948ء، 1949ء اور 1957ء کی قراردادیں موجود ہیں۔ یہ ایسا حل ہے جس پر کسی کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ یہ فیصلہ بھارت کی مرضی اور اس کی موجودگی میں ہوا تھا۔ میرے نزدیک رائے شماری مسئلہ کشمیر کا بہترین حل ہے۔

(2) پاکستان یک طرفہ طور پر زیرِ احتجاج سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق رائے شماری کا بندوبست کرے جس میں مقبوضہ کشمیر سے آئے ہوئے 20 لاکھ مہاجرین' آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان کے لوگ حصہ لیں اور ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ ایسی صورت میں یقینی طور پر لوگ پاکستان کے حق میں اپنی رائے کا استعمال کریں گے اور اس طرح ساری ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہو جائے گا۔ یہ فیصلہ اس وقت تک حتمی تصور نہ کیا جائے جب تک کہ بھارت رائے شماری کے لئے تیار نہ ہو جائے۔ صدارتی قومی کشمیر کمیٹی نے بھی میری اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔

(3) آزاد کشمیر اور پاکستان جمہوری' سیاسی' اقتصادی اور معاشی میدان میں اس قدر ترقی کریں جس سے مقبوضہ کشمیر کے لوگ متاثر ہوں اور وہ خود پاکستان کے ساتھ شامل ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار ہوں۔ جرمنی کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ میری تجویز ہے۔

(4) تمام ریاست جموں و کشمیر کو کم از کم دس سالوں کے لئے ''یو این او'' کے حوالے کر دیا جائے اور وہی اس کے نظم و نسق کو چلائے۔ بعد ازاں لوگوں کی رائے سے ان کے مستقبل کا فیصلہ کرے۔ (اس تجویز پر عمل کرنا مجھے ناممکن نظر آتا ہے)

(5) ریاست جموں و کشمیر کو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر تقسیم کر دیا جائے۔ پچاس فیصد مسلمانوں کے علاقے پاکستان اور پندرہ فیصد علاقے بھارت کے حوالے ہو جائیں۔ تقسیم اس طرح کی جائے جس طرح پنجاب' بنگال اور آسام کی کی گئی تھی۔ مناسب موقع اور وقت پر اس تجویز پر گفت و شنید کے لئے غور ہو سکتا ہے۔

(6) ریاست جموں و کشمیر سے بھارت اور پاکستان کی تمام افواج کو باہر نکال لیا جائے اور آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کی موجودہ حکومتیں اور لوگ باہمی گفت و شنید سے اپنی آزادانہ مرضی اور خواہش سے ریاست کے مستقبل کا حل خود تلاش کریں۔ لوگوں کو ایک دوسرے سے ملنے کے لئے تمام معروف راستے کھول دیئے جائیں۔

(7) ریاست جموں و کشمیر کو ''پاکستان اور بھارت'' کی طرح ایک ازاد اور خودمختار ملک کا درجہ دے دیا جائے۔ شیخ عبداللہ اور اس کی حامی جماعت نیشنل کانفرنس اس حل کی داعی ہے۔ نمبر 7 اور 8 پر درج شدہ حل شیخ عبداللہ کے دماغ کی پیداوار نظر آتے ہیں۔

(8) ''پاکستان' بھارت اور ریاست جموں و کشمیر کنفیڈریشن کی شکل اختیار کر لیں''۔ میرے خیال میں شیخ عبداللہ 1964ء میں یہ تجویز لے کر پاکستان آئے تھے۔

(9) ''ساری ریاست جموں و کشمیر پر پاکستان اور بھارت کا مشترکہ کنٹرول ہو جائے۔ لائحہ عمل دونوں ملکوں کی رضامندی سے تیار کیا جائے''۔ (ایسا ہونا مجھے ممکن نظر نہیں آتا)۔

(10) ''کنٹرول لائن کی بنیاد ریاست کو دو حصوں میں تقسیم میں تقسیم کر دیا جائے یعنی کنٹرول کو بھارت اور پاکستان کے درمیان مستقل سرحد تصور کر لیا جائے''۔ آزاد کشمیر کے کچھ سیاست دان اس قسم کی سوچ رکھتے ہیں۔

ایاز امیر (کالم نویس)

ایک ایسے حل کی بات کرنا جو تینوں فریقوں یعنی بھارت' پاکستان اور کشمیریوں کے لئے قابل قبول ہو بڑا اچھا لگتا ہے لیکن اس کا حقیقت پسندانہ اور قابل عمل ہونا یقینی نہیں۔

اگرچہ پاکستان کھل کر یہ بات نہیں کہتا تاہم اس کی دلی خواہش ہے کہ کشمیر کو فرقہ وارانہ بنیاد پر تقسیم کیا جائے' جس کے نتیجے میں وادی پاکستان سے الحاق کر لے یا اسے کسی طرح کا بین الاقوامی درجہ دے دیا جائے۔ کشمیریوں کا ایک حصہ پاکستان سے الحاق کا حامی ہے' تاہم ان کی اکثریت آزادی کے حق میں ہے' ان دونوں گروپوں کو آپ کیسے مطمئن کریں گے؟

اس سلسلے میں آئرش حل کی مثال دی جا سکتی ہے۔ جس کی بنیاد شمالی آئرلینڈ کے ساتھ ''گڈ فرائیڈے'' کو طے پانے والے معاہدہ پر رکھی گئی تھی جس کے مطابق شمالی آئرلینڈ کی جداگانہ حیثیت برقرار رکھتے ہوئے ایک اسمبلی کا قیام عمل میں لایا گیا جس میں شمالی علاقہ سے تعلق رکھنے

والے دونوں گروپوں (یونینسٹ اور ری پبلکن) کو نمائندگی دی گئی۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کشمیر میں آئرش ری پبلکن آرمی طرز کی کوئی تنظیم موجود نہیں جو جملہ کشمیری مسلمانوں کی نمائندگی کرے اور دوٹوک الفاظ میں فیصلہ کر سکے کہ مسلح جدوجہد کرنی چاہئے یا نہیں؟

شمالی آئرلینڈ میں آئی آر اے نے سیاسی جدوجہد کی رہنمائی کی اور مسلح دستوں کی کمان بھی۔ اس نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کیا اور جدوجہد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس کے برعکس پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے کشمیر میں تحریک آزادی کو اپنے کنٹرول میں رکھا اور اسے آزادانہ انداز میں آگے نہیں بڑھنے دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آل پارٹیز حریت کانفرنس سیاسی جدوجہد کو خود کنٹرول کر رہی ہے۔ جس کا توپ و تفنگ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ادھر پاکستان کی اکثر جہادی تنظیمیں پرائیویٹ حلقوں سے مالی امداد حاصل کرتی ہیں۔

یہ اسی قسم کی صورت حال ہے جس سے افغان جنگ میں پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو اس وقت واسطہ پڑا جب انہوں نے افغانستان کی تحریک مزاحمت کو اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہا [illegible] کے دوران وہ کبھی ایک پٹھو کے سر پر ہاتھ رکھتی تھیں' کبھی دوسرے کے سر پر۔ اس سلسلہ میں کشمیر کی بات [illegible] پاکستان کا [illegible] ایک موقف ہے اس پر قائم رہتے ہوئے [illegible] لائن کو عارضی سرحد تسلیم کیا جائے [illegible] کشمیریوں کے حق خود ارادیت [illegible] کرنی چاہئے۔ ہمیں اپنے اس موقف سے ایک انچ نہیں ہٹنا چاہئے۔ جنرل مشرف اس موقف کو ترک کرنے کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے [illegible] چاہئے۔ اگر ہم اقوام متحدہ کی قراردادوں سے پیچھے ہٹ گئے تو کہیں کے نہیں رہیں گے۔ یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ کشمیر کا مسئلہ بہت جلد حل ہونے والا نہیں [illegible] قسم کے پیچیدہ مسئلے کو طے کرنے کے لئے [illegible] کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہم نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو آسانی اور خاموشی [illegible] حالانکہ وہ ملک کا نصف حصہ تھا۔ کشمیر تو [illegible] ہند کے اس پلان میں [illegible]

ہم پر عرصہ دراز سے جی ایچ کیو [illegible]

ہمیں یہ تکرار ترک کر دینی چاہئے کہ کشمیر بنیادی مسئلہ ہے۔ اس بات کو بار بار دہرانے کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں کہ فوج مقدس ترین گائے بنی رہے اور اس پر اٹھنے والے بے تحاشا اخراجات بدستور اٹھتے رہیں۔ ہمیں اپنی ضرورت کے مطابق فوج رکھنی چاہئے آج کل فوج کی تعداد اس وقت سے بھی زیادہ ہے جب مشرقی و مغربی دونوں اکٹھے تھے۔ دوسری طرف ہم جمہوریت کی حالت زار پر کف افسوس ملتے ہیں۔ جبکہ ہم خود اسے پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیتے۔

اس سوال پر بھی غور کریں کہ تحریک پاکستان کا بنیادی مقصد تمام مسلمانوں کے لئے آئینی تحفظ نہیں حاصل کرنا تھا۔ قیام پاکستان کے نتیجہ میں ہوا یہ کہ مسلم اکثریت والے علاقے (پنجاب' سندھ' سرحد' بلوچستان) تو پاکستان میں شامل ہو گئے جبکہ مسلم اقلیت والے علاقے بھارت میں رہ گئے۔ ہم انہیں تحفظ تو فراہم نہیں کر سکتے۔ اتنا تو کر سکتے ہیں کہ انہیں نقصان پہنچانے والی پالیسیاں بنانا ترک کر دیں۔

بھارت کا دورہ کرتے ہوئے وہاں کے مسلمانوں کی طرف سے عموماً یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ کشمیریوں کو انڈین یونین سے الگ نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے ایک تو سیکولرزم پر حرف آئے گا دوسرے ان کی اجتماعی قوت کو نقصان پہنچے گا۔ سیاسی معاملات میں خلوص کی بات کرتے وقت ایسے تمام عوامل کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

آغا شاہی (سابق وزیر خارجہ)

پاکستان اور بھارت اگر دوطرفہ تعلقات کے سلسلے میں پُرامن بقائے باہمی کے ان پانچ اصولوں پر عمل کریں جن کا تعین نصف صدی پہلے چین اور بھارت نے کیا تھا تو انہیں متوازن و معتدل تعلقات کے تناظر میں صحیح راستہ دستیاب ہو جائے گا۔ ماضی کے عشروں میں پاکستان نے متعدد مرتبہ بھارت کو عدم تشدد اور جنگ نہ کرنے کی پیشکش کی جسے بھارت نے ہر بار ٹھکرا دیا۔

ایک دوسرے پر بالادستی اور غلبہ حاصل کرنے کی خواہش کے استرداد اور تنازعات کے منصفانہ اور پُرامن حل کے لئے باہمی مذاکرات کے اہتمام اور 56 برسوں کے قدیم مسئلہ جموں و کشمیر کے منصفانہ اور مساویانہ حل کی تلاش [illegible] جو دونوں ملکوں کے درمیان دو جنگوں کا باعث بنی اور اب بھی کشیدگی کی وجہ ہے ایسا حل تلاش کیا جا سکتا ہے جو پاکستان ہندوستان اور کشمیر کے عوام کو قابل قبول ہو۔ کشمیر [illegible]

جو گزشتہ نصف صدی سے آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ کیا ان کے مطالبات اور خواہشات کو جنگ بندی کی لکیر یا لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد کی صورت دے کر ٹھکرا دی جائے؟ پاکستان اور ہندوستان نے ان کو استصواب کا حق دینے کا وعدہ کر رکھا ہے اور بین الاقوامی برادری نے بھی اس قرارداد پر مہر تقدیس ثبت کر رکھی ہے۔ کیا اسے معرض خطر میں ڈال دیا جائے؟

اس وقت پاکستان اور ہندوستان کے درمیان مذاکرات کرنے کے لئے حالات سازگار ہیں اور وہ اپنے دیرینہ اختلافات اور مسائل پر جن میں جموں اور کشمیر ''کور ایشو'' بھی شامل ہے' مذاکرات کا انعقاد کر سکتے ہیں۔ اس نوع کے ایجنڈے میں اعتماد کی بحالی اور سیکورٹی کے اقدام کے علاوہ ایٹمی پیش قدمی اور جوہری توانائی کے خطرات وغیرہ کو کم کرنا بھی شامل ہے۔ دونوں ملکوں کی ملحق سرحدوں کے پیش نظر ایٹمی میزائلوں کے حملے کے لئے صرف دو یا تین منٹ درکار ہوں گے اور یہ وقت اتنا کم ہے کہ حادثاتی یا کسی حکم کے تحت میزائل کی وارننگ پر عمل ممکن نہیں۔ ان حالات میں دانشمندی یہ ہوگی کہ ایٹمی ہتھیاروں کو تیار حالت میں نہ رکھا جائے اور انہیں میزائلوں سے بالکل علیحدہ کیا جائے نہ ان کو فوری فائرنگ کے لئے میزائلوں پر رکھا جائے۔ تاہم اس امر کی تصدیق میں مشکلات حائل ہیں۔

اب اس قسم کی باتیں بھی سامنے آرہی ہیں کہ دونوں ممالک اپنی نیوکلیئر ڈاکٹرائن کو باہمی طور پر ایک دوسرے کے قابل قبول اور موافق بنائیں۔ تاہم ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ زیادہ موزوں اور اعتماد کی بحالی کا بہتر وسیلہ بن سکتا ہے۔

جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ

یہ قدرت کا کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کے ہاتھوں جہادی تحریکوں کو نئی جلا بخشی ہے۔ مثلاً سوویت یونین کی جارحیت کے خلاف امریکیوں کے ہاتھوں' چالیس مسلمان ملکوں سے آئے ہوئے ہزاروں جہادیوں کو تربیت دلوائی' ہتھیار مہیا کئے اور روسیوں کے خلاف جنگ کا تجربہ دلوایا اور جب روسی پسپا ہو گئے تو یہ جہادی اس سمت چل پڑے جہاں جہاں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے اور مسلمانوں نے ظالموں کے خلاف ہتھیار اٹھا رکھے تھے مثلاً بوسنیا کا سربوں کے خلاف' چیچنیا کا روس کے خلاف' فلسطینیوں کا یہودیوں کے خلاف' افغانستان کا روسیوں کے خلاف اور کشمیر کا ہندوؤں کے خلاف جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ [illegible] اسلام کی ظلم اور ناانصافی [illegible]

کے خلاف جنگ ہے اور یہی اسلامی دنیا کی قوتیں ہیں جن کے ہاتھوں میں اسلام کا مستقبل ہے۔ کوئی بھی حکومت ان جہادیوں کے عزائم نہیں توڑ سکتی' یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان عالمی دباؤ میں آ کر کشمیر پالیسی تبدیل کر سکتا ہے؟ میری ذاتی رائے میں پاکستان ایسا نہیں کر سکتا۔ افغانستان میں پاکستانی حکومت نے جو پالیسی اختیار کی اسے کشمیر میں نہیں دہرایا جا سکتا' کیونکہ یہ فیصلہ اب حکومت کے ہاتھوں میں نہیں رہا' یہ فیصلہ تو ان جہادی قوتوں کے ہاتھوں میں ہے جن کا تعلق ان چالیس ممالک سے ہے جنہیں امریکیوں کے ہاتھوں تربیت اور تجربہ حاصل ہوا۔ ان جہادی قوتوں کو کسی بھی نام سے یاد کر لیں کچھ فرق نہیں پڑتا' خواہ انہیں القاعدہ کہہ لیں یا طالبان اور دہشت گرد کہہ لیں' یہ اس وقت تک برسرپیکار رہیں گے جب تک ظلم و ستم کے اسباب ختم نہیں ہو جاتے۔

کشمیر کی تحریک آزادی کے خلاف بھارت کی ناکامی نے بھارت کو امریکہ کا سہارا لینے پر مجبور کیا اور بھارت و امریکہ کے گٹھ جوڑ کا سبب بنا' گیارہ ستمبر کے واقعہ کے بعد جس طرح الیکٹرونک میڈیا نے امریکہ کا غرور ٹوٹتے ہوئے دکھایا اور اس کی قومی سلامتی کو چوٹ لگی کہ امریکی قوم کا جذبۂ انتقام جوش میں آیا اور جس طرح **1945**ء میں ''پرل ہاربر'' کا بدلہ جاپان پر ایٹم بم گرا کر لیا گیا تھا' اسی طرح امریکہ نے گیارہ ستمبر کا بدلہ افغانستان میں بے گناہ معصوم باشندوں کا قتل عام کر کے لیا اور اب انتقام کا رخ کشمیر کی جانب ہے کیونکہ الزام ہے کہ القاعدہ' طالبان اور اسلامی دہشت گردوں نے کشمیر کا رخ کیا ہے جہاں بھارت نے بھرپور جنگ کی بساط بچھائی ہوئی ہے۔

حال ہی میں سلامتی کونسل نے قرارداد **1373** منظور کی ہے جس کے مطابق جو بھی جہادی تحریکیں چل رہی ہیں' وہ سب کی سب دہشت گرد قرار دی گئی ہیں' جس کے سبب ظلم و بربریت قائم رکھنے والی قوتوں کو تقویت ملی ہے۔ لیکن قازقستان کے دارالخلافہ الماتی میں جو اعلانیہ جون **2002**ء میں جاری ہوا۔ اس میں حق رائے دہی کو جائز قرار دیا ہے جو کشمیر کی جنگ آزادی کا مطالبہ ہے' جو پاکستان کا مطالبہ ہے اور اس مطالبے سے پاکستان روگردانی نہیں کر سکتا۔

پاکستانی قوم اور حکومت کو موجودہ حالات میں صبر و استقامت سے کام لینا چاہئے۔ ہمارے سیاسی اختلافات حکومت سے خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں لیکن قومی سلامتی پر ہمارا حکومت سے کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ملک کی سیاسی قوتوں کو اعتماد میں لے۔ فوج اور عوام کے دمیان تصادم کی فضا کو ختم کیا جائے۔

ہماری کشمیر پالیسی اصولوں پر مبنی ہے' جس کی بنیاد کشمیریوں کا حق خود ارادیت ہے' جسے الماتی کانفرنس نے بھی تسلیم کیا ہے اور اسی بنیاد پر کشمیریوں کی جنگ آزادی کی حمایت پاکستان پر لازم ہے۔ کشمیر کی جنگ آزادی کا آغاز تو ڈیڑھ صدی قبل ہوا تھا جب انگریزوں نے تھوڑی سی رقم کے عوض کشمیریوں کو ہندو راجہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ **1947**ء میں جب پاکستان آزاد ہوا تو کشمیر کی جنگ آزادی کو نئی جلا ملی اور یہ تحریک اب اس مقام کو پہنچی ہے جہاں بھارت کی عسکری قوت اسے دبانے میں ناکامی کے بعد امریکہ کی بیساکھیوں کا سہارا ڈھونڈ رہی ہے جبکہ کشمیریوں کا سہارا اللہ کی وہ مضبوط رسی ہے جو انہوں نے تھام رکھی ہے جس کے خلاف ظلم و ستم' ناانصافی اور ریاستی دہشت گردی کی تمام طنابیں ٹوٹ جائیں گے جو ظالم قوتوں نے کھینچ رکھی ہیں۔ یہ طنابیں کب ٹوٹیں گی' اللہ بہتر جانتا ہے تحریک آزادی تو صرف اپنے مقصد پر نگاہ رکھتی ہے' کیونکہ منزل خود اس کی چشم براہ ہوتی ہے۔

افغانستان میں جب امریکہ کی جنگ جاری تھی تو کولن پاؤل پاکستان آئے اور بھارت بھی گئے جہاں انہوں نے ایک سمجھوتے پر دستخط کئے اور اعلان کیا کہ افغانستان میں جنگ ختم ہونے کے بعد امریکہ کشمیر کے مسئلے پر بھارت کی بھرپور مدد کرے گا اور غالباً یہ یقین دہانی بھی کرائی گئی کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر امریکہ پورا کنٹرول رکھے گا۔ اس بات سے بھارت کو شہہ ملی اور اس نے اپنی تمام فوج پاکستان کی سرحد پر لگا دی اور بڑی جارح سفارتی حکمت عملی کا آغاز کیا تا کہ دھونس' دھاندلی اور خوف سے دبا کر پاکستان کو کشمیر پالیسی یکسر تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ لیکن یہ دھونس اور دھاندلی کی پالیسی کامیاب نہیں ہوئی۔ پاکستان کا ایٹمی پروگرام بدستور پاکستان کے مکمل اختیار میں ہے اور اس کی ایٹمی صلاحیت نے بھرپور طریقے سے بھارت کے دل و دماغ پر خوف و ہراس طاری کر رکھا ہے جبکہ بھارت کی روایتی جنگ کی صلاحیت محدود ہے کیونکہ اس کی زمینی فوج کا زیادہ حصہ کشمیر میں پھنسا ہوا ہے' اور وہ پاکستان کے خلاف فیصلہ کن جنگ نہیں کر سکتا ہے۔ بھارت کا اب مخمصہ یہی ہے کہ ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' بھارت اپنی فوج اگر سرحدوں سے ہٹائے تو اپنی قوم کو کیا جواز پیش کرے گا' کیا بتائے کہ اس نے کیا حاصل کیا اور کشمیر کے مسئلے پر اپنے حق میں فیصلہ کرانے کا ڈرامہ کس طرح فلاپ ہوا ہے۔

پاکستانی حکومت نے کشمیر کی جنگ آزادی کا ساتھ دیا کیونکہ یہ جنگ حق و انصاف پر مبنی ہے اور حق کا ساتھ دینے کے نتیجے میں مشیت ایزدی نے دشمنوں کے ہاتھوں مسئلہ کشمیر کو ساری دنیا میں روشناس کرایا ہے۔ کہ یہ سب سے خطرناک مسئلہ ہے جو حل طلب ہے۔ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت نے ایک حقیقت بن کر بھارت کے ایٹمی بلیک میل کو رد کر کے ڈیٹرنس (Deterrence) کا توازن برقرار رکھا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمام تر عددی برتری حاصل ہونے کے باوجود بھارت کی روایتی فوج پاکستان کے خلاف جارحیت کی صلاحیت نہیں رکھتی' یہ باتیں معجزہ سے کم نہیں ہیں۔ حق و باطل کی جنگ میں قوموں کی بقاء کا فلسفۂ حیات یہی ہے۔

چودھری محمد خان (کشمیری رہنما)

11 ستمبر کے واقعہ کے بعد سے ہندوستان نے ہمارے خلاف پروپیگنڈے میں بڑی شدت پیدا کر دی ہے۔ وہ یہ بے بنیاد پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ کشمیری عوام دہشت گرد ہیں' اس نے پاکستان پر الزام لگایا کہ ہندوستان میں اور مقبوضہ کشمیر میں پاکستان دہشت گردی پھیلا رہا ہے' پاکستان در اندازی کر رہا ہے۔ ہندوستان کے کسی کونے میں کوئی حادثہ ہو جائے تو اس کا الزام پاکستان پر لگا دیا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں پاکستان پر دوہری ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں کہ ایک طرف تو وہ مسئلہ کشمیر حل کرانے کیلئے حسب سابق کوشش کرے' دوسری طرف اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے کشمیر کی تحریک کا مضبوط جواز فراہم کرے۔ پاکستان کو ہر سطح پر یہ باور کرانا چاہئے کہ کشمیریوں کی تحریک آزادی کوئی نئی نہیں یہ تو **1931**ء سے چل رہی ہے اور وہ آزاد ہونے کا فطری حق حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ مسئلہ کشمیر' پاکستان نے یا کسی اور نے باہر سے پیدا نہیں کیا بلکہ یہ بھارت کا پیدا کردہ ہے جس نے زبردستی کشمیر پر قبضہ کر رکھا ہے۔ پاکستان کا کشمیر کے اندر جدوجہد میں کوئی ہاتھ نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے بارڈر سے لوگوں کو بھیج رہا ہے بلکہ کشمیری خود اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ دراصل یہ ہندوستان ہی ہے جو ریاستی دہشت گردی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس نے ریاست میں سات لاکھ سے زیادہ فوج مسلط کر رکھی ہے۔ گزشتہ دس بارہ سال میں **80** ہزار کشمیری شہید کر دیئے گئے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر برطانیہ اور یورپی یونین کو بتانے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان جو پروپیگنڈہ کر رہا ہے وہ قطعاً بے بنیاد ہے' کشمیر پر اس کا موقف غلط ہے اور ہمارا موقف درست اور منصفانہ ہے۔

سید صلاح الدین (امیر حزب المجاہدین)

کیا عالمی سطح پر ہونے والی سفارتی کوششوں' امریکی ایلچیوں کی خطے میں مسلسل آمد و رفت' روس کی دلچسپی اور دیگر درپردہ محرکات کے نتیجے میں بھارت مسئلہ کشمیر پر بامقصد مذاکرات پر آمادہ ہو جائے گا؟ میرا جواب ہے ہرگز

نہیں۔ بھارت مذاکرات پر تو ضرور آمادہ ہوگا لیکن بامقصد اور نتیجہ خیز مذاکرات پر نہیں۔ بے نتیجہ مذاکرات خواہ پچاس سال جاری رہیں اسے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ سابق بھارتی وزیراعظم نرسیما راؤ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ہم پچاس سال تک ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہے ہیں' اب میں پچاس سال تک مذاکرات جاری رکھنے چاہئیں۔ بے نتیجہ مذاکرات سے بھارت کا کوئی نقصان نہیں' اصل نقصان تو کشمیریوں کا ہوگا جنہیں مٹانے کے لئے بھارت کو کھلی چھٹی مل جائے گی۔ بھارت کی حکمران پارٹی بی جے پی نے اپنے انتخابی منشور میں یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ پاکستان کے زیر انتظام آزاد کشمیر کو واپس لے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بھارتی وزیراعظم واجپائی اکثر کہتے رہتے ہیں کہ اگر مسئلہ کشمیر پر مذاکرات ہوئے تو اس بات پر ہوں گے کہ پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کے علاقے کو کیسے بازیاب کرایا جائے۔

بھارت نے آج تک یہ اعتراف نہیں کیا کہ کشمیری عوام کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے یا کشمیر اس کا اٹوٹ انگ نہیں بلکہ ایک متنازعہ علاقہ ہے۔ جب تک بھارت کا یہ موقف تبدیل نہیں ہوتا میں حیران ہوں کہ مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگر بیرونی طاقتوں نے مذاکرات کرائے بھی تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا کہ بھارت ان طاقتوں کو ممنون احسان کرنے کے لئے آزاد کشمیر پر اپنے دعوے سے عارضی طور پر دستبردار ہو جائے گا اور اس کے عوض پاکستان سے مقبوضہ کشمیر میں تحریک مزاحمت کے خاتمے کی ضمانت حاصل کرے گا جس نے اس کی معیشت کا دیوالیہ نکال کر رکھ دیا ہے اور وہ مقبوضہ کشمیر میں اپنی فوجی موجودگی برقرار رکھنے کے لئے ۵۲ کروڑ روپے یومیہ خرچ کرنے پر مجبور ہے۔ اگر خدانخواستہ پاکستان دباؤ میں آ گیا اور اس نے کنٹرول لائن کو مستقل سرحد تسلیم کر کے کشمیریوں کی مزاحمت کی اخلاقی اور سیاسی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا تو یقین جانئے کہ پاکستان کی پہلی دفاعی لائن میں شگاف پڑ جائے گا اور اسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بھارتی جارحیت اس کے دروازوں پر دستک دینے لگے گی اور بھارت کی مکار ہندو قیادت آزاد کشمیر ہی نہیں پورے پاکستان پر چڑھ دوڑے گی۔

ہماری پاکستان کے حکمرانوں' اپنے پاکستانی بھائیوں اور پاکستان کے اہل دانش سے درخواست ہے کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں قائم پاکستان کی پہلی دفاعی لائن کو کمزور کرنے کی بجائے اسے مزید مستحکم بنانے پر توجہ دیں۔ بھارتی استعمار کے خلاف کشمیری مجاہدین کے حوصلے بلند کریں اور انہیں بھارتی فوج کے مقابلہ میں ڈٹے رہنے دیں' آپ دیکھیں گے کہ بھارتی فوج جس کے اعصاب مضمحل ہو چکے ہیں' تا دیر کشمیریوں کی تحریک مزاحمت کا مقابلہ نہ کر سکے گی اور اسے ہماری شرائط پر کشمیر چھوڑنا پڑے گا۔ اگر ہم خود حوصلہ چھوڑ بیٹھے اور ہر الزام اپنے سر لیتے اور پسپا ہوتے چلے گئے تو ہمارے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی چلی جائے گی اور ایک وقت آئے گا کہ ہم زمین آسمان کے درمیان معلق ہو کر رہ جائیں گی۔ یہ اعصاب اور قوت ارادی کی جنگ ہے اور اس جنگ میں ہمیں ہر حال میں استقامت دکھانی ہے۔ یہ پاکستان کی بقاء کا سوال ہے اور جو دانشور یہ شوشہ چھوڑتے ہیں کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے تو ہم گزشتہ پچاس سال سے اس کے بغیر کیسے زندہ ہیں۔ اگر یہ شہ رگ کٹ گئی تو ہماری صحت پر کیا اثر پڑے گا تو میرا جواب یہ ہے کہ ہم کشمیری گزشتہ پچاس سال سے اس شہ رگ کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ کشمیر ابھی پاکستان نہیں بنا لیکن مقبوضہ کشمیر کے چپے چپے پر پاکستان موجود ہے۔ اگر آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس پاکستان کو کھرچ دیا یا کشمیریوں کے دلوں سے اور ان کے گلی کوچوں سے پاکستان کو مٹا دیا تو وہ دن ہوگا جب آپ اپنی شہ رگ اپنے ہاتھوں سے کاٹ پھینکیں گے۔ اس کے بعد پھر آپ کا وجود بھی تحلیل ہو جائے گا۔ خدا نہ کرے وہ وقت آئے لیکن یہ فیصلے کی گھڑی ہے اور اس گھڑی میں آپ نے استقامت کا مظاہرہ نہ کیا تو تاریخ بھی آپ کو معاف نہیں کرے گی۔ ہم کشمیر سے ایک انچ سے بھی دستبردار نہیں ہوئے یا حق خودارادیت کے سوا ہم نے اس مسئلے کا کوئی اور حل قبول کیا تو ہماری بدقسمتی پر مہر لگ جائے گی۔

ہم بحیثیت کشمیری' پاکستان اور بھارت کے درمیانہ دوستانہ تعلقات اور باہمی مفاہمت کے خلاف نہیں' پاک بھارت مذاکرات کو غیر ضروری سمجھتے ہیں لیکن یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ کشمیر سے متعلق مذاکرات سے قبل کشمیر کے کسی معاملے پر نہ تو کوئی فیصلہ کیا جائے اور نہ ہی بنیادی موقف میں کسی قسم کی لچک کا مظاہرہ کیا جائے۔ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ مظفر آباد سری نگر بس سروس کی بھارتی تجویز ایک انتہائی مکارانہ چال ہے جس کے تحت وہ کنٹرول لائن کو مستقل بین الاقوامی سرحد بنانا چاہتا ہے' حکومت پاکستان نے بھی پہلے ہماری رائے کی تائید کرتے ہوئے یہ شرط عائد کی تھی کہ دونوں طرف کے کشمیریوں کو آنے جانے کے لئے اقوام متحدہ کے مبصرین کی طرف سے سفری دستاویزات جاری کی جائیں لیکن بھارتی حکام نے اقوام متحدہ کو ملوث کرنے سے انکار کیا تو حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور وزیر اطلاعات شیخ رشید جو بس سروس کے اجراء کی مخالفت کر رہے تھے انہوں نے بھی نہ صرف یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس سے کوئی قیامت نہیں آ جائے گی بلکہ اب پاکستان کی جانب سے مذاکرات کی تاریخ دے دی گئی ہے۔ ہم ایک بار پھر انتباہ کرتے ہیں کہ اقوام متحدہ کی سفری دستاویزات پر سفر کے علاوہ کشمیری عوام کسی بھی صورت مظفر آباد سری نگر بس سروس کا اجراء نہیں ہونے دیں گے۔ ہم حکومت پاکستان سے ایک بار پھر اس مطالبے کا اعادہ کرتے ہیں کہ مذاکرات میں اصل کشمیری قیادت کی شرکت کو لازمی بنایا جائے۔ پاکستان میں اس وقت جو کشمیری اور غیر کشمیری رہنما جنرل پرویز مشرف سے مل رہے ہیں انہیں کشمیر کی تاریخ وجغرافیہ' تہذیب وروایات کا کوئی علم ہے اور نہ کشمیری زبان سے آگاہی رکھتے ہیں۔ اصل قیادت سے مراد وہ قیادت ہے جو مقبوضہ کشمیر خصوصاً وادی سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو بھی کشمیری قائدین ماننے کے لئے تیار نہیں جو بھارت کے آلہ کار یا کسی ایجنسی سے وابستہ ہیں۔ ہم واضح الفاظ میں یہ باور کرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ کشمیری عوام کی اصل قیادت کو شامل کئے بغیر اور کشمیری عوام کی آرزوؤں اور امنگوں کے منافی کوئی حل قبول نہیں کیا جائے گا۔ کشمیری عوام اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور اگر ان کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کے لئے کوئی ناجائز آپریشن مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے خوفناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو

''ہمیں بار بار' بار بار یہ سوچنا اور دیکھنا چاہئے کہ بھارت جموں وکشمیر پر قبضہ کیوں جمانا چاہتا ہے؟ اس لئے کہ کشمیر کی وادی پاکستان کے جسم کا خوبصورت سر ہے۔ اس کے قبضے سے بھارت مغربی پاکستان کی معیشت کو تباہ کرنے اور فوجی لحاظ سے پاکستان پر غلبہ حاصل کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ یہ قبضہ اخلاق کے ہر اصول اور ہر ضابطے کے خلاف ہے۔ جبکہ پاکستان جموں وکشمیر کے بغیر جغرافیائی اعتبار سے بھی نامکمل ہے اور نظریاتی اعتبار سے بھی۔ اگر پاکستان کسی دھمکی سے مرعوب ہو کر یا تھک ہار کر اپنی جدوجہد آزادی سے ہاتھ اٹھا لے گا' تو یہ خودکشی کے مترادف ہوگا۔ ایک غلط سلط معاہدہ بھی کشمیر سے اعلان دست برداری کے برابر ہوگا۔ یہ دونوں صورتیں پاکستان کی بربادی پر منتج ہوں گی۔ اگر ہم تنازعات کے مساویانہ حل کے بغیر بھارت سے پرامن تعلقات قائم کرتے ہیں' تو یہ پاکستان اور دوسرے پڑوسی ممالک کو انڈیا کے طفیلی سیارچے بنانے اور اس خطے میں انڈیا کی قیادت قائم کرنے کی طرف پہلا بڑا اقدام ہوگا''۔

(کتاب ''آزادی کی کہانی'' سے اقتباس)

پروفیسر خورشید احمد

ہمیں اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اگر آج بھارت کی قیادت کسی درجے میں بات چیت کا عندیہ دے رہی ہے تو اس کی وجہ نہ دل کی تبدیلی ہے' اور نہ دل کی آرزو میں کوئی تغیر۔ یہ محض ان معروضی حالات کا نتیجہ ہے جو جہادی جدوجہد کے نتیجے میں رونما ہوئے ہیں اور جن کے تین پہلو ہیں:

1۔ 53 سال تک جبری قبضے اور گزشتہ بارہ سال میں خصوصی طور پر غیر معمولی عسکری قوت کے بے محابا استعمال اور 70-80 ہزار بے گناہ انسانوں کے قتل کے باوجود بھارت محض عسکری قوت سے اہلِ جموں و کشمیر کو دبانے میں ناکام رہا ہے اور اب ہر سطح پر اس حقیقت کا اعتراف کیا جا رہا ہے کہ جموں و کشمیر کے مسلمان بھارت کے ساتھ کسی صورت میں اور کسی شرط پر بھی رہنے کو تیار نہیں۔ بھارت کے لئے مسئلے کا عسکری حل ممکن نہیں۔ اس کی فوجی قیادت بار بار اس کا برملا اعلان کر رہی ہے اور خود فوج کے بارے میں جو رپورٹیں آ رہی ہیں وہ صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ فوج میں بغاوت' اضطراب' نفسیاتی دباؤ' بے اطمینانی روز بروز بڑھ رہی ہے اور ملک میں بحیثیت مجموعی یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ محض قوت سے کشمیر کو قابو میں نہیں رکھا جا سکتا۔ نیز معاشی اعتبار سے یہ کھیل روز بروز مہنگا ہوتا جا رہا ہے۔ بھارت کے مشہور ماہنامہ سیمی نار نے اپنا دسمبر 2000ء کا پورا شمارہ کشمیر میں پائے جانے والے ان زمینی حقائق کے لئے مخصوص کیا ہے۔ دی ہندو' ہندوستان ٹائمز اور فرنٹ لائن کے مضامین اس بڑھتے ہوئے احساس کا مظہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب مختلف سطح پر کوئی نہ کوئی راستہ نکالنے کی باتیں ہو رہی ہیں لیکن صاف اور سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بجائے ساری توجہ اس پر ہے کہ کسی طرح جہادی دباؤ ختم ہو جائے اور پھر کوئی ایسا کھیل کھیلا جا سکے جس کا سیاسی فائدہ بھارت کو ہو اور اہلِ کشمیر کسی دوسرے جال میں پھنس جائیں۔ نیز پاکستان کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ یہ صرف جہادی دباؤ اور کشمیر کو قبضے میں رکھنے کی قیمت کا ناقابلِ برداشت بنتے جانا ہے جو بھارت کو مذاکرات کی طرف لا رہا ہے اور مزید لائے گا۔

2۔ پاکستان کا اس مسئلے کے بارے میں مضبوط اصولی موقف اور بھارت کے ساتھ پاکستان کا کھل کر ایک نیوکلیئر قوت بن جانا بھی ایک سبب ہے جس کی وجہ سے بھارت یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ جنگ کے دائرے کو بڑھا کر وہ اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتا۔

3۔ عالمی رائے عامہ کا نیا رجحان اس علاقے کو نیوکلیئر جنگ کے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے اسے کشمیر کے مسئلے میں دل چسپی لینے پر مجبور کر رہا ہے۔ دنیا کا ضمیر سو رہا تھا۔ یہ صرف نیوکلیئر استعداد کا اظہار تھا جس نے پی 5 اور جی 7 اور سلامتی کونسل اور خصوصیت سے امریکہ کو اس مسئلے میں دل چسپی لینے پر مجبور کیا اور جس کا اظہار حال ہی میں امریکہ کے چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف جنرل ہنری ہیوگ شیلٹن نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ: "ایشیا کے مستقبل کا فیصلہ کشمیر کی اونچی سرحدوں' ٹوکیو کے اسٹاک ایکسچینج کے فلور اور شنگھائی اور ہانگ کانگ کے خصوصی اقتصادی خطوں پر ہوگا" اس احساس کے باوجود کوشش یہ نہیں ہے کہ اصل مسئلے کو اس کے حقیقی تناظر میں دیکھا جائے بلکہ کوشش یہی ہے کہ کوئی ایسا متبادل راستہ نکال لیا جائے جس سے مسئلہ تحلیل (Diffuse) ہو جائے اور پاکستان کوئی کمزوری نہیں دکھاتا تو یہ عالمی دباؤ بھی لازماً بڑھے گا۔ وقت جہادِ کشمیر کی تحریک کے حق میں ہے۔

ان تینوں عوامل کا نتیجہ ہے کہ بھارت' امریکہ اور متعلقہ حلقوں میں کسی نہ کسی حل کی تلاش کی باتیں ہو رہی ہیں اور اس سلسلے میں پاکستان میں روز بروز دباؤ بڑھ رہا ہے جسے خصوصیت سے دو وجوہ نے تشویش ناک بنا دیا ہے۔

ایک پاکستان کی معیشت اچھی حالت میں نہیں ہے۔ قرضوں کا بوجھ' مہنگائی کا طوفان' بے روزگاری کا سیلاب' بیرونی پابندیوں کی کاٹ' ان سب کا فائدہ اٹھا کر ورلڈ بنک' آئی ایم ایف اور ایشین ڈویلپمنٹ بنک حکومت کو گھیرنے اور کارنر کرنے میں مصروف ہیں اور پھر فوجی حکومت اپنی بین الاقوامی قبولیت میں اضافہ کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ دربدر کی ٹھوکریں کھائی جا رہی ہیں' مجرموں کو فرار کی راہیں دکھائی جا رہی ہیں' امریکہ کی خوشنودی کے لئے وزیر خارجہ اور وزیر خزانہ میٹنگیں کر رہے ہیں۔ اگرچہ چیف ایگزیکٹو نے کشمیر کے مسئلے پر اصولی موقف پر قائم رہنے کا بار بار اعلان کیا ہے' لیکن اس کے ساتھ ہی بھارت سے مذاکرات کی بھیک مانگنا' امریکہ کو خوش کرنے کے لئے کنٹرول لائن سے فوجوں کی واپسی' بھارت کی نام نہاد یک طرفہ جنگ بندی (جب کہ مظالم کا سلسلہ جاری ہے) کے اعلان پر Maximum restraint (انتہائی صبر وتحمل) کا اعلان' ملک میں جہادی تنظیموں کے گرد دائرہ تنگ کرنے کی کوشش' بھارت سے تجارت کی پینگیں بڑھانے کی سعی' حریت کانفرنس کو بھارت سے دوطرفہ مذاکرات کی شہہ' وزارتِ خارجہ کے ترجمان کا حریت کانفرنس کو ایک قسم کا مینڈیٹ دینے کا اعلان' وزیر خارجہ کے پھسپھسے اور ڈانواں ڈول بیانات' اعلانِ لاہور سے نئی وابستگی اور بھارت کی طرف سے ٹریک ٹو اور ٹریک تھری ڈپلومیسی کرنے والے سابق فوجیوں' دانش وروں اور خواتین کی یلغار اور خود ہماری طرف سے نیاز نائیک اور ڈاکٹر مبشر جیسے حضرات کی بھاگ دوڑ اور مخصوص دانش وروں اور کالم نگاروں کا "لچک" (Flexibility) اور "حقیقت پسندی" (Realism) کا درس ...... یہ سب وہ چیزیں ہیں' جو تشویش میں اضافہ کرتی ہیں اور اصولی موقف کو کمزور کرنے والی ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

مسئلہ کشمیر کے حل کی ایک ہی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتیں باہمی بات چیت سے اس کو حل کریں۔ دنیا کی مختلف بڑی بڑی قومیں بار بار یہ کہتی رہی ہیں اور اب بھی بعض کہتی ہیں کہ آپس میں بیٹھو اور گفت وشنید سے اس مسئلے کو حل کرو۔ روس کی حکومت نے بھی یہ دعوت دی کہ آؤ اور ہمارے سامنے بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرو' دیکھنا یہ ہے کہ کیا بات چیت سے ہندوستان کی حکومت کے ساتھ یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ کشمیر کا یہ مسئلہ ہندوستان کی حکومت کی بددیانتی کی کھلی ہوئی تاریخ ہے۔ یہ مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا اگر ہندوستان کی حکومت میں کوئی دیانت موجود ہوتی اس سے بڑھ کر ان کی صریح بددیانتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے کشمیر پر قبضہ کر لیا جو پاکستان سے متصل مسلم اکثریت کا علاقہ تھا۔ پھر ان کے اندر اتنی انسانیت اور اتنا اخلاق بھی موجود نہیں ہے کہ خود اپنے قول وقرار ہی کا کچھ پاس کریں۔ مگر وہ قوم اتنی بداخلاق ہے اور اس کے لیڈر انسانی شرافت سے اس درجہ عاری ہیں کہ اپنے قول وقرار سے پھر جانے اور اپنی بات کو نگل جانے میں بھی انہوں نے کوئی تامل نہ کیا۔ اس کے بعد تمام دنیا کی قوموں کے سامنے 1948ء اور 1949ء میں انہوں نے اقوام متحدہ میں اس بات کو قبول کیا کہ کشمیر کے باشندوں کو رائے شماری کے ذریعہ سے یہ فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے گا کہ وہ ہندوستان و پاکستان میں سے کس کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہے۔ اس قرارداد کو انہوں نے خود مانا اور سالہا سال تک وہ برابر اس کو مانتے رہے۔

سوال یہ ہے کہ جس قوم کی اخلاقی حالت یہ ہو' اس سے بات چیت کرنے کا حاصل کیا ہے؟ ان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے کہ کشمیر پر ان کا کوئی حق نہیں ہے۔ ان کے ایک ایک فرد کا ضمیر اس بات کو جانتا ہے کہ کشمیر مسلم اکثریت کا علاقہ ہے اور لامحالہ اسے پاکستان ہی کے ساتھ شامل ہونا چاہئے۔ پھر بھی جب یہ کہتے ہوئے انہیں کوئی شرم نہیں آتی کہ کشمیر ان کا اٹوٹ انگ ہے اور ہم اس مسئلے پر کسی سے بات کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں' تو آخر کیوں ان کے ساتھ بات کرنے میں وقت ضائع کیا جائے۔

جو لوگ ہم سے یہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ بات چیت کر کے یہ مسئلہ طے کرو' ان سے ہمیں کہنا چاہئے کہ آپ

ان سے اس بات کا اقرار تو کرائیں کہ کشمیر ایک نزاعی مسئلہ ہے اور بات چیت اسی کو طے کرنے کے لئے ہوگی۔

دوسری ممکن صورت یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے ذریعے یہ مسئلہ حل ہو۔ اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ 1948ء میں گیا۔ اس پوری مدت میں اقوام متحدہ نے کیا کیا؟ اقوام متحدہ کا اپنا فیصلہ یہ تھا کہ کشمیر سے پاکستان اور ہندوستان دونوں کی فوجیں ہٹالی جائیں گی اور اقوام متحدہ کی نگرانی میں وہاں اس سوال پر رائے شماری کرائی جائے گی کہ وہاں کے باشندے پاکستان اور بھارت میں سے کس کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں۔ 1948ء میں یہ فیصلہ انہوں نے خود کیا تھا اور 1949ء میں اس فیصلے کو اور زیادہ واضح طور پر انہوں نے بیان کیا تھا' مگر اس کے بعد سے آج تک انہوں نے اس فیصلے پر عمل درآمد کرانے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ استصواب رائے کے لئے ایڈمنسٹریٹر کا تقرر بھی کر دیا گیا۔ لیکن عملاً کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا' اور اقوام متحدہ کا کام بس یہ رہ گیا ہے کہ اس کے نمائندے جنگ بندی لائن کی تا قیامت نگہبانی کرتے رہے ہیں اس معاملے میں اقوام متحدہ کی بے حسی بلکہ بداخلاقی کا حال یہ ہے کہ پہلے جن چیزوں کا فیصلہ وہ خود کر چکے ہیں' جو قراردادیں لکھی ہوئی ان کے ریکارڈ پر موجود ہیں' آج اپنے ان فیصلوں کا اعادہ کرنے اور ان کا نام لینے میں بھی ان کو تامل ہے۔

جس طرح ہندوستان سے بات چیت کر کے اس مسئلے کو طے کرنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں' قریب قریب اس درجے کے امکانات اقوام متحدہ کے ذریعے اس مسئلے کو طے کرانے کے بھی ہیں۔ اب یہ ہماری محض نادانی ہوگی' اگر ہم اس سے کوئی امید وابستہ کریں۔ اقوام متحدہ اگر اس کو حل کرانے والی ہوتی تو آج سے بہت پہلے کرا چکی ہوتی۔ مگر وہاں کوئی ایسا نہیں ہے جس کا حق اور انصاف یا انسانیت سے کوئی تعلق ہو۔

اس کے بعد تیسری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس معاملے میں مداخلت کر کے اس مسئلے کو حل کرائیں۔ اب ذرا اس کے امکانات کا بھی جائزہ لے کر دیکھ لیجئے۔

دنیا کی ان بڑی طاقتوں میں سے ایک برطانیہ ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ مسئلہ پیدا ہی برطانیہ کی بددیانتی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس نے تقسیم اتنے غلط طریقے سے کرائی کہ اس کے نتیجے میں ایک مستقل جھگڑا ایک مدت دراز کے لئے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان پیدا ہو گیا۔ اگر یہ تقسیم غلط طریقے سے نہ ہوتی اور ہندوستان کو کشمیر تک پہنچنے کا راستہ نہ دیا جاتا تو یہ مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ جس طاقت نے اپنی بددیانتی سے' اور اس بناء پر کہ اس کے اندر اخلاقی ذمہ داری کا احساس موجود نہ تھا' خود اس مسئلے کو پیدا کیا اور جان بوجھ کر ہمیشہ کے لئے ایک مستقل جھگڑے کی بنیاد یہاں پر ڈال دی۔ اس سے اب آپ کیا توقع رکھتے ہیں کہ وہ کوئی کوشش واقعی اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کرے گی؟ اگر اس قوم کے اندر ذمہ داری کا احساس موجود ہوتا تو یہ مسئلہ پیدا ہی کیوں ہوتا؟

دوسری بڑی طاقت روس ہے۔ میں یہ صاف صاف کہتا ہوں کہ کشمیر کے مسئلے کو اس حد تک پیچیدہ بنا دینے میں بڑا دخل روس کا ہے۔ جب تک روس نے ہندوستان کی حمایت میں اپنا ویٹو استعمال کرنا نہیں شروع کیا تھا اس وقت تک ہندوستان کو کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ کشمیر کا مسئلہ سرے سے کوئی نزاعی مسئلہ ہی نہیں ہے اور یہ کہ کشمیر ہمارا ایک غیر منفک جز ہے' جس کے معاملے میں کسی کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ یہ ساری باتیں بھارت نے اس وقت کرنی شروع کیں جب روس نے مسلسل اپنا ویٹو استعمال کر کے بھارت کو اس امر کا اطمینان دلایا کہ تم اب کشمیر کو آسانی سے ہڑپ کر سکتے ہو۔ روس کا وزیراعظم خود کشمیر میں کھلم کھلا یہ کہہ کر چلا گیا ہے ہم کشمیر کو ہندوستان کا ایک حصہ مانتے ہیں۔ درحقیقت کشمیر کے مسئلے کو اس حد تک الجھا دینے میں روس کی سیاست کا بہت بڑا دخل ہے۔

تیسری بڑی طاقت جو اس مسئلے کو حل کرا سکتی ہے' وہ امریکہ ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ ناقابل اعتماد دوست شاید ہی کوئی ہوگا اس قوم نے جس کمال کا آج تک مظاہرہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہر ایک سے یک طرفہ دوستی چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہر ایک کے ساتھ دوستی کرے' مگر وہ کسی کے ساتھ دوستی نہ کرے بلکہ اپنے دوست کے ساتھ دوستی کرنے کا جب موقع پیش آئے تو اس سے بے وفائی کر جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکہ ہی کی وجہ سے ہم نے روس کی دشمنی مول لی۔ اگر ہم سیٹو اور سنٹو میں امریکہ کی خاطر شامل نہ ہوتے اور اس سے دفاعی معاہدہ نہ کرتے تو روس ہمارا اس حد تک دشمن نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بار بار ویٹو کر کے کشمیر کے مسئلے کو اتنا الجھا دیتا۔ ہم نے اس قوم کے اوپر اعتماد کر کے اپنے آپ کو اس حد تک خطرے میں ڈال دیا اور اتنا کچھ نقصان پہنچایا۔ لیکن جب ہمارا معاملہ آیا کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی دوستی کرے' اس وقت اس نے کھلم کھلا ہمارے ساتھ بے وفائی کی۔ اب ہم سے زیادہ نادان کون ہوگا' اگر ہم یہ امید باندھیں کہ امریکہ دباؤ ڈال کر اس مسئلے کو حل کرائے گا؟ میرا خیال یہ ہے کہ اگر امریکہ کے اوپر اعتماد کریں اور اس امید پر بیٹھے رہیں کہ وہ اسے حل کرا دے تو اس کو ایسے طریقے سے حل کرنے کی کوشش کرے گا جس سے کشمیر کا پاکستان میں آنا تو درکنار' خود پاکستان کی آزادی و خودمختاری کا باقی رہ جانا بھی ممکن نہ ہوگا۔

اب صرف ایک آخری صورت رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے بھروسے پر اٹھیں۔ اپنے رب پر اعتماد کریں اور اپنے دست و بازو سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ میرے خیال میں اس کے حل کی بس یہی ایک صورت ہے۔

جہاد کے سوا کشمیر کے مسئلے کا کوئی اور حل نہیں ہے اور اب ہمارے پاس اتنی مہلت بھی نہیں ہے کہ ہم زیادہ دیر تک انتظار کریں۔ بھارت اب اس بات پر تل گیا ہے کہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت باقی نہ چھوڑے' تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے استصواب کا مطالبہ ختم ہو جائے۔

بعض لوگ اس پر یہ کہتے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان کی طاقت میں بہت بڑا فرق ہے وہ کئی گنا بڑی طاقت ہے۔ اس وجہ سے ہم لڑ کر اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتے۔ بعض لوگ یہ بات کھل کر کہتے ہیں اور بعض لوگ دبے دبے الفاظ میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اب ہمارے سامنے یہ مسئلہ زندگی اور موت کا' عزت اور ذلت کا مسئلہ ہے۔ اب یہ صورت حال پیدا ہو چکی ہے کہ اگر ہم ایک مرتبہ کشمیر کے معاملے میں دب جائیں' تو یہ ایک دبنا نہیں ہوگا بلکہ مسلسل ہم کو دبتے ہی چلے جانا پڑے گا۔ یہاں تک کہ ہماری آزادی بھی خطرے میں پڑ جائیں گی۔ اب تو خود پاکستان کا باقی رہنا بھی اس بات پر منحصر ہے کہ ہم دنیا میں اپنا ایک باعزت قوم ہونا ثابت کر دیں۔ اور دنیا یہ جان لے کہ یہ قوم اپنی عزت پر مر سکتی ہے' مگر جھک نہیں سکتی۔ جہاں تک حساب لگانے کا تعلق ہے' اس مسئلے میں یہ بات خوب سمجھ لیجئے کہ جو لوگ اپنی طاقت پر نہیں بلکہ اللہ کی طاقت پر اعتماد کرتے ہیں' وہ اپنے سے دس گنی طاقت سے بھی لڑ کر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے:

> ''ایک قلیل تعداد بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک کثیر تعداد کے اوپر غالب آ جاتی ہے۔''

اور وہ کہتا ہے:

> ''اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے''

یہ بات اب محض ایمان بالغیب کی بات بھی نہیں رہی ہے ستمبر 1965ء کی سترہ روزہ جنگ میں مسلسل اور پے در پے اس کے تجربے ہو چکے ہیں۔ اگر حساب کر کے دیکھا جائے تو ہماری بری' بحری اور ہوائی طاقت کا ہندوستان کی طاقت سے آخر کیا مقابلہ ہے؟ حساب کر کے تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ وہ ہم سے چھ گنا تھے اور صرف یہی نہیں کہ وہ چھ گنے تھے' بلکہ ان کے ہوائی جہاز ہمارے ہوائی جہازوں سے' اور ان کے جنگی ساز و سامان ہمارے ساز و سامان سے زیادہ بہتر نوعیت کے تھے۔ مگر آپ کو تجربے نے بتا دیا کہ اگر ہم حق دار اور انصاف کے لئے اللہ کے بھروسے پر اٹھ کھڑے ہوں اور اللہ کی تائید ہمارے شامل حال ہو تو سارے حساب دھرے رہ جاتے ہیں اور اللہ کی تائید معجزے دکھا دیتی ہے۔ لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اللہ سے

تائید کی امید اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی نافرمانیاں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔ اگر ہمیں خدا کی مدد حاصل کرنی ہے تو پھر خدا کی اطاعت کی طرف آنا پڑے گا۔ خدا سے بغاوت کی راہ چھوڑنی پڑے گی۔ اگر ہم خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرلیں تو بہت جلدی نہ صرف یہ مسئلہ حل ہوگا بلکہ پاکستان کی آزادی اور خودمختاری کے متعلق بھی ہمیں پوری طرح سے اطمینان ہوجائے گا۔

(تقریر: 26 نومبر 1965ء کالج گراؤنڈ' مظفرآباد)

ڈاکٹر اسرار احمد

بہرحال یہ بات اپنی جگہ بالکل کوہِ ہمالیہ کے مانند اٹل ہے کہ مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل کے بغیر پاک بھارت تعلقات میں مستقل اور پائیدار بہتری کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوسکتی۔ لیکن اصل غور طلب بات یہ ہے کہ خود مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمارے پاس اور کون سے آپشن موجود ہیں' اور وہ کس حد تک قابلِ عمل بھی ہیں اور متوقع طور پر نتیجہ خیز بھی؟

کیا جنگ مسئلہ کشمیر کا حل ہے؟

سب سے پہلے جنگ کو لیجئے جس کی آج کل بار بار دہائی دی جارہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ فی الواقع اور خصوصاً بحالاتِ موجودہ کوئی قابلِ عمل حل ہے؟ کیا ہم جنگی صلاحیت کے اعتبار سے بھارت کے مقابلے میں آج کی نسبت 1965ء میں کہیں زیادہ بہتر حالت میں نہیں تھے؟ پھر اگر اس وقت کامیابی حاصل نہیں ہوسکی تھی تو آج اس کی کتنی اُمید کی جاسکتی ہے؟

مسلمانانِ کشمیر پر بھارت کی ننگی جارحیت اور بے پناہ ظلم و بربریت کے خلاف پاکستان کی جانب سے کھلم کھلا اعلانِ جنگ صرف اس صورت میں ہوسکتا تھا کہ ہمیں اپنے موقف کے مبنی برحق و انصاف ہونے کے ساتھ ساتھ سورۂ آل عمران کی آیت 160 کے ان الفاظِ مبارکہ کے مطابق کہ: ''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا!'' اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا یقین بھی حاصل ہوتا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سودی معیشت کے نظام کو جاری رکھنے کے باعث خود ہی اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ برسرِ جنگ ہیں' لہٰذا فرمانِ نبویؐ: ((فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ؟)) یعنی ''ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے؟'' کے مطابق ہمیں اللہ کی نصرت و تائید کی امید کیسے ہوسکتی ہے! بنابریں لے دے کر سارا معاملہ صرف مادی اسباب و وسائل کی کمیت اور کیفیت کا رہ جاتا ہے' جس کا تقابلی جائزہ اور موازنہ آئے دن اخبارات کی زینت بنتا رہتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس مستقل سنت کا مظہر ہے کہ: ﴿کُلًّا نُّمِدُّ ھٰۤؤُلَآءِ وَھٰۤؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ﴾ (بنی اسرائیل: 20) یعنی ''ہم یہ اور وہ (یعنی طالبانِ دنیا اور طالبانِ آخرت) سب کی آپ کے رب کے فضل و عطا سے مدد کرتے رہتے ہیں!'' کہ اس نے ہمیں اوّلاً 1971ء میں سابق صدر امریکہ' آنجہانی رچرڈ نکسن کے دل میں وہ بات ڈال کر جسے اس وقت اندرا گاندھی نے ''پرو پاکستان ٹِلٹ'' سے تعبیر کیا تھا' اس سے روسی وزیر اعظم کوسی جن کو ہاٹ لائن پر الٹی میٹم دلوایا جس کے حکم کے تحت اندرا گاندھی نے ''یک طرفہ جنگ بندی'' کا اعلان کیا' جس کے نتیجے میں ہمیں بارگاہِ خداوندی سے ﴿مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ﴾ یعنی مزید مہلتِ عمل مل گئی۔ پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کا مظہر ہے کہ بعد میں اس نے ہمیں اپنے خصوصی فضل و کرم سے خالص معجزانہ طور پر ایٹمی صلاحیت کے ذریعے ایک مؤثر ڈیٹرنٹ عطا فرمادیا اور یہ بھی صرف اس لئے کہ اس کی حکمت و مشیت میں ابھی ہمارے ﴿فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ (''پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو!'' الاعراف: 129) والے امتحان کی مہلت اور مدت ختم نہیں ہوئی ہے۔ جس پر ہمیں سورۃ الانفطار کے ان الفاظِ مبارکہ کے مطابق کہ ﴿یٰۤاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ﴾ یعنی ''اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے مہربان رب (کی جانب سے مہلت کی طوالت کے باعث اس کے مکافاتِ عمل کے قانون) کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کردیا؟'' کے مصداق ہرگز دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ سورۂ اعراف کی آیت 34 اور سورۂ یونس کی آیت 49 میں واردشدہ الفاظ کے مطابق یہ مہلت کسی بھی لمحہ ختم ہوسکتی ہے۔ اور پھر جب یہ اچانک ختم ہوجائے گی تو اس میں مزید توسیع و تاخیر کسی طرح ممکن نہ ہوگی' بمصداقِ: ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ (الاعراف: 34) یعنی ''پھر جب ان کی وہ معینہ گھڑی آجائے گی تو نہ یہ لوگ ایک ساعت آگے بڑھ سکیں گے نہ پیچھے ہی کھسک سکیں گے!''

مزید برآں سب جانتے ہیں کہ یہ ایٹمی صلاحیت بھی صرف ''ڈیٹرنٹ'' ہی ہے یعنی صرف بھارتی جارحیت کے خلاف ڈھال کا کام دے سکتی ہے۔ اسے خود بھارت پر حملہ کرنے کے لئے استعمال کرنے کا خیال جنت الحمقاء میں رہنے کے مترادف ہے۔ گویا نتیجے کے اعتبار سے یہ بھی جنگ کے ''آپشن'' کی نفی کے مترادف ہے!

رہا مسلمانانِ کشمیر کا سرفروشانہ اور بے مثال جہادِ حریت تو اس کے ضمن میں بھی جذبات سے ہٹ کر عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ کسی کھلم کھلا اور ٹھوس بیرونی امداد کے بغیر آخر وہ اسے حکومت پاکستان کی صرف اخلاقی اور سفارتی مدد اور بعض نجی اداروں کی جانب سے چوری چھپے اور وہ بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ کے بقدر' امداد کے بل پر کب تک جاری رکھ سکیں گے؟

واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بھی بہت سے حلقوں' بالخصوص مذہبی گروہوں کی جانب سے عوام کو بہت بڑے بڑے مغالطے دیئے جارہے ہیں۔ چنانچہ اولاً جہاد افغانستان کا حوالہ دیا جاتا ہے' حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس معاملے میں ایک سپر پاور کی کھلم کھلا' اعلانیہ اور فیصلہ کن مالی اور جنگی مدد حاصل تھی (جس کی بہتی گنگا میں خود پاکستان کے بہت سے مقتدر افراد اور مذہبی جماعتوں نے خوب خوب ہاتھ دھوئے!) لہٰذا کشمیر کے معاملے میں افغانستان کا حوالہ قیاس مع الفارق کی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانیاً اس کے ضمن میں سورۂ نساء کی آیت 75 کا حوالہ بھی بہت شدّ ومد کے ساتھ دیا جاتا ہے' یعنی

> ''(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ
> کی راہ میں اور ان کمزور و مجبور مردوں' عورتوں
> اور بچوں (کی مدد) کے لئے جنگ نہیں کرتے
> جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب
> ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے لوگ
> ظالم ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس
> سے حامی اور مددگار پیدا فرما!''

لیکن اس حقیقت کو جان بوجھ کر نظرانداز کردیا جاتا ہے کہ اس آیت کے مخاطب مدینہ منورہ کے وہ مسلمان تھے جنہوں نے خود اپنی ذات اور دائرۂ اختیار اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے پورے معاشرے میں اللہ کے دینِ حق کے عادلانہ نظام کو بالفعل قائم' اور اس کی شریعت کے احکام کو بہ تمام وکمال نافذ کردیا تھا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جانب تاحال ہم کتاب و سنت کی کامل بالادستی کا قولِ ثقیل زبانی کلامی طور پر بھی' اور اس دور میں ادا نہیں کرسکے جبکہ ہمارے ملک میں اس نام نہاد ''اسلامی جمہوری اتحاد'' کی حکومت قائم تھی جس میں ملک کی تقریباً قابلِ لحاظ مذہبی جماعتیں شامل تھیں اور اس حکومت کو پارلیمنٹ میں دوتہائی اکثریت بھی حاصل تھی جس کے ذریعے دستور میں بآسانی مطلوبہ ترمیم کی جاسکتی تھی۔ دوسری جانب خود ہمارے عوام کی عظیم اکثریت ایک طرف جاگیرداروں اور وڈیروں کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہی ہے تو دوسری طرف سودی معیشت کی پیداکردہ شدید مہنگائی' افراطِ زر اور بے کاری کی آگ میں جل رہی ہے' اور تیسری جانب سیاسی عدم استحکام نے ملک کی سلامتی اور سالمیت کو مخدوش' اور مہیب و ہولناک کرپشن اور کروڑوں اور اربوں کے غبن اور خرد برد نے ملک کو دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچادیا ہے۔

ان حالات میں سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت کے حوالے سے ''جہادِ کشمیر'' کا غلغلہ بلند کرنے والوں کو یا تو عوامی چندوں میں سے اپنے کمیشن کے حصول کا لالچ ہوسکتا ہے' یا اولاً اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت کے

بالفعل نفاذ اور پھر اپنے پورے ملک اور معاشرے میں اسلام کے نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن قربان کرنے کا کھکھیڑ مول لئے بغیر ع "کتنا حسین فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم!" کے مصداق "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" کے بلند و بالا مرتبہ و مقام پر فائز ہونے کا "حسین فریب" کھانے کا شوق ہو سکتا ہے...... ورنہ ع "پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی!" کے مصداق کہاں سورۂ نساء کی اس آیت مبارکہ کے مخاطب اصحابِ رسول (ﷺ ورضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور کہاں ہم پاکستانی مسلمان! ع "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!"

کیا قراردادیں مسئلہ کشمیر کا حل ہیں؟

پاکستان اور بھارت کی کھلی جنگ یا مسلمانانِ کشمیر کے مسلح جہادِ حریت کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے دوسرا آپشن یا متبادل راستہ یہ ہے کہ یو این او کے ذریعے اور اس کی پینتالیس سال پرانی قراردادوں کے مطابق کشمیر پر استصواب کرانے کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے خود بھی ایک جانب براہ راست دوبارہ یو این او کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور دوسری جانب اس کے ذیلی اداروں، جیسے حقوقِ انسانی کے کمیشن وغیرہ کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو ہموار کر کے بھارت پر دباؤ بڑھایا جائے۔

یہ راستہ نظری اعتبار سے تو سب سے سیدھا اور اس قضیئے کے حل کے لئے بظاہر بالکل "صراطِ مستقیم" اور "سواء السبیل" کے مصداق نظر آتا ہے، لیکن اب سے تین چار سال قبل تک تو اس کی راہ میں یو ایس ایس آر کا ویٹو بھی حائل تھا اور امریکہ کی عدم دلچسپی بھی سدِ راہ تھی، لیکن اب چونکہ ایک جانب خلیج کی جنگ اور یو ایس ایس آر کی تحلیل بلکہ تجہیز و تکفین کے بعد بظاہر ویٹو کا خطرہ بھی ٹل گیا ہے اور دوسری جانب امریکہ نے گہری دلچسپی لینی شروع کر دی ہے لہٰذا اس کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم ساری امیدیں اسی آپشن سے وابستہ کر دیں، لیکن نئی عالمی صورتِ حال میں یہ آپشن ہمارے لئے نہایت مہلک اور خطرناک بن گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے کہ ع "جانتا ہے جس پر روشن باطنِ ایام ہے!" کے مصداق عالمی حالات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے، اب امریکہ کو "سول سپریم پاور آن ارتھ"، یعنی روئے ارضی کی واحد عظیم ترین قوت کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور وہ اپنی اس حیثیت کو پوری طرح بروئے کار لانے کے لئے "نیو ورلڈ آرڈر" کے قیام کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہا ہے، جس کے لئے یو این او اس کے خانہ ساز بلکہ "خانہ زاد" ادارے کی حیثیت سے آلۂ کار کا کام کر رہا ہے۔ اور چونکہ اب اس نیو ورلڈ آرڈر کے کلی تسلط کی راہ میں واحد عظیم طاقت جو کسی حد تک بالفعل سدِ راہ بنی ہوئی ہے وہ تو صرف چین ہے، البتہ ایک غیر اہم درجہ میں شمالی کوریا بھی ہے، اور سودے بازی اور بلیک میلنگ کی حد تک بھارت بھی، پھر عوامی جذبات کے اعتبار سے پاکستان بھی کسی حد تک سدِ راہ ہے، اور حکومت کی سطح پر فنڈامنٹلسٹ ہونے کے ناتے ایران بھی۔ مزید برآں مستقبل کے اندیشوں کے اعتبار سے افغانستان بھی امریکہ کے لئے "توجہ طلب" ہے تو روسی ترکستان کی حال ہی میں آزاد ہونے والی مسلم ریاستیں بھی، لہٰذا امریکہ کو اس پورے علاقے میں "پولیس مین" کا کردار ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے "اسرائیل" کی شدید ضرورت ہے!

اس تناظر میں اندھے کو بھی نظر آ سکتا ہے کہ ع

الٰہی خیر میرے آشیاں کی
زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی!

کے مصداق چچا سام کی نظریں کشمیر پر مرکوز ہو گئی ہیں کہ اسے بھارت اور پاکستان دونوں سے "واگزار" کرا کے یا تو ایسی "آزادی" عطا کر دی جائے جو ع

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!

کی مصداقِ کامل ہو۔ یا انتداب کے نام سے کشمیر کے "میر" یو این او کی "زلفوں کا اسیر" بنا دیا جائے۔ اور اس طرح مشرقی ایشیا کے عین قلب میں ایک دوسرا "اسرائیل" قائم کر دیا جائے، جہاں سے بیک وقت چین، بھارت، پاکستان، افغانستان، ایران اور ترکستان سب کو کنٹرول کیا جا سکے۔

کیا تھرڈ آپشن مسئلہ کشمیر کا حل ہے؟

کشمیر کے بارے میں امریکہ کے یہ عزائم اگرچہ چند ماہ قبل امریکہ کی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا مسز رابن رافیل کے بیان ہی سے طشت از بام ہو گئے تھے تاہم اس سلسلے میں تفصیلی حقائق حال ہی میں بھارت کی دفاعی ریسرچ ٹیم کے سربراہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) افسر کریم کی مرتب کردہ رپورٹ کے ذریعے منظر عام پر آئے ہیں۔ جس کے مطابق امریکہ کے "خود مختار کشمیر" کے اس منصوبے میں مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کے علاوہ لداخ کے کچھ علاقے بھی شامل ہیں اور یہ کہ "اس سلسلے میں امریکہ نے بھارتی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ایک خصوصی ٹیم جو ماہرین پر مشتمل ہے بھارت بھجوا دی ہے!" چنانچہ فوری طور پر امریکہ کے ان "ماہرین" کا یہ کارنامہ بھی منصۂ شہود پر آ چکا ہے کہ "آل پارٹیز حریت کانفرنس" کے نام سے مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں اور گوریلا گروپوں کا جو مشترکہ پلیٹ فارم وجود میں آیا ہے اس کے دستور میں "آزاد و خود مختار کشمیر" کو بھی ایک متبادل آپشن کی حیثیت سے شامل کر لیا ہے! مزید برآں ہوا کے نئے رخ کا اندازہ درگاہ حضرت بال سرینگر میں 32 دن محصور رہنے والے کشمیری لیڈر اور حریت پسند تنظیم "آپریشن بالاکوٹ" کے کمانڈر انچیف عمر خالد کے اس انٹرویو کے تیکھے انداز سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے جو روزنامہ جنگ لاہور کی 11 مئی کی اشاعت میں شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ "کشمیری پاکستان سے مایوس ہو گئے ہیں اور مقبوضہ کشمیر میں خود مختاری کا نظریہ فروغ پانے لگا ہے" اور "پاکستان اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عمل نہیں کرا سکتا تو اس سے الحاق کے لئے قربانیاں دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے!" وقس علیٰ ذلک! جس پر حزب المجاہدین کے سپریم کمانڈر غلام محمد صفی صاحب کو بھی کچھ بے بسی کے انداز سے کہنا پڑا کہ "کشمیری مجاہدین کی تنظیموں میں بھارتی ایجنٹ داخل ہو گئے ہیں!" بہر حال ع "قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا!" کے مطابق اس سے حالات کی سنگینی کا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس صورتِ حال میں عافیت اسی میں ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے اس دوسرے اور بظاہر سیدھے آپشن کا خیال قطعی طور پر ذہن سے نکال دیا جائے۔ ورنہ استصوابِ رائے کے لئے بھارت اور پاکستان دونوں کی افواج کے دونوں کشمیروں سے انخلاء کے بعد ظاہر ہے کہ کشمیر کا مستقبل کلی طور پر یو این او کے رحم و کرم پر ہو گا جس کے پردے میں امریکہ اس بندر کا روایتی کردار بآسانی کر سکے گا جس نے دو بلیوں کے مابین روٹی کی "منصفانہ تقسیم" کے بہانے پوری روٹی خود ہضم کر لی تھی جبکہ دونوں بلیاں منہ دیکھتی رہ گئی تھیں!

گویا مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمیں تھرڈ آپشن کو اختیار کرنا ہو گا جو بھارت یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق کے ساتھ "آزاد و خود مختار کشمیر" کا تھرڈ آپشن نہیں، بلکہ پاک بھارت جنگ یا یو این او کی ثالثی کی بجائے پاکستان اور بھارت براہ راست مذاکرات کے ذریعے مفاہمت کی کوشش کا تھرڈ آپشن ہو! جس کے لئے دونوں ملکوں کے اصحابِ دانش و بینش کی حد تک تو زمین بہت کچھ ہموار ہو چکی ہے، لیکن دونوں ملکوں میں قائم انگریز کا موروثی پارلیمانی نظام سب سے بڑی سدِ راہ ہے۔ اس لئے کہ حکومتیں اگر مفاہمت اور اصلاحِ حال پر آمادہ ہوتی ہیں تو دونوں ملکوں کی اپوزیشن پارٹیاں سینتالیس سال کے دوران میں سرحد کے دونوں جانب کے عوام کی راسخ ہو جانے والی اجتماعی نفسیات کو مشتعل کر کے کسی اقدام کو ناممکن بنا دیتی ہیں! جس کا سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ متعدد دوطرفہ مسائل کے ضمن میں معاہدات کی جملہ تفاصیل طے ہو جانے اور ان پر جانبین کے پوری طرح متفق ہو جانے کے باوجود ان پر دستخطوں کی نوبت نہیں آ پاتی!

اقتباس از پریس کانفرنس 25/اکتوبر 1995ء

کشمیر کے خوفناک ترین مسئلے کے حل کے ضمن میں میری رائے یہ ہے کہ:

(i) اسے امریکہ یا UNO کے ذریعے حل کرانے کی کوشش ترک کر دی جائے اور چچا سام کو کم از کم اس مسئلے میں "سلام" کہہ دیا جائے اور یو این او سے بھی اپنا پاندان اٹھا لے جانے کی درخواست کی جائے۔

(ii) اس کا حل شملہ معاہدے کے مطابق بھارت کے ساتھ براہ راست دوطرفہ گفتگو کے ذریعے جلد از جلد کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر کر لیا جائے۔ اور اس ضمن میں ایران اور چین کی خیر سگالی کو بروئے کار لایا جائے۔

(iii) اسے 1947ء کی تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا قرار دیتے ہوئے اور پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح حل کیا جائے کہ:

ا) آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کو پاکستان میں ضم کر لیا جائے اور صوبوں کی حیثیت دے دی جائے۔

ب) اسی طرح جموں اور لداخ کے غیر مسلم اکثریت والے علاقوں کو بھارت اپنی ریاستیں بنائے' اور

ج) وادی کی حد تک بھارت اور پاکستان اپنے ہی اہتمام میں ریفرنڈم کرا لیں اور صرف وادی کی حد تک بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ آزادی کا تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس کو داخلی خودمختاری تو پوری حاصل ہو لیکن خارجہ پالیسی اور دفاع کے معاملات پر بھارت اور پاکستان کی مشترکہ نگرانی ہو۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو عنقریب بھارت اور پاکستان دونوں روایتی بلیوں کے مانند دیکھتے رہ جائیں گے......اور عظیم تر کشمیر کی پوری روٹی کو عالمی یہودی استعمار کا بندر ہڑپ کر جائے گا۔ اعاذنا اللہ من ذالک!

اقتباس از خطاب جمعہ مورخہ 4 فروری 2000ء

حال ہی میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک تھنک ٹینک نے جس میں یہودیوں کی اکثریت شامل ہے' مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں ایک تجویز دی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جموں اور لداخ کا علاقہ ہندوستان کو دے دیا جائے جبکہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے پاس رہنے دیا جائے اور وادی کشمیر کو آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے۔ ہمیں اس رائے سے محض اس لئے اختلاف نہیں کرنا چاہئے کہ یہ یہودیوں کے ذہن کی اختراع ہے۔ البتہ میری رائے میں اس تجویز کا آدھا حصہ قابل عمل ہے اور آدھا حصہ غلط ہے۔ اس فارمولے میں خامی یہ ہے کہ وادی کو اگر امریکہ یا یو این او کے رحم و کرم پر آزادی دے دی گئی تو اندیشہ ہے کہ ہارٹ آف ایشیا میں ایک نیا اسرائیل قائم ہو جائے گا۔

اگرچہ اس سے پہلے امریکہ کی سکیم یہ تھی کہ پاکستان' ہندوستان اور چین سے کشمیر کے سارے علاقے واپس لے کر یہاں ایک آزاد ریاست کی صورت میں امریکی اڈہ قائم کیا جائے' لیکن اللہ کا کرم ہوا اور بعض اطلاعات کے مطابق آئی ایس آئی نے امریکہ کی یہ سکیم ناکام بنا دی ہے۔ موجودہ صورتِ حال میں اس کا درست حل یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کرتے ہوئے بھارت سے ملحقہ ہندو اکثریتی علاقوں یعنی جموں اور لداخ کو بھارت میں ضم کر دیا جائے اور اسی فارمولے کے تحت موجودہ آزاد کشمیر کو وادی سمیت پاکستان کا حصہ قرار دے دیا جائے۔ تاہم مناسب ہو گا کہ اس سارے عمل میں یو این او یا امریکہ کی ثالثی قبول نہ کی جائے بلکہ بھارت اور پاکستان دونوں باہمی مفاہمت سے یا پھر چین اور ایران کو ثالث مان کر اس مسئلے کو حل کریں تاکہ کوئی بیرونی طاقت اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر کشمیر میں قدم نہ جمانے پائے۔

دراصل بھارت کی کسی بھی حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کشمیر کے بارے میں اپنے عوام کے جذبات کے برعکس کوئی فیصلہ کر سکے لہٰذا یہ معاملہ تبھی حل ہو سکتا ہے جب بھارت اور پاکستان میں موجودہ تناؤ ختم ہو اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا ہو۔ ویسے بھی بھارت نے گزشتہ دس سال کے عرصہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ فوج کشمیر میں رکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے وسائل و ذرائع میں رہتے ہوئے اس مسئلے سے لمبے عرصے تک نبرد آزما رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جبکہ ہماری اقتصادی بدحالی کی ایک اہم وجہ مسئلہ کشمیر بھی ہے جس کے باعث ہم بھارت کے ساتھ کم و بیش ہر وقت ایک سرد جنگ کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ جتنی جلدی حل ہو سکے اتنا ہی بہتر ہو گا۔ چنانچہ اس مسئلے کے حل کی ایک کم تر صورت یہ بھی ہو سکتی ہے جسے بھارتی عوام اور حکومت افہام و تفہیم کے بعد قبول کرنے پر تیار ہو سکتے ہیں۔ یعنی جموں اور لداخ بھارت میں ضم ہو جائیں اور موجودہ آزاد کشمیر مستقلاً پاکستان کا حصہ بن جائے اور صرف وادی کی حد تک استصواب کرا لیا جائے کہ وہ بھارت کے ساتھ ضم ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ۔ اور اگر وادی کے لوگ تھرڈ آپشن کے حق میں فیصلہ دیں تو صرف وادی کو اس شرط پر آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے کہ اس علاقے کو کسی بیرونی طاقت کا اڈہ نہیں بننے دیا جائے گا۔

اقتباس از بیان پریس کانفرنس 10/جولائی 2001ء

میری عرصۂ دراز سے یہ پختہ رائے ہے کہ......

(1) کشمیر کے مسئلے کو تقسیم ہند کے متفق علیہ فارمولے کی روح کے مطابق اسی کے ایجنڈے کی ایک بقیہ شق کی حیثیت سے حل کیا جائے......!

(2) یعنی یہ کہ اصولی اعتبار سے تو مسلم اور غیر مسلم آبادی کی اکثریت کی بنیاد پر جس طرح نہ صرف یہ کہ پورا ہندوستان تقسیم ہوا بلکہ صوبے بھی تقسیم ہوئے یہاں تک کہ بعض اضلاع بھی تقسیم ہوئے اسی طرح کشمیر کے اس پورے مسلم اکثریت کے علاقے کو جو پاکستان کے ساتھ ملحق ہے' پاکستان کے حوالے کیا جائے اور غیر مسلم اکثریت کے ان علاقوں کو جو بھارت کے ساتھ ملحق ہوں' بھارت میں ضم کر دیا جائے۔ گویا صرف لداخ اور جموں کے وہ اضلاع جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو' بھارت میں مدغم ہو جائیں اور بقیہ پورا بھارتی کشمیر پاکستان کے حوالے کر دیا جائے......

(3) تاہم چونکہ بھارت کی رائے عامہ کے لئے اتنی بڑی قربانی کو ہضم (Reconcile) کرنا تقریباً ناممکن ہے لہٰذا قابل قبول اور قابل عمل حل یہ ہے کہ (i) آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان حسب سابق پاکستان کے پاس رہیں اور انہیں باضابطہ صوبوں کی حیثیت دے کر پاکستان میں شامل کر لیا جائے۔ (ii) اسی طرح لداخ اور جموں کے صرف بھارت سے ملحق غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت میں ضم کر دیے جائیں اور (iii) صرف وادی کشمیر اور اس سے ملحق لداخ اور جموں کے مسلم اکثریت کے اضلاع میں بھارت اور پاکستان اپنے مشترکہ اہتمام میں رائے شماری کرا لیں اور اس میں یا بھارت یا پاکستان کے ساتھ ساتھ خودمختاری کا آپشن بھی شامل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ چونکہ نصف صدی کے دوران وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا ہے' اور نہ صرف بھارت کے مقبوضہ کشمیر میں بلکہ آزاد کشمیر میں بھی ایک مضبوط لابی بھارت اور پاکستان دونوں سے علیحدہ آزاد کشمیر کے قیام کے حق میں پیدا ہو چکی ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔ لیکن یہ آپشن اس شرط کے ساتھ مشروط ہونا چاہئے کہ داخلی طور پر کامل آزادی کے ساتھ ساتھ دفاع اور خارجہ اُمور کے ضمن میں وہاں بھارت اور پاکستان کا مشترکہ کنٹرول ہو گا تاکہ دنیا کی کوئی اور تیسری طاقت وہاں قدم نہ جما سکے!......مزید برآں یہ کہ بھارت اور پاکستان دونوں ممالک کے شہریوں کو اس آزاد وادی میں آمدورفت کا بغیر ویزا حق حاصل ہو۔ اور وادی کے لوگ بھی دونوں ملکوں میں آزادانہ آمدورفت رکھ سکیں۔

ماخذ

اس خصوصی شمارے کی تالیف وتدوین کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب وجرائد سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مولف ان کے مصنفین اور مدیروں کا شکر گزار ہے:

(1) مسئلہ کشمیر ممتاز احمد

(2) تاریخ کشمیر سید محمود آزاد

(3) کشمیر ہمارا ہے میر غلام احمد کشفی

(4) ان کہی داستانِ کشمیر ڈاکٹر سلام الدین نیاز

(5) اقبال اور تحریک آزادئ کشمیر غلام نبی خیال

(6) تحریک آزادئ کشمیر (اردو ادب کے آئینے میں) فتح محمد ملک

(7) کشمیر: جنت نظیر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

(8) کشمیر: ادب وثقافت چودھری غلام عباس

(9) کشمکش چودھری غلام عباس

(10) آتشِ چنار شیخ محمد عبداللہ

(11) کے ایچ خورشید کی یاد میں غلام رسول سندھو

(12) شیر کشمیر: شیخ عبداللہ کلیم اختر

(13) کشمیر اور جونا گڑھ کی کہانی رئیس احمد جعفری

(14) حیات لیاقت رئیس احمد جعفری

(15) قائد اعظم کا پیغام سید قاسم محمود

(16) آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس روداد 1920ء

(17) کشمیر: پابہ زنجیر عزیز بیگ

(18) کیا کشمیر متنازعہ ریاست ہے؟ عبدالخالق انصاری

(19) کشمیر اُداس ہے محمود ہاشمی

(20) تحریک آزادئ کشمیر پروفیسر سیف الدین ترابی

(21) عالمی سامراج اور کشمیر عباس احمد آزاد

(22) مقدمۂ آزادی عباس احمد آزاد

(23) مقبول بٹ شہید عباس احمد آزاد

(24) کشمیر دانشوروں کی نظر میں سردار عبدالرؤف خان

(25) کشمیر: تعارف وحقائق شمس الحق

(26) پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل ڈاکٹر اسرار احمد

(27) کشمیر: شہ رگ پاکستان راؤ محمد جمیل

(28) خود مختار کشمیر کا نعرہ سجاد حجازی

(29) ماہنامہ ''ادبی دنیا'' کشمیر نمبر مدیر: مولانا حامد علی خان

(30) ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' کشمیر نمبر: مدیر: مجیب الرحمٰن شامی

(31) ماہنامہ ''شہ رگ پاکستان'' مدیر: خالد محمود شاہ

(32) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ شمارہ دسمبر 1992ء

(33) ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' شمارہ فروری 2001ء

(34) ماہنامہ ''الحمراء'' شمارہ جون 2001ء

(35) ماہنامہ ''میثاق'' متعدد شمارے

''کل جہاں'' معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

حضرت ثوبان ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا' چنانچہ میں نے اس کے تمام مشارق ومغارب دیکھے اور یقیناً میری اُمت کا اقتدار وہاں تک پہنچے گا جہاں تک زمین کو میرے لئے لپیٹا گیا!'' (یعنی اہل اسلام کا اقتدار کرۂ ارض کے کونے کونے پر قائم ہوگا)

منجانب: **تنظیم اسلامی لاہور شرقی**